تاریخ ادبِ اُردو

(1858 تا 1911)

(جلد پانزدہم)

محمد انصار اللہ

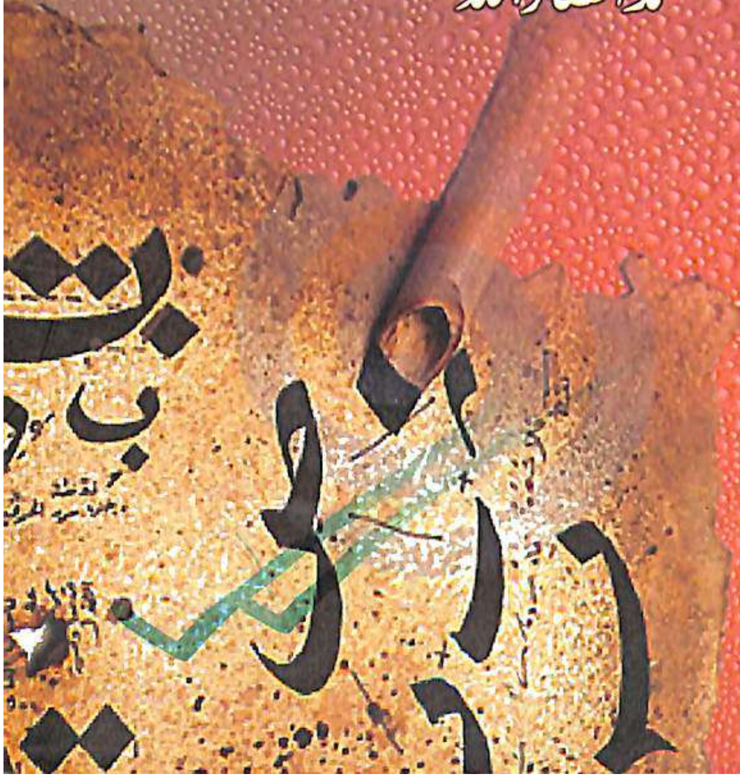

تاریخ ادب اردو

جلد پانزدہم

(1858 تا 1911)

محمد انصار اللہ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون ایف سی، 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت : 2016
تعداد : 550
قیمت : -/277روپے
سلسلۂ مطبوعات : 1870

Tareekh-e-Adab-e-Urdu Vol.15

By: Mohammad Ansarullah

ISBN :978-93-5160-102-9

ناشر: ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک۔8، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066 فون نمبر: 26109746
فیکس: 26108159 ای۔میل: ncpulsaleunit@gmail.com
ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: لاہوتی پرنٹ ایڈز، جامع مسجد، دہلی۔110006
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے تھے۔حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔قومی کونسل

برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم و فنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کر دی جائے۔

پروفیسر سید علی کریم
(ارتضیٰ کریم)
ڈائرکٹر

فہرست

	مقدمہ	vii
1-	دہلی	1
2-	کشمیر	103
3-	صوبہ سرحد	121
4-	بلوچستان	139
5-	لاہور	157
6-	بہاولپور	231
7-	سیالکوٹ	255
8-	جالندھر	267
9-	امرتسر	283
10-	لدھیانہ	299
11-	کرنال	321
12-	صوبہ ہریانہ	333

13-	سہارنپور	359
14-	میرٹھ،مظفرنگر	377
15-	بلندشہر	423
16-	علی گڑھ	441
17-	آگرہ	505
18-	بندیل کھنڈ	551
	الف - شاعری	557
	i کالپی	557
	ii باندہ	563
	iii چرکھاری	569
	iv مہوبا	571
	ب - ڈراما	575
19-	رامپور	581
	ماخذ	649

مقدمہ

1857 کی تحریک آزادی کی شکست کے بعد انگریزوں نے اپنے طور پر ملک کے انتظامات درست کرنے شروع کر دیے تھے، ملک کا پایۂ تخت دہلی کے بجائے کلکتہ کو مقرر کیا گیا۔ صوبائی سطح پر بھی دہلی کے مقابلے میں لاہور کو برتری حاصل ہوئی اور دہلی اس کے ماتحت رہی۔ نصف صدی سے زیادہ مدت تک یہی صورت حال رہی اور دہلی والے طرح طرح سے نئے آقاؤں کے سامنے اپنی وفاشعاری کے ثبوت پیش کرتے رہے۔ ملکہ وکٹوریہ نے یکم نومبر 1858 کو اعلان کیا کہ:

> ''ممالک ہندوستان کی حکومت جواب تک ہماری طرف سے امانتاً زیر اختیار 'دی آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی' کے تھی اپنے قبضۂ تسلط میں لینے کا (ہم نے) مصمم ارادہ کیا ہے۔''[1]

اس زمانے میں زبان اردو کے غیر مسلم اربابِ قلم کی تعداد صوبہ سرحد، کشمیر، صوبہ سندھ اور پنجاب وغیرہ میں تقریباً نصف بلکہ بعض مقاموں پر زائد تھی البتہ مشرقی بنگال، آسام، پنجاب کے بعض اضلاع مثلاً بہاولپور، سیالکوٹ کے علاوہ روہیل کھنڈ کے بھی چند اضلاع میں مسلمانوں کا تناسب کسی قدر زیادہ تھا۔ زبان اردو کے تصنیفی اور تحریری کاموں کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا۔

کمپنی کا اقتدار ختم ہونے کے ساتھ ہی ہندوستان کا حکمراں ''وائسرائے'' کہا جانے لگا تھا۔
ایک مدت کے بعد شہنشاہ جارج پنجم کے زمانے میں ایک اور بڑی تبدیلی ہوئی یعنی:

''کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی۔ بعد اس اعلان کے یہ بات ٹھہری کہ اس دارالخلافہ کا سنگ بنیاد....10 دسمبر 1911 کو دس بجے دن کے وقت......گورنمنٹ آف انڈیا کا دارالسلطنت کلکتہ سے اٹھا کر دہلی میں.....قائم کیا گیا۔''2

اس واقعہ کے کوئی دو برس بعد دوسری عالمی جنگ عظیم چھڑ گئی۔ ان واقعات نے اہلِ ہند کے معاملات اور معمولات وغیرہ کو بہ شدت متاثر کیا تھا اور نتیجہ کے طور پر نظم ونثر کی اصناف اور موضوعات وغیرہ میں زبردست تبدیلی کی صورت پیدا ہوئی۔ اس مقام پر مہرشی شیو برت لال ورمن کا یہ بیان بہت اہمیت کا حامل تھا۔

''پرماتما نے اس قوم (انگریز) کو بھیجا تا کہ وہ علم وہنر کی اشاعت کے ساتھ ہندوؤں کو ذہن نشین کرائے کہ ان کی سلامتی اور بہتری صرف اپنے دھرم پر قائم رہنے میں ہے۔ ان کو برطانیہ کی ابتدائے حکومت سے آج تک ایک طرح کی مذہبی آزادی ملی ہوئی ہے۔ جو انگریزوں سے نفرت کرتا ہے وہ دراصل ایشور سے نفرت کرتا ہے۔ جو انگریزوں کی شکایت کرتا ہے وہ دراصل ایشور کی شکایت کرتا ہے۔ ہندو سنسکرت کی ڈینگ مارتے مارتے کسی کام کے نہیں رہے۔''3

داستان، پہیلی اور معما وغیرہ شاہی کے زمانے کی معروف اصناف تھیں۔ شیخ امام بخش صہبائی کے قول کے مطابق دہلی کالج کے انگریز پرنسپل نے انھیں معما سے متعلق لکھنے کے لیے منع کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی میں اس کا چلن تقریباً اٹھ گیا۔ رامپور، بدایوں اور لکھنؤ میں البتہ بعض لوگ اس صنف سے دلچسپی لیتے رہے تھے۔

انگریزی میں داستان کے متبادل کے طور پر ناول کی صنف موجود تھی۔ پنجاب اور بہار کے علاقے میں ناول سے دلچسپی لی گئی البتہ روہیل کھنڈ اور کانپور میں داستان نویسی کا سلسلہ جاری رہا۔

پہیلی کا رواج دہلی اور لاہور میں تھا۔ کچھ مدت تک وہ بدستور رہا لیکن پھر یہ رواج بھی اٹھ گیا۔ وہ زمانہ تھا جب انگریزی میں مضمون نگاری (essay writing) کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اردو میں بھی سرسید اور محمد حسین آزاد وغیرہ کی تقلید میں اس صنف سے دلچسپی لی گئی۔ بھوپال میں نواب سلطان جہاں بیگم نے بھی بہت مفید مضامین لکھے۔ رسالوں کی اشاعت نے بھی مضمون نگاری کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

ڈرامے اور افسانے کا فروغ بھی بدلے ہوئے حالات کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ لاہور افسانہ نگاری کے معاملہ میں پیش پیش رہا تھا۔ بنگال، ممبئی، لاہور اور حیدرآباد کو ڈرامہ کے لیے خصوصیت حاصل ہوئی تھی۔

اردو میں سوانح نویسی کی روایت خاصی مستحکم تھی۔ انگریزی اقتدار کے زمانے میں امریکہ اور یورپ کے ناموروں کے احوال کے چرچے زیادہ رہے تھے اور سوانح نگاری کے لیے انہی شخصیتوں کو موضوع بنایا جاتا تھا۔ اسی زمانے میں یہ بھی ہوا کہ ممتاز شخصوں کے روزنامچے شائع کیے گئے اور خواتین جواب تک پردہ میں تھیں، اب ان کے کارنامے کو بھی شائع کیے جانے لگے۔

دہلی اور علی گڑھ وغیرہ مراکز میں ترجمہ، تنقید اور تدوین سے خصوصیت سے دلچسپی لی جارہی تھی۔ ترجمے عموماً یورپ کی زبانوں سے کیے جارہے تھے۔ تنقید کے اصول، آداب اور موضوعات بھی وہیں سے لیے گئے۔ عروض، بدیع اور بیان وغیرہ کے مسائل سے متعلق تصنیفی کام زیادہ نہیں کیے گئے۔ اکثر ان کی طرف سے صرف نظر بھی کیا جاتا رہا تھا۔ ملک کے تقریباً ہر شہر بلکہ ہر قصبہ میں بھی مطبعے لگائے گئے اور بیشتر مراکز سے اخبار اور رسالے جاری کیے گئے۔ اس سے اردو کی تحریر و تقریر کو خوب ترقی حاصل ہوئی۔

آمد و رفت اور رسل و رسائل کے معاملے میں بھی سہولتیں بڑھ رہی تھیں۔ کتابوں کی طباعت اور اشاعت کا سلسلہ بھی زور پکڑ رہا تھا۔ زبان کو نئے موضوعات اور مباحث مل رہے تھے۔ ملک کے باہر بھی اردو زبان و ادب کے نئے مراکز وجود میں آرہے تھے۔

خوشی کی بات ہے کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے زبان و ادب کی مفصل تاریخ لکھنے کا منصوبہ بنایا اور مجھ بابضاعت کو بھی اس کام کے لیے دعوت دی۔ یہ کام میری دلچسپی کا ہے

اس لیے بقول شخصے دراز تر گفتم   یہ کام ستر ہ جلدوں میں سمایا۔ یہ پندرھویں جلد ہے اور اس میں جن مراکز کے حالات تحریر کیے گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

دہلی، کشمیر، صوبہ سرحد، بلوچستان، صوبہ سندھ، لاہور، بہاولپور، سیال کوٹ، جالندھر، امرتسر، لدھیانہ کرنال، صوبہ ہریانہ، سہارن پور، میرٹھ مظفر نگر، بلند شہر، علی گڑھ، آگرہ، بندیل کھنڈ (کالپی، باندہ، چھکھاری، مہوبا، رامپور) یہ گویا برصغیر کا شمال مغرب کا علاقہ ہے۔

کاملیت کا دعویٰ کرنا تو بجائے خود بڑی غلط بات ہے۔ بے شک کوشش اس بات کی کی گئی ہے کہ زیادہ سے زیادہ قابل ذکر علمی، ادبی مراکز کی بہ حد امکان مکمل تاریخ سامنے آ جائے۔ اس کوشش کے باوجود جو خامیاں اور کوتاہیاں کی گئی ہیں، یقین ہے کہ ارباب علم کی رہنمائی کے بعد آئندہ ان کو دور کر دیا جائے گا۔ انشاءاللہ

محمد انصار اللہ

1-دہلی

		الف - غزل	9
-1	خاور-	میرزا احمد سلطان	9
-2	تمنا-	مرزا غیاث الدین	10
-3	شاہی-	مرزا امجاہد الدین	10
-4	تنویر-	منشی نوازش حسین	11
-5	رخشاں-	نواب ضیاء الدین	12
-6	شیفتہ-	نواب محمد مصطفیٰ خاں	13
-7	شورش-	غلام احمد	13
-8	تجمل-	حکیم تجمل رسول خاں	14
-9	عیش-	حکیم آغا جان	15
-10	ساقی-	پنڈت جواہر ناتھ کول	15
-11	سحاب-	کنور گوپال سنگھ	16
-12	شفق-	دولت رام	16
		ب - پہیلی	19
-1	عیش-	حکیم آغا جان	20
-2	تجمل-	حکیم تجمل رسول خاں	20

3-	ممتاز- ممتاز	21
	ج - تاریخ گوئی	23
	د - تذکرے	25
1-	خزینۃ العلوم	25
2-	مراۃ خیالی	27
3-	نگارستان بشیر	29
4-	تذکرہ بشیر	30
5-	رسالہ تذکرات	31
6-	ارمغاں	32
7-	خم خانۂ جاوید	33
	ہ - تواریخ	37
1-	تاریخ عہد سلطنتِ اسلامیہ	38
2-	تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ	40
	و - سوانحات	41
1-	حیات عزیزی	42
2-	حیات باقیہ	42
3-	سوانح عمری جمشید بادشاہ مع ضحاک	42
4-	دہلی گائیڈ	42
5-	شرف المناقب	43
6-	ذبح عظیم	43
7-	صحیفۃ العابدین	43
8-	سراج المبین فی تاریخ امیر المومنین	44
9-	واقعات کربلا اور اُس کے اسباب وقوع	44

10-	سرِ دِچمن فی احوال امام حسن	44
11-	علوم کاظمیہ	44
12-	الزہرا	44
13-	آثار جعفریہ	44
14-	فلسفۂ شہادت گل دستۂ مومنین	44
15-	اسوۂ رسولؐ	44
16-	سوانح عمری ملکہ معظمہ وکٹوریہ	45
17-	کرزن نامہ	46
18-	سوانح عمری حاجی محمد سمیع اللہ خان بہادر	46
	ز - ڈراما	47
1-	گلر وزرینہ	48
2-	جامِ جہاں نما	48
3-	مہاراجہ گوپی چند	48
4-	امرت	48
5-	وینس کا سوداگر	49
6-	وہمی جنگی	49
7-	تائید یزدانی	49
8-	مہر جیا	49
9-	فیضِ محبت	50
	ح - حکایات ولطائف	51
1-	منتخب الحکایات	52
2-	حکایاتِ لقمان	52
3-	لطائف ہندی	52

	ط - داستان	53
1-	بوستانِ خیال	53
2-	قصہ ممتاز	57
3-	قصہ مقتولِ جفا	59
4-	ہزار داستان نثر	60
5-	قصہ تو تا مینا	60
	س - ناول	61
	ص - مضامین	65
	ف - تراجم	67
1-	نذیر احمد	68
	ق - خطوط و انشا	71
1-	کریم	74
2-	سید احمد	74
	ل - متفرقات	75
	م - لُغات	83
1-	کریم اللغات	83
2-	لغات النسا	83
3-	افادات المدارس	84
4-	مرقع تکمیل الکلام	84
5-	مرقع زبانِ دہلی	84
6-	ارمغان دہلی	84
7-	ہندستانی اردو لغت	84
8-	فرہنگ آصفیہ	84

-9	ایک یار مار کشمیری پنڈت	86
	ن - تدوین	87
	ی - اخبارات	93
-1	اکمل الاخبار	93
-2	سفیر ہند	94
-3	ناصر الاخبار	94
-4	کرزن گزٹ	94
	حواشی	95

انگریز سات سمندر پار کر کے ہندوستان آئے تھے۔ انگلستان ان کا وطن تھا جو اپنی ساری وسعتوں کے ساتھ برصغیر ہندوستان کے ایک گوشے میں سما جائے گا۔ شاہ عالم ثانی کے ایک بیٹے مرزا محمد ظہیرالدین اظفری نے اس قوم کے بارے میں لکھا ہے:

'ان کے سامانِ رزم وغیرہ.... دیکھتا ہوں کہ رات دن فوجوں کی ترقی اور باقاعدہ تربیت میں مصروف ہیں۔ اسبابِ بزم کو ملاحظہ کرتا ہوں....... کہ ہر جگہ مکانات کی تیاری فرش فروش کی صفائی ہے۔ ان کے علم وفضل کا یہ عالم ہے کہ ہمیشہ حصولِ علم میں لگے رہتے ہیں۔ کئی کئی زبانیں سیکھ گئے اور سیکھ لیتے ہیں۔ غرض کہ مجسم علم ہیں........ ان کے ملک ومال کی افزونی کا سبب ان کے یہی قوانین ہیں..... اگر ہمارے زمانے میں ہندستانی زیادہ عقلمند ہوتے تو اس قوم سے مغلوب ہی کیوں ہوتے۔"[1]

شہر کانپور میں جو ملکِ نصارا کہلاتا تھا بہت پہلے بجلی اور واٹر ورکس اور مختلف قسم کی انگریزی اشیا اور مصنوعات کا چلن ہو چکا تھا اور وہاں انگریزوں کی ضرورت کے مطابق بنگلے، اسکول اور ہسپتال قائم ہو چکے تھے جبکہ ان سب چیزوں سے دہلی اور لکھنؤ والے بالکل نا آشنا تھے۔[2] 1857 میں جو فیصلہ کن جنگ ہوئی اس نے حقیقتِ حال کو پوری طرح نمایاں کر دیا۔ فاتحوں نے دارالسلطنت دہلی کی حیثیت کو مٹا کر رکھ دیا اور :

"6/ فروری 1858 میں دہلی کو ممالک مغربی شمالی سے نکال کر پنجاب میں داخل کیا گیا۔ اس استحقاق سے کہ فتح کا سہرا پنجاب ہی کے سر تھا، حصار اور دہلی کے دو ضلعے قائم ہوئے۔"[3]

سراج الدین محمد بہادر شاہ ثانی ظفر تخلص بادشاہ دہلی کے بیٹوں میں سے اس شہر میں شاید اس وقت کوئی بھی زندہ موجود نہ تھا۔ خود بادشاہ اپنے بزرگوں کے وطن سے کالے کوسوں دور یعنی شہر رنگون میں زندگی کے دن پورے کر رہے تھے۔ اس طرح دہلی میں بادشاہ اور اس کے شہر کے آثار بھی گویا مٹنے لگے تھے۔ بقول تجمل رسول خاں تجمل ؎

ڈھونڈھتی پھرتی ہیں آنکھیں ہر جا　　کیا ہوئے اہل کمالِ دہلی

" 1857 میں ایسٹ انڈیا ریلوے کلکتہ سے جاری ہوئی۔ غدر کے بعد ٹونڈلا جنکشن سے علی گڑھ ہوتی ہوئی جمنا کے مشرقی کنارے چولا تک کا حصہ 1864 میں کھولا گیا، اس وقت جمنا کا پل بن رہا تھا۔" 4

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ٹونڈلا سے چولا تک کے علاقے میں شہر دہلی سے پہلے آمد و رفت کی بہتر سہولتیں مہیا ہو چکی تھیں۔ اس زمانے کے علمی معاملات کے فروغ کے سلسلے میں یہ ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "غمزدگانِ دہلی" میں اکثریت مسلمانوں کی معلوم ہوتی ہے، وہ حالات سے مجبور ہو کر اطراف ملک ہی میں نہیں، بیرونِ ملک میں بھی منتشر ہو گئے تھے۔ بتایا گیا ہے کہ:

" 1847 میں دہلی کی آبادی ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھی لیکن غدر کے سبب سے ایک دم کچھ اوپر بیس ہزار گھٹ گئی۔ غدر کے بعد لوگ پلٹنے شروع ہوئے........ 1875 میں کہیں جا کر 1847 کی تعداد پوری ہوئی۔" 5

ایک مدت بعد تک بھی محبانِ وطن کے لیے حالات سازگار نہیں ہوئے تھے۔ اردو انڈین کرانکل پٹنہ میں 1885 میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ :

"وائسرائے کو درخواست دی گئی ہے کہ جامع مسجد دہلی میں انگریز جوتا اُتار کر آئیں۔" 6

ان حالات میں ان سے کسی بڑے تخلیقی کام کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ نظم و نثر میں اپنی روایات کو محفوظ کرنے کے لیے جدوجہد کرتے رہے، اور موقع ملتا تھا تو تاریخی واقعات اور حقائق کو قلمبند کرنے کی سعی کرتے تھے۔ کچھ شک نہیں کہ اُس زمانے میں وہ جو کچھ اور جتنا کچھ کر گئے وہ بہت زیادہ ستائش کے لائق ہے۔

الف - غزل

1857 کی جنگ کی پاداش میں متعدد شاہزادے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ گنے چنے تھے جو کسی طرح جان بچانے میں کامیاب ہوگئے۔ ان میں سے صرف بعض نے بہادر شاہ ثانی کے دربار کی رونقیں دیکھی تھیں۔ انہی دیدہ شنیدہ حکایتوں کو وہ یاد کرتے اور اپنی نظم و نثر میں پیش کرتے رہے تھے۔ یہاں ان میں سے صرف دو تین کا مختصر اذکر کیا جاتا ہے۔

1- خاور- میرزا احمد سلطان

خاور تخلص، نام میرزا احمد سلطان تھا۔1 میرزا مظفر بخت خلف میرزا شاہ رخ بہادر فرزند دوئم حضرت بہادر شاہ کے بیٹے تھے۔ 1268ھ/ 1852 میں پیدا ہوئے۔ حیدر آباد کے ضلع بھونگر میں رہتے تھے۔ ان کے خسر مرزا فیروز شاہ خلف مرزا سلیم بہادر ابنِ بہادر شاہ ایک مدت تک ولایت میں رہے تھے۔2 خود خاور کو افتخار الملک کا خطاب ملا تھا اور انھوں نے 52- 1351ھ 1923 میں وفات پائی تھی۔ ان کی تصانیف کئی تھیں۔ بعض یہ ہیں :

خورشیدِ خاور، نظمِ گراں مایہ، ہفوات السلمین

خاور اُس زمانے میں مروّج تقریباً سبھی اصناف میں شعر کہتے تھے۔ نظام حیدر آباد کی مدح میں ان کے ایک قصیدہ کی تشبیب کے دو شعر یہ ہیں۔

ازل ہی میں نہ ہوں جس کو عطا اوصاف سلطانی وہ ہرگز کر نہیں سکتا جہاں داری جہاں بانی
روش وہ سیدھی سادہ ہمارے قدر قدرت کی سمجھ سکتی ہے جس سے خلق حضرت کی خداداتی

اوران کی غزل کے شعروں کا انداز یہ ہے ۔

خالق ہے وہی غمزہ و انداز و ادا کا جس نے کہ بتایا یہ ہمیں ڈھنگ آہ و بکا کا

2- تمنا- مرزا غیاث الدین

تمنا تخلص، مرزا غیاث الدین گورگانی نام، مرزا شمس الدین ابن شاہ عالم ثانی کے بیٹے اور قطب الدین مشیر کے شاگرد تھے۔ 1232ھ/ 1806 میں پیدا ہوئے اور 1305ھ/ 1888 میں بیت اللہ شریف کے حج سے واپسی کے بعد فوت ہوئے۔ ان کو تاریخ سے بہت دلچسپی تھی چنانچہ ''دُرِ انتخاب'' کے تاریخی نام سے ایک منظوم کتاب تالیف کی تھی جس میں تمام مغلیہ سلاطین کے احوال درج کیے تھے۔ سالِ تالیف اس کتاب کا 1281ھ/ 1864-65 بتایا گیا ہے جبکہ اس کے نام سے 1258 کے عدد برآمد ہوتے ہیں۔ تمنا کی غزل کے دو شعر یہ ہیں ۔

قتل منظور ہے تو بسم اللہ آؤ امیدوار میں بھی ہوں
یار کی تصویر سے غم مٹ رہا ہے ہجر کا رات دن چھٹتی نہیں تصویر اپنے ہاتھ سے

3- شاہی- مرزا مجاہد الدین

شاہی تخلص، مرزا مجاہد الدین نام خلف مرشدزادہ مرزا ظہیر الدین عُرف مرزا مغل بہادر خلف پنجم حضرت بہادر شاہ ثانی، 1262ھ/ 1846 کے قریب پیدا ہوئے تھے۔ 4زمانہ غدر میں دس گیارہ برس کے تھے جب ان کے والد کو ایک انگریز نے قتل کر دیا۔ انھوں نے اپنی دادی شرافت محل صاحبہ کی آغوشِ شفقت میں پرورش پائی۔ فنِ شاعری کی تحصیل مرزا قادر بخش صابر سے کی۔ پھر انور دہلوی اور داغ دہلوی وغیرہ سے اصلاح لی۔ کئی سال اجمیر شریف میں رہے۔ حیدر آباد دکن سے 60 روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر تھا، اُسی پر بسر ہوتی تھی۔

شاہی نے دہلی میں ہی ساٹھ برس کی عمر میں 1324ھ/ 1906 میں وفات پائی تھی۔ آخر زمانہ میں ''انجمن تیموریہ'' کے سکریٹری رہے تھے۔

شاہی معمولاً غزل کہتے تھے۔ زبان ان کی صاف اور شستہ ہوتی تھی۔ ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے۔

کون سی بات ہے شاہی جونہیں کی تم نے ایک توبہ ہی رہی جاتی ہے، یہ بھی کرلو
ستم ایجاد آپ، ہم غم دوست روز مجھ پر ستم نیا کیجیے
اپنی رحمت سے خدا اگر بخش دے تو بخش دے نامۂ اعمال تو اپنا دکھا سکتے نہیں
کیا کریں شکوۂ جفا شاہی اپنی عادت نہیں برائی کی
شاہی فلک کی چالوں سے کیا دیکھئے بنے وہ سروری رہی نہ وہ جاہ وحشم رہے

شاہی تاریخیں بھی اچھی کہتے تھے۔ انھوں نے ملکہ وکٹوریہ کے مرنے کا جو قطعہ کہا تھا اس کے آخری دو شعر یہ ہیں ۔

کیا کون سا شاہ دنیا سے آج کہ جو ایک سو ایک توپیں چلیں 101
سلائی کی توپوں نے مل کر کہا شہنشاہ وکٹوریہ اٹھ گئیں +

1800 = 492 + 1308

1901

4- تنویر۔ منشی نوازش حسین

تنویر تخلص، منشی نوازش حسین خاں نام، بہادر شاہ ثانی کے خواصوں میں تھے بعد غدر مہاراجا ٹونک کی ملازمت کر لی تھی۔ 5مشاق اور بڑے پُر گو شاعر تھے۔ 1228ھ/1813 کے قریب پیدا ہوئے تھے۔ کوئی 60 برس کی عمر پا کر نیپال میں 1289ھ/1872 میں فوت ہوئے۔ مرزا قادر بخش صابر کے تذکرے میں ان کا نام خدا بخش خاں لکھا ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ یہ بادشاہ سے اصلاح لیتے تھے۔ 6خود لالا سری رام نے بھی ایک موقع پر ان کا یہی نام لکھا ہے ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے 7 ۔

ہے مسیحائی کرتی جن پر ناز ان لبوں سے ہمیں جواب ملا
جو کہا اُس نے وہ کیے ہی بنی صوفیوں کو بھی مے پیے ہی بنی
کچھ بھی الفت کی جس میں بو ہوگی درد آمیز گفتگو ہوگی
لے لے کے توڑتے ہیں یہ یارب پرائے دل کیوں ایسے نازنینوں کے پتھر بنائے دل

5- رخشاں- نواب ضیاء الدین

دہلی کے عمائد میں جو دور اندیش تھے، انھوں نے انگریزوں کے ساتھ روابط قائم کر لیے تھے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ہنگامے کے زمانے میں یہ لوگ اسی شہر میں عافیت سے بسر کرتے رہے۔

نواب ضیاء الدین احمد خاں نام اور نیر رخشاں تخلص ریاست لوہارو کے جاگیردار اور نواب احمد بخش خاں کے بیٹے تھے۔ ان کے ایک مختلف البطن بھائی نواب شمس الدین احمد خاں کو کمشنر دہلی فریزر صاحب کے قتل کے الزام میں پھانسی دے دی گئی تھی۔ غالبًا اسی واقعہ کا اثر تھا کہ اپنے زمانے میں نیر رخشاں نے انگریز عمائد کے ساتھ اچھے مراسم قائم کر لیے تھے۔ لالا سری رام نے لکھا ہے کہ جس وقت ایلیٹ صاحب سکریٹری گورنمنٹ ہند نے اپنی ضخیم تاریخ ہند مرتب کی تو فراہمی حالات و تواریخ قدیم میں نواب صاحب نے بڑی امداد کی تھی۔ 8 نیر رخشاں کے بارے میں حمیدہ سلطان احمد نے لکھا ہے :

"نواب ضیاء الدین احمد خاں اپنے والد کی وفات کے وقت چھ برس کے تھے۔ 1881 اکتوبر میں فیروز پور جھرکا میں پیدا ہوئے۔" 9

یہ سال یقینًا غلط ہے۔ مرزا قادر بخش صابر کے تذکرے میں ان کا ذکر اس طرح آیا ہے :

"نیر رخشاں تخلص........ خلف الصدق نواب احمد بخش خان بہادر........ سن جوانی میں کمالات پیری کو بہم پہنچانا اور موسم گل میں لذت ثمر سے شیریں کام ہونا ترقیات روز بہ روز پر دال ہے....." 10

نیر رخشاں بقول سری رام شاگرد بلکہ خلیفۂ اول مرزا اسد اللہ خان غالب 13 رمضان 1302ھ/3- اکتوبر 1885 کو فوت ہوئے۔ تاریخ ہوئی ع

روز شنبہ سیزدہ شہر صیام

1302

اوران کے کلام کا انداز ذیل کے شعروں سے ظاہر ہے ۔

چاک یکسر مرا گریباں ہے　　دل کا مضطر مرا گریباں ہے
رات سینہ سے سینہ کس ملا　　کہ معطر مرا گریباں ہے
زہے سربلندی شہیدِ وفا کی　　کہ اُس در پہ سر ہو چڑھانے کے قابل
دل میں مضمر ہیں معنی باقی　　کسی صورت نہیں زوال ہمیں

6- شیفتہ- نواب محمد مصطفیٰ خاں

شیفتہ تخلص، نواب محمد مصطفیٰ خاں نام، خلف نواب مرتضیٰ خاں، انھوں نے علاقہ جہانگیر آباد ضلع بلند شہر کو اپنے لیے خرید لیا تھا۔12 شیفتہ دہلی میں 1221ھ/1806 میں پیدا ہوئے تھے۔ غدر کے زمانے میں جہانگیر آباد میں جا کر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ اپنی شاعری کے بارے میں انھوں نے خود لکھا ہے :

''اگر چہ در مراتب سخن ادائے خاص با من است اما طبع باہر روش چناں مناسب افتادہ کہ بہ ہر شیوہ سخن می کنم کہ ہما نا طرز خاصِ من است''13

شیفتہ نے خود کو مومن کا شاگرد کہا ہے لیکن مشہور ہے کہ وہ غالب سے بھی رجوع کرتے تھے۔ رام بابو سکسینہ کا کہنا ہے کہ دوسرے درجہ کے شعرا میں ان کا درجہ ممتاز ہے، لیکن لالا سری رام کی رائے ہے کہ:

''نواب شیفتہ کا درجہ غالب اور ذوق، ناسخ اور آتش کے مواجہ میں ہے۔''

شیفتہ نے 1286ھ/1869 میں وفات پائی تھی۔ کلام کا نمونہ یہ ہے ۔

ہم طالب شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام　　بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا
ہر بُنِ مو سے دُھواں اٹھتا ہے　　آتشِ غم کو چھپاؤں کیونکر
شیشۂ اُتار، شکوے کو بالائے طاق رکھ　　کیا اعتبار زندگی بے ثبات کا
میں بے جرم رہتا ہوں خائف کہ واں　　جفا میں نہیں دخل اسباب کا

7- شورش- غلام احمد

یہ شیفتہ کے معاصر اور استاد بھائی تھے چنانچہ ان کے تعارف میں انھوں نے تحریر کیا ہے :

''شورش تخلص، غلام احمد نام، فرزند محمد اکبر قبالہ نویس، جوان شوریدہ مزاج است۔ گاہ گاہ بہ نظم اشعاری پرداز دواز مومن خاں استفادہ می سازد و باداش طریق آشنائی می سپرد۔''15

ان کے حالات میں لالا سری رام نے اس طرح اضافہ کیا ہے :

''اصلی وطن کشمیر تھا مگر آپ کا خاندان عرصۂ دراز سے دہلی میں آیا تھا۔ آپ مہاراجا بنے سنگھ والی الور کے ملازم تھے۔ مرض استسقا میں مبتلا ہو کر پچپن سال کی عمر میں عالمِ بقا کو راہی ہوئے۔''16

نمونہ کے طور پر ان کے صرف دو شعر درج کیے جاتے ہیں ۔

ہمدم شب ہجراں میں اجل بھی تو نہیں ہے حال اپنا کہیں کیا در و دیوار سے آگے

تا خواب میں بھی جلوہ فروزاں کے نہ ہوتو ہم کوچۂ اغیار میں فریاد کریں گے

8- تجمل- حکیم تجمل رسول خاں

''تجمل تخلص، حکیم تجمل رسول خاں خلف ممتاز الدولہ نواب غلام رسول خاں دہلوی شاگرد حکیم آغا جان عیش، ایک دیوان اور قصہ طوطا مینا اور چند رسائل ان سے یادگار ہیں۔ مہاراجا ہندو راؤ رئیس گوالیار مقیم دہلی کی سرکار میں بہ زمرۂ اطبا ملازم تھے۔ 1292ھ/1875 میں بہ عمر پچاس سال انتقال کیا۔''17

معلوم ہوتا ہے کہ راجا ہندو راؤ کی سرپرستی کی وجہ سے غالباً ان کو دہلی سے نکلنا نہیں پڑا تھا، اس کے باوجود کیفیت یہ تھی کہ ۔

ہائے رے حبِّ وطن صدمے اٹھائے کیا کیا اس پہ بھی آن بسے لوگ میانِ دہلی

چشم نمناک، دل افسردہ وصد پارہ جگر بیٹھے اس طرح سے ہیں غم زدگانِ دہلی

ان حالات اور اس ماحول میں محبانِ وطن پر جو گزر گئی تھی اُس کا تصور کیا جانا چاہیے۔ اس کے باوجود انھوں نے علم و شعر کی شمع کو بجھنے نہیں دیا اور شعر و سخن کی روایت کو زندہ و باقی رکھا۔ یہ حقیقت بھی کم ستائش کے لائق نہیں ہے۔ تجمل کے کلام کا نمونہ یہ ہے ۔

مطلب ہزاروں دل میں ہیں، پر اُس کے روبرو سچ تو یہ ہے کہ لب بھی ہلایا نہ جائے گا

قطعہ

سو سو اٹھکیلی سے چلتی تھی جہاں بادِ نسیم　　بادِ صرصر کا بھی دیکھا تو نہ تھا نام کہیں

آشیانے ہیں وہاں زاغ وزغن کے صد یا　　تھے جہاں سینکڑوں طاؤس ہزاروں شاہیں

ان غم زدگانِ دہلی کے کلام میں انصاف کی بات یہ ہے کہ حقیقت بیانی کا عنصر نمایاں ہے اور اس اعتبار سے ان کا کلام قابلِ قدر اور لائقِ توجہ ہے۔ افسوس ہے کہ بوجوہ اس کی طرف مثبت انداز سے کما حقہ، توجہ نہیں کی گئی ہے۔

9- عیش- حکیم آغا جان

یہ تجمل کے استاد تھے۔ حکیم آغا جان نام اور عیش تخلص، بادشاہی اور خاندانی طبیب تھے۔ 18 زیورِ علم اور لباسِ کمال سے آراستہ، شیریں کلام، شگفتہ صورت، زبان گویا لطائف وظرائف کی پھلجڑی۔ ڈاکٹر حبیبہ بانو نے ان کا جو کلیات شائع کیا ہے اس میں غزل، قصیدہ، رباعیات، قطعات، شہرآشوب کے علاوہ قطعات تاریخ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قادرالکلام شاعر تھے اور تمام مروجہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ عیش نے بروز جمعہ 11 جمادی الاول 1291ھ/26 جون 1874 کو وفات پائی تھی۔ 19 ان کے شاگردوں میں مولانا محمد حسین آزاد سے بُد بُد الشعرا تک مختلف طرز کے شاعر شامل تھے۔ خود ان کی فکر کا انداز ان شعروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

بدعمل کرتے ہو اور نیک جزا چاہتے ہو　　دل میں سوچو تو کہ کیا کرتے ہو کیا چاہتے ہو

اس کے بندوں کا ستانا ہے نہایت ہی بُرا　　ان کو آرام دو، گر اپنا بھلا چاہتے ہو

سُن کے بربادیِ دہلی ہر شخص　　رو کے کہتا ہے کہ ہائے دہلی

ٹکڑے ہوتا ہے جگر دہلی کے صدمے سُن کے عیش　　اور دل پھٹتا ہے سن کر حال زار لکھنؤ

10- ساقی- پنڈت جواہر ناتھ کول

ساقی تخلص، پنڈت جواہر ناتھ کول کشمیری بسوہ دار دہلی الخاطب بہ بلبلِ کشمیر، پنڈت برج ناتھ کول کے بیٹے اور پنڈت امرناتھ آشفتہ دہلوی ومحمد زکریا خان زکی کے شاگرد تھے۔ 20 بقول سری رام سنگلاخ زمینوں میں اچھے شعر نکالتے تھے۔ ویدانت سے دل کو لگاؤ تھا۔

1334ھ/1916 میں باون برس کی عمر پا کر لاولد فوت ہوئے۔ خواجہ عبدالرؤف عشرت نے ان کے بارے میں تحریر کیا ہے:

''زیادہ تر آپ کا کلام فارسی میں ہے۔ 65 برس کی عمر میں انتقال کیا۔''21؎

عمر کے بارے میں یہی بیان زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ان کا کلام اس طور کا ہوتا ہے ؎

مے وحدت سے میں سرشار ہوتا　　دوئی کا نقش ختا دل سے اے کاش
رنجشِ آشتی نما کب تک　　عشوہ ہائے ستم فزا کب تک
ہماری آہِ سوزاں کا دھنواں ہے　　جسے کہتے ہیں سب گردونِ گرواں
اور ہونگے جو ترے وصل کے خواہاں ہونگے　　ہم تو یاں ہجر کے معنی بھی سمجھتے ہیں وصال

خیال کرنے کی بات ہے کہ ساقی کا کلام روایتی اور قدیمانہ انداز کا ہے۔ اس میں وہ کیفیت بھی نہیں معلوم ہوتی ہے جو ''غم زدگانِ دہلی'' کے کلام میں تھی۔ یہی صورت بعض اور شاعروں کے یہاں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

11- سحاب- کنور گوپال سنگھ

سحاب تخلص، کنور گوپال سنگھ خلف راجا سالگ رام ابن راجا جے سکھ رائے۔22؎ آخر الذکر بادشاہ کے متوسلین میں تھے۔ سحاب نے وکالت کی سند حاصل کی اور بزرگوں کی املاک کو جو قلعہ شاہی کی بربادی کے نتیجہ میں ضائع ہوگئی تھی، دوبارہ خرید لیا۔ سحاب حکیم مولا بخش قلق شاگرد مومن سے اصلاح لیتے تھے، اور بقول لالا سری رام ان کے کلام میں درد اور سوز و گداز تھا۔

سحاب انگریزی میں بھی اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ انھوں نے 1885 میں انتقال کیا تھا۔ ان کے یہ دو شعر دستیاب ہو سکے ؎

خاک کرتی ہے مری گرمی بازار مجھے　　شمع رو رو کے سر بزم یہ کہتی ہے کہ ہائے
چارہ گر اب نظر آتے ہیں عزا دار مجھے　　اے دل رفتہ مگر جان پہ کچھ آن بنی

12- شفق- دولت رام

دولت رام گل فروش نام، شفق تخلص باشندہ دہلی، ساکن قدم شریف، استاد ذوق کے شاگرد تھے۔23؎ ٹپہ، ٹھمری اور غزل کہتے تھے۔ اُمّیِ محض تھے۔ غدر کے بعد بیس برس تک زندہ رہے۔ پیرانہ سالی میں انتقال کیا۔

شفق کا جو کلام دستیاب ہے اس میں سلاست اور روانی ہے۔ مضامین بیشتر خیالی اور روایتی ہیں۔ نمونہ یہ ہے ؎

پسِ مُردن بھی گردش ہے زبس میرے مقدر میں — بگولے کی طرح رہتی ہے میری خاک چکر میں
خدا کے سامنے آنے تو دو مغرور قاتل کو — قیامت ہم بھی اک برپا کریں گے آج محشر میں
پسِ مرگ میرے مزار پر جو دیا کسی نے جلا دیا — اُسے آہ دامنِ باد نے سرِ شام ہی سے بجھا دیا
اگر اُس سے کہتا نہ اتنا تو، تو نہ رکتا تجھ سے وہ تند خو — شفق آہ تو نے یہ کیا کیا، اسے عشق اپنا جتا دیا

دہلی کے علمی اور ادبی حالات کے سلسلے میں ایک یہ بات خصوصیت سے لائقِ توجہ ہے کہ اس زمانے میں اس شہر میں عروض و بیان وغیرہ سے متعلق کتابیں لکھنے کی طرف کم سے کم توجہ کی گئی تھی، جو کتابیں لکھی گئیں، عموماً زیورِ طباعت سے محروم رہ گئیں۔

ب - پہیلی

پہیلی یا چیستان کی کئی قسمیں ہیں۔1

الف-دوسخنہ-جس میں دوسوال ہوتے ہیں اور جواب ان دونوں کا مشترک ہوتا ہے مثلاً

1- سوال سوداگر را چہ می باید جواب = دکان

" " بوچے کو کیا چاہیے

2- سوال گوشت کیوں نہ کھایا جواب = گلا نہ تھا

" " ڈوم کیوں نہ گایا

ب-کہہ مکرنی-اس میں عورتوں کی زبان سے دومعنی والی بات کہی جاتی ہے۔ان میں سے ایک سے معشوق کی بات مراد ہوتی ہے اور دوسرے معنی سے کچھ اور مطلوب ہوتا ہے۔قائل اس بات کو جب چاہتا ہے معشوق کی بات کہہ کر مکر جاتا ہے،اس کو سکھیاں اور مکرنیاں بھی کہتے ہیں۔ مثال اس کی یہ ہے :

آپ ہلے او رموہے ہلاوے وا کا ہلنا موہے بھاوے
ہل ہل کے بھیا نسگھا اے سکھی ساجن؟ نا سکھی پنکھا

ج-پہیلی-کسی چیز کے بعض اوصاف، خصائص اور کبھی پتے بھی بیان کر کے مخاطب سے

پوچھتے ہیں کہ وہ کیا چیز ہے۔ اس سوال و جواب کو پہیلی کہتے ہیں۔ پہیلی کی بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس میں اس چیز کا نام بھی آ جائے لیکن مخاطب پر ظاہر نہ ہو مثلاً

بالا تھا تو سب کو بھایا　　بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
میں نے دیا اس کا ناؤں　　بوجھ تو بوجھ نہیں چھوڑ دے گاؤں

جواب-دیا(= چراغ)

غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ سب صنعتِ ایہام کی قبیل سے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ بکثرت پہیلیاں خواجہ امیر خسرو کے نام سے منسوب کر دی گئی ہیں لیکن حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کی ابتدا ایہام گوئی کے زمانے میں ہی ہوئی تھی۔

دہلی کے آخری تاجدار بہادر شاہ ثانی نے بھی پہیلی کی مختلف صورتوں سے دلچسپی لی تھی چنانچہ ان کی بھی بہت سی پہیلیاں مشہور ہیں۔ مثال کے طور پر ایک یہ ہے :

ساری کو جو کہیں ہیں اَدھا　　{ تا ہیں کوئی پوچھن ہارا (= نیم)2

بہادر شاہ ظفر کے عہد کے بعض شاعر جو 1857 کے بعد تک زندہ رہے تھے، پہیلیاں کہتے رہے تھے۔ ان میں سے ایک دو کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1- عیش- حکیم آغا جان

عیش تخلص، حکیم آغا جان کا حال لکھا جا چکا ہے۔ انھوں نے 40 سے بھی زیادہ پہیلیاں کہی تھیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر صرف دو نقل کی جاتی ہیں۔

ایک تھال موتین سے بھرا　　سب کے سر پر اوندھا دھرا
چاروں اور وہ تھال پھرے　　موتی ان سے ایک نہ گرے　　= آسمان، تارے

ایک پورکھ کو کالو رنگ　　گول سیس دو لنبے ٹنگ
نار کو آئے لیت اٹھائے　　پیار کرے اور چمٹا جائے　　= چمٹا، دست پناہ

2- تجمل- حکیم تجمل رسول خاں

حکیم تجمل رسول خاں تجمل خلف ممتاز الدولہ نواب غلام رسول خاں مغفور کا مذکور بھی پہلے آ چکا ہے۔ یہ بھی پہیلی بڑے شوق اور خوبی سے کہتے تھے۔ نمونہ یہ ہے۔

نہیں ہے نقلی، ہنگی اصلی　　آدھی دودھ ہے، آدھی مچھلی　　= شیر ماہی

حکم نہ مانی واکا ناؤں　　ارتھ کہو یا پھاڑو گاؤں　　= گلِ نافرماں

3- ممتاز- ممتاز

ان کا احوال کچھ معلوم نہیں، البتہ پہیلی نامہ میں ان کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

''پہیلیاں از نتائج طبع خواجہ ممتاز ہندی لکھنے والا'' 3

ان کی ایک پہیلی یہ ہے:

اِدھر کو آوے، اُدھر کو جاوے　ہر پھیر میں کاٹ وہ کھاوے

ٹھہری جس دم وہ ناری　　میں نے کہا اِدھر کو آری　　= آری

خان صاحب مولوی سید احمد دہلوی نے اپنی فرہنگ کے دیباچے میں تحریر کیا ہے کہ

''پہیلیوں کے متعلق بہت سے رسالے چھپ چکے ہیں اس وجہ سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔'' 4

ان میں سے ایک رسالہ ''پہیلی نامہ'' ہے۔ اس کے شروع میں مرتب نے کہا ہے :

''بعد حمد رب العالمین ونعت سید المرسلین عرض کرتا ہے عاصی الطاف رسول دہلوی کہ ان دنو ں میں اس ہیچ مداں نے پہیلیاں استادانِ متقدمین و متاخرین انتخاب کر کے بہ طریق اختصار مجتمع کیں اور واسطے ملاحظہ شائقین کے طبع کرائیں۔ یقین کہ مرغوب خاطر دریا مقاطر ہوں، اغلب کہ پسند خاطر عاطر ہوں۔ فقط'' 5

یہ مجموعہ مطبع نارائنی دہلی میں ''بندر نامہ'' کے حاشیہ پر 1293ھ/1876 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ بندر نامہ بھی الطاف رسول کا تصنیف کردہ ہے۔ اس کا سالِ تصنیف 1283ھ ''مرغوبِ دل'' سے معلوم ہوتا ہے۔

ج - تاریخ گوئی

بہادر شاہ ثانی کے زمانے میں مومن، صہبائی، ذوق اور سوز پسرِ صہبائی وغیرہ متعدد باکمال تاریخ گو دہلی میں موجود تھے۔ شیخ ذوق کی وفات سے متعلق جو قطعاتِ تاریخ کہے گئے تھے ان کے بارے میں مرزا قادر بخش صابر کا بیان ہے کہ :

''مسموع ہوا کہ ایک خوش مذاق نے سعی اور تجسس کو کام فرما کر ان قطعات سے کچھ کچھ کو بہم پہنچایا۔ بعد شمار کے دریافت ہوا کہ تین سو سے زیادہ فراہم ہو گئے ہیں۔'' 1

اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اہلِ دہلی کو اس فن سے کتنی دلچسپی تھی۔ افسوس ہے کہ بادشاہت کے خاتمہ کے بعد انگریزی اقتدار کے دورِ اول میں اس شہر میں تاریخ گوئی سے متعلق فی الوقت ہمیں کسی ایک کتاب کے چھپنے کا بھی حال معلوم نہیں ہو سکا ہے۔

مجاہد الدین شاہی، حکیم آغا جان عیش اور محمد یعقوب دہلوی وغیرہ کچھ شاعر اس شہر میں ضرور ایسے موجود تھے جو تاریخ گوئی کے لیے اپنے حلقے میں معروف تھے لیکن اس فن سے متعلق انھوں نے کوئی کتاب تصنیف کی تھی یا نہیں، اس بارے میں یقین سے کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔

عروض، بدیع و بیان وغیرہ سے متعلق بھی اس زمانے میں شہر دہلی میں بہ گمانِ غالب کوئی تصنیفی کام نہیں ہوا تھا۔

د - تذکرے

1857 کے ہنگاموں کے بعد خصوصاً مسلمان نہایت بے اطمینانی میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ کئی برس کے بعد جب کسی قدر بہتری کی صورت ہوئی تو وہ بھی ماضی کی روایتوں کے مطابق تصنیف و تالیف وغیرہ کے کاموں کی طرف متوجہ ہوئے۔ دوسرے لوگ اس دوران ہر قسم کے علمی اور فنی کاموں میں مصروف رہے تھے۔ تذکرہ نویسی کا معاملہ بھی کچھ مختلف نہیں تھا سوائے اس کے کہ دوسروں نے جو کام کیے، بیشتر پہلے کے کاموں پر مبنی یا ان سے مستفاد تھے۔

1- خزینۃ العلوم

اس تذکرے کے مولف منشی درگا پرشاد نادر کھتری دہلوی پنشنر سررشتہ تعلیم ممالک پنجاب تھے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ لالا سری رام کی یادداشتوں میں بھی ان کا ذکر نہیں ہے۔ خود نادر نے اس تذکرے کے آخر میں اپنے جو حالات تحریر کیے ہیں مختصراً اس طرح ہیں کہ نادر دہلی میں 1249ھ/1833 میں پیدا ہوئے تھے۔ دہلی کالج میں تعلیم پائی تھی۔ کوئی چار برس تک گڑگاؤں میں، پھر 1864 سے دہلی میں مدرّس رہے۔ 1872 میں سررشتہ تعلیم میں ملازمت کے سلسلے میں لاہور چلے گئے۔ نظم ونثر میں انھوں نے کئی کتابیں لکھی تھیں۔ جن کے نام معلوم ہو سکے یہ ہیں :

مطلب غریب- دیوان اردو- یہ نام شاید تاریخی ہے۔ اس سے 1293 عدد برآمد ہوتے ہیں۔1

مطلع الحساب، نکات الحساب، انتخاب گلزار نسیم

گل دستہ اخلاق یعنی ناصری کا خلاصہ مع ترجمہ و فرہنگ- 1863 میں تیار کیا۔ 1866 میں چھپا

انتخاب قصہ لیلیٰ مجنون، غریب گلزار- شجرۂ خاندانِ تیموریہ

رسالہ شطرنج، رسالہ معیشت چمن، معلم المبتدی

تشریح طالع نامہ، مختصر قصہ ممتاز، قصہ مہر و ماہ

ترجمہ رسالہ نحو فارسی مع ترجمہ رسالہ کافی در علم قوافی، تذکرہ مرأۃ خیالی

اور خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم المخاطب بہ گل دستہ نادر الاذکار المعروف بہ تذکرۂ شعرائے دکن۔

آخر الذکر کے موضوع اور مطالب کا اندازہ اس کے ناموں سے کیا جا سکتا ہے۔ اس تذکرہ کے اتمام کی تاریخیں شاہ بہاؤ الدین عرف میاں عبداللہ شاہ متخلص بہ بشیر نے بھی کہی تھیں۔ ایک قطعہ یہ ہے۔

درگا پرشاد میرے مشفق نے — طرفہ تر تذکرہ کیا تیار

اس کی تاریخ اے بشیر ہے یہ — زیب آئین نادر الاذکار

1289

چند سال کے بعد یہ تذکرہ مطبع مفید عام لاہور میں دو سو ستر صفحوں پر چھپ کر شائع ہوا تھا۔ تاریخ طباعت اس پر اس طرح سے درج ہے :

''مارچ 1879 / ربیع الاول 1296ھ''

نادر نے اس تذکرے میں شاعروں کا نام، احوال اور کلام بہت اختصار سے تحریر کیا ہے۔ اس کا مقدمہ البتہ بہت معلومات افزا ہے۔ مصنف نے اس کو سات کلیدوں میں تقسیم کیا ہے اور ان کلیدوں کے مطالب اس طرح ہیں:

علتِ غائی، مبادی اور موضوع، اقسام کلام اور شعر کی تعریف

موجدِ شعر، ریختہ اور ریختی، اقسام اربعہ شاعری

اقسام کلام بہ اعتبار معنی، علم موسیقی

ہر بحث کے لیے نادر نے مستند شاعروں کے کلام سے مثالیں پیش کی ہیں۔ بطور مجموعی اس تذکرے کو قاضی نور الدین فائق کے تذکرہ ''مخزن شعرا'' کا خلاصہ کہا جاسکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخزنِ شعرا میں بعض مقاموں پر فائق کے چھوٹے بھائی میر حفیظ اللہ تسکین نے حواشی بھی لکھے تھے۔

2- مراۃ خیالی

یہ بھی درگا پرشاد نادر کا تالیف کردہ تذکرۃ النسا ہے۔ یہ دو حصوں پر مشتمل ہے، اس طرح:

گلشن ناز- فارسی گو شاعرات کا تذکرہ

چمن انداز- اردو کی شاعرات کا تذکرہ

''مراۃ خیالی'' تاریخی نام ہے جس سے 1292 کے عدد برآمد ہوتے ہیں۔ اس کے پہلے ایڈیشن میں اس کی کیفیت کا بیان اس طرح کیا گیا ہے:

تذکرۃ النسا نادری جس کا تاریخی نام مراۃ خیالی رکھا گیا ہے اور دو حصوں میں منقسم ہوا ازاں جملہ بخش اول ملقب بہ گلشنِ ناز اول دفعہ 1876 میں حلیۂ طبع سے آراستہ ہوا اور بہرۂ ثانی معروف بہ چمن انداز چھپنے کے واسطے 1878 میں صاف ہو رہا ہے یعنی اصل تذکرے کا یہ دوسرا حصہ ہے۔

اس کا دوسرا ایڈیشن اکمل المطابع دہلی میں 1300ھ/ 1884 میں چھپا تھا۔ اس میں ''تکملہ گلشنِ ناز'' کی تمہید میں ہے کہ :

> ''1876 میں جو گلشنِ ناز چھپا تھا تو اس میں صرف ترپن شعر درج ہوئے تھے۔ پھر 1878 کو چمن انداز کے ہمراہ.... آٹھ کا کلام اور لکھا گیا۔ اب 1883 / 1300ھ میں...... تکملہ کی تکمیل بھی ہوتی ہے۔ کیا معنی کہ اس میں 49 شعر گویوں کا حال ومقال بقدر معلومات لکھا جاتا ہے اور آئندہ اس قسم کی تحریر سے بھی یہ ہیچمداں (ہاتھ) اٹھاتا ہے جس طرح شعر گوئی سے تائب ہے۔''2

اس ایڈیشن میں چمن انداز کے ضمیمہ کے سرورق کی عبارت خصوصیت سے توجہ طلب ہے :

''چمن انداز کا ضمیمہ''

جو 1883 مطابق 1300ھ موافق سمبت 1939 بکرمی میں تحریر ہوا مولفہٗ
عجز بنیاد درگا پرشاد مولف تذکرۃ النساء نادری کہ بہ اسم تاریخی مراۃ خیالی
نامزد ہے، مع عریضہ جو بخدمت صاحب تذکرہ بہارستان ناز روانہ
ہوتا ہے، ماہ فروری 1884 کو اکمل المطابع دہلی میں سید فخر الدین مہتمم کے
اہتمام سے چھپا۔''

معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ نویسی اور شعر گوئی سے تائب ہو جانے کے باوجود نادر نے تذکرہ بہارستانِ ناز کے جواب میں یہ ''عریضہ'' لکھنا ضروری سمجھا تھا۔ اس کی کیفیت اُس تذکرے کے ذکر میں بیان کی جائے گی۔

درگا پرشاد نادر نے اپنے تذکرے میں جگہ جگہ بعض مفید مطالب بھی درج کر دیے ہیں۔ کچھ یہ ہیں:

چمن انداز کی تمہید میں	لب لباب خلاصۂ توشن اعنی ہدایۃ النسواں (چین کی کتاب)
	ترغیب تعلیم نسواں بہ اہلِ ہند
	یادگار قیصری کا اہتمام ہے
گلشن ناز میں	یوسف خاں کمبل پوش کی عجائباتِ فرنگ کا تعارف اور اس کا اقتباس
چمن انداز میں	تحقیق لفظ کنچن کی
	تاریخ گوئی کا بیان

اس قسم کے اندراجات اگرچہ تذکرہ کے مطالب سے براہِ راست متعلق نہیں تھے، ان کی وجہ سے یہ تذکرہ زیادہ مفید ہو گیا ہے۔

3- نگارستانِ بشیر

لالا سری رام نے نگارستانِ بشیر کے مولف کا احوال اس طرح قلمبند کیا ہے:

"شاہ بہاؤالدین دہلوی معروف بہ عبداللہ شاہ بشیر، آپ شاہ نصیر کے چھوٹے بیٹے شاہ نجم الدین صغیر کے حقیقی نواسے تھے......فنِ سخن میں شاہ تنویر سے مشورہ لے لیا کرتے تھے.....ایک تذکرہ شعرائے اردو کا لکھنا شروع کیا تھا۔ پورا نہ کر سکے۔ سات برس کا عرصہ ہوا انتقال کیا۔ پچپن ساٹھ برس کے قریب عمر پائی۔"3

اس اقتباس میں ایک سے زیادہ باتیں صحیح نہیں ہیں۔ ان کی کیفیت آگے بیان کی جائے گی۔

نگارستانِ بشیر تاریخی نام ہے جس سے 1294 کے عدد برآمد ہوتے ہیں۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی کے کتب خانے میں اس کا نامکمل اور ناقص الآخر نسخہ موجود ہے۔ اس کے مقدمہ میں مذکور ہے:

"قریب دو تین سو دواوین متقدمین و متاخرین شعرائے گرامی قلمی اور چھپے ہوئے فراہم ہو گئے.....خیال آیا کہ اگر ان میں سے کچھ کلام لے کر ایک کتاب جمع ہو تو بہت ہی دلچسپ رہے..... قصد ہوا کہ صرف قطعات کا انتخاب لکھوں اور نگارستان بشیر اس کا تاریخی نام رکھوں.......اگرچہ اس ایام میں مولوی عبدالغفور خاں صاحب کے تذکرہ سخنِ شعرا سے بڑھ کر کوئی اور تذکرہ حلیہ طبع سے آراستہ نہیں ہوا.......ہمیشہ متلاشی اس امر کا رہا ہوں کہ نئے شاعر کا کلام بہم پہنچاؤں.......جس صاحب کلام کا دل چاہے بذریعہ خط پیڈ اپنا حال و مقال فقیر کے پاس روانہ فرمائیں۔"4

ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے اس تذکرے کے موجود اوراق کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ:

"اکثر تراجم تو یہ بتاتے ہیں کہ بشیر نے قطعہ منتخب کو سامنے رکھ کر اپنا تذکرہ

مرتب کیا ہے......جو تراجم قطعہ منتخب میں نہیں مل سکے نساخ کے سخن شعرا سے
لے لیے ہیں۔''4

ڈاکٹر صاحب نے اس تذکرے کے بارے میں ایک قابل توجہ اطلاع یہ بھی قلمبند کی ہے کہ:

''یہ تذکرہ درگا پرشاد نادر کی فرمائش پر لکھا گیا ہے چنانچہ نادر کی ایک منظوم تقریظ
بھی بصورت مثنوی اس میں شامل ہے۔''5

اس صورت حال سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تذکرے کے لیے حصول مواد کا یہ طریقہ بھی بشیر نے نادر کے تذکرے سے سیکھا ہوگا۔

4- تذکرہ بشیر

ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے اس تذکرے کے بارے میں یہ اطلاع درج کی ہے کہ:

''بشیر کا دوسرا تذکرہ جس کا نام بہارستان بشیر تھا ادھر اُدھر منتشر پڑا تھا۔
اب اسے یکجا کر کے تذکرہ بشیر کے نام سے مشفق خواجہ صاحب مرتب
کر رہے ہیں۔''6

اس میں بشیر نے خود اپنے حالات اس طرح تحریر کیے ہیں :

''بشیر تخلص، شاہ بہاؤ الدین عُرف عبداللہ شاہ خلفِ حسبنا شاہ نجم الدین المتخلص
بہ صفیر......طبیعت اس کی بیشتر تاریخ گوئی پر مائل ہے۔ بتاریخ ششم ماہ شوال
1266ھ اس کی پیدائش ہے۔''

لالا سری رام نے بشیر کی عمر وغیرہ کے بارے میں جو لکھا ہے، خود بشیر کے اس بیان کی روشنی میں وہ صحیح نہیں ٹھہرتا ہے۔ مولوی سید احمد دہلوی نے بھی لکھا ہے کہ:

''ابتدائی معاونوں میں سے شاہ بہاؤ الدین صاحب عُرف عبداللہ شاہ دہلوی
متخلص بہ بشیر سجادہ نشین حضرت سید مخدوم صدر جہاں قدس اللہ سرہٗ و نبیرۂ حضرت
شاہ نصیر صاحب دہلوی نے بھی محنت سے آنکھ نہ چرا کر 1303ھ/1886 میں
انتقال فرمایا۔''7

بشیر نے کوئی 37 برس کی عمر پائی تھی۔ اس کم عمری کے باوجود انھوں نے کئی کتابیں لکھ ڈالی تھیں۔ ڈاکٹر فرمان نے تیرہ کے نام لکھے ہیں اور تذکرۂ بشیر کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے :

''تذکرہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ مشفق خواجہ اسے اشاعت کی غرض سے مرتب کر رہے ہیں...... تذکرہ اردو زبان میں ہے اور خاصہ ضخیم ہے...... اس میں اٹھارہ سو کے قریب ایسے شعرا ہیں جن کا ذکر تخن شعرا میں سرے سے نہیں ہے۔ نثری تراجم اور انتخاب کلام دونوں عام طور پر مختصر ہیں..... آزردہ، مومن، آشفتہ، وغیرہ کے متعلق بالکل نئی باتیں ملتی ہیں...... تراجم بہ لحاظ حروف تہجی ردیف وار مرتب کیے ہیں۔'' 8

افسوس ہے کہ اب مشفق خواجہ اور فرمان فتح پوری دونوں اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں اس لیے اب اس تذکرے کے شائع کیے جانے کا امکان کم ہے۔

5- رسالہ تذکرات

مشہور فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی کو شعرا کے جتنے تذکرے دستیاب ہو سکے تھے یا جن کی کیفیت اس کے علم میں آسکی تھی ان سب کا تعارف اس نے قلمبند کر دیا تھا۔ کئی برس کے بعد شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ نے گارساں کی اس تالیف کا اردو زبان میں ''رسالۂ تذکرات'' کے نام سے ترجمہ کر دیا تھا۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے اس نایاب رسالے کو اپنے مقدمہ وغیرہ کے ساتھ تماہی ''تحریر'' دہلی میں چھپوا دیا تھا۔ پھر 1969 میں اسی کو علاحدہ کر کے کتاب کی شکل دے دی گئی تھی۔

اس کتاب کی قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ ترجمہ پوری طرح اصل کے مطابق ہے جس کی وجہ سے بڑے مغالطوں کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ یہاں نمونہ کے طور پر صرف ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے :

''انتخاب دواوین- مولوی امام بخش صہبائی کی تصنیف ہے۔ مولوی صاحب دہلی کے مدرسے کے مدرّس ہیں...... دہلی میں جو خلاصۂ دواوین چھپا ہے وہ یہی انتخاب دواوین ہے۔ صہبائی کا سن قریب ساٹھ سال کے ہوگا۔ اس کتاب

میں انھوں نے بہت کم شعر لکھے ہیں اور اور کتابیں ان کی تصنیف سے ہیں۔
حدایق البلاغت کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے اور ایک رسالہ صرف ونحو
میں مرتب کیا ہے اور ایک رسالہ معمے میں بھی لکھا ہے اور بہت کتابیں ان کی
تصنیف سے ہیں۔''

یہ سب حالات وہ ہیں جو گارساں نے لکھے تھے۔ رسالہ تذکرات کے وجود میں آنے سے پہلے صہبائی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ اس لیے اس رسالے کے زمانے سے ان حالات کا کچھ تعلق نہیں ہے۔

رسالۂ تذکرات کے جس نسخے سے ڈاکٹر تنویر نے متن کو اخذ کیا ہے اس میں بعض شاعروں کے حالات میں شاہ بہاؤالدین بشیر کے حواشی بھی لکھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر تنویر کے مرتب کردہ متن میں ان کو بھی شامل کرلیا گیا ہے اس طرح مطبوعہ رسالہ تذکرات کو بھی تذکرۂ بشیر سے متعلق ایک مفید مأخذ کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔

6- ارمغاں

اس تذکرے کا احوال درگا پرشاد نادر نے اس طرح سے تحریر کیا ہے:

''سخنورانِ معنی رس کو ظاہر ہو کہ کتاب مذکورہ بالا (نغمۂ عندلیب عُرف گلستانِ
بے خزاں) حکیم میر قطب الدین صاحب باطن اکبرآبادی نے بہ جواب تذکرہ
گلشنِ بے خار چھپوائی ہے جس کا مختصر جواب الجواب مسمیٰ بہ ''ارمغاں منجانب
شعرائے دہلی'' میرے ایک دوست نے چھپوا کر حکیم صاحب کی خدمت میں
ارسال فرمایا مگر اکبرآباد سے صدائے برنہ خاست کا معاملہ پیش آیا چنانچہ اس
ارمغاں کی تاریخ طبع یہ ہے۔

وحشی کا ہے کلام زبس طرفہ بے نظیر	ظاہر یہ ہے بن آئے گا باطن کو کیا جواب
باذوق داب طبع کی رو سے لکھومیاں	ہے یہ جواب گلشنِ بے خار کا جواب
4 +	1288 = 1292ھ 10''

اس سلسلے میں ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے بہاؤالدین بشیر کی یہ عبارت نقل کی ہے:

"تذکرہ نغمۂ عندلیب اردو جو انھوں نے اپنے زعم میں گلشنِ بے خار کا جواب لکھا ہے میرے مہربان منشی کنہیالال المتخلص بہ وحشی نے جواب الجواب مختصراً لکھ کر چھپوا دیا ہے۔ ناظرین اس کو ملاحظہ فرمالیں۔"11

اس وحشی کی جسارت کی داد دینی چاہیے کہ اس نے خود کو شعرائے دہلی کا نمائندہ فرض کر کے اپنی تحریر کو اُن سے منسوب کر دیا ہے دراں حال یہ کہ اکثر اہلِ تذکرہ نے اس کا نام بھی نہیں لیا ہے۔ ارمغاں کے سرورق کی عبارت یہ ہے:

"منجانب شعرائے دہلی بخدمت حکیم میر قطب الدین صاحب باطن اکبر آبادی، جن کا تذکرہ مسمّی بہ گلستانِ بے خزاں اپریل 1875 میں چھپ کر شائع ہوا ہے یعنی حکیم صاحب ممدوح نے جو نغمۂ عندلیب بہ جواب طلسماتِ سخن معروف بہ گلشنِ بے خارلحنِ داؤدی سے گایا ہے اس کا مختصر جواب الجواب مطبع فوق کاشی واقع دہلی بہ اہتمام منشی انبا پرشاد چھپ کر مرسل ہے۔"

بشیر نے اس وحشی کا احوال اس طرح تحریر کیا ہے:

"وحشی تخلص کنھیالال خلف لالہ منگل سین کایستھ شاگرد مولوی اشرف علی مسکین باشندۂ دہلی کٹرہ نواب روشن الدولہ۔ آدمی وحشی خصال ہے۔ فرشتہ خو، نازک گفتگو ہے۔ 22 مئی بروز شنبہ 1880 فوت ہوئے۔"

باطن کا تذکرہ آغازِ تالیف کے بعد سے کوئی تیس برس تک پڑا رہا تھا۔ چھپنے کی کوئی سبیل نہ ہوئی۔ اس صورت حال سے وہ جتنے دل برداشتہ رہے ہوں گے ظاہر ہے۔ شاید اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ انھوں نے اس "ارمغاں" کا جواب نہیں لکھا، یا اگر لکھا تھا تو اسے چھپنا نصیب نہ ہوا۔

7- خم خانۂ جاوید

"تذکرہ ہزار داستان یعنی اردو شعرا کا تذکرہ جس کا تاریخی نام "خم خانۂ جاوید" ہے لالا سری رام صاحب ایم اے منصف دہلوی خلف الصدق آنریبل رائے بہادر مدن گوپال صاحب بیرسٹرایٹ لا مرحوم کی تصنیف سے ہے۔ اس کی پہلی جلد جس کی ضخامت آٹھ سو صفحے کے قریب ہے چھپ کر تیار ہوئی ہے۔ یہ تذکرہ

پانچ جلدوں میں ختم ہوگا۔ فاضل مصنف کی سولہ سال کی محنت اور صدہا مرتبہ کی
نظر ثانی اور ہزار ہا روپیہ کے صرف کے بعد یہ نادر کتاب ظہور میں آئی ہے......
کیا کاغذ، کیا لکھائی، کیا چھپائی اور کیا جلد ایسی اعلیٰ درجے کی ہے کہ اس ملک
میں اس خوبی کے ساتھ شاید دو چار کتابیں آج تک چھپی ہوں گی۔''12

یہ تاثر منشی رام رچھپال شید دہلوی (مقیم لدھیانہ) کا ہے۔ منشی دیا زاین نگم نے اس کے برخلاف اس کام کو''17 سال کی محنت'' کا نتیجہ لکھا ہے۔ ان بیانوں کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ لالا صاحب نے مواد جمع کرنے کا کام 09-1308ھ/ 1891 کے قریب شروع کر دیا تھا۔13 اپنی زندگی میں لالا صاحب چار جلدیں چھپوا سکے تھے۔ پانچویں جلد پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے اپنے اضافوں وغیرہ کے ساتھ چھپوائی۔ باقی تمام کاغذوں کو جو کم سے کم دو جلدوں کے ہوں گے اور بیشتر بصورت یادداشت تھے، خورشید احمد خاں یوسفی نے بڑی کوشش سے جمع کر کے جلد ششم کی صورت میں شائع کر دیا۔ منشی چندو لال شفق نے اس تذکرے کی تعریف میں لکھا ہے:

''خم خانۂ جاوید سے پہلے اور بھی کئی تذکرے اس قسم کے میں نے پڑھے ہیں اور میرے خیال میں مولانا آزاد کی کتاب آب حیات نے سب پر پانی پھیر دیا ہے مگر اس کتاب میں بیچارے ہندو شاعروں کو کہیں کہیں فٹ نوٹوں یا حواشی پر جگہ دی گئی ہے۔ لالا سری رام صاحب کے تذکرے میں یہ کمی بھی پوری کی گئی ہے......آپ کی دلی خواہش یہ رہی ہے کہ...... ہر شاعر مناسب مناسب پر جگہ پاوے۔''14

حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس تذکرے میں بکثرت ایسے ہندو شاعروں کو جگہ نہیں مل سکی ہے جن کا احوال مصحفی قاسم اور شیفتہ وغیرہ کے تذکروں میں تعریفی انداز سے موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لالا صاحب کا نقطۂ نظر وہ نہیں تھا جو شفق نے ظاہر کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ دہلی میں انگریزوں کے اقتدار کے دور اول میں تصنیف و تالیف کا کام کرنے والوں میں بڑی تعداد ہندوؤں ہی کی ہو گئی تھی۔ مسلمانوں کے لیے بقول مولوی عبدالحیٔ بیخود بدایونی وہ ''پرآشوب اور سراپا شورش'' کا دور تھا اس لیے علمی اور عملی معاملات میں بھی وہ پیچھے ہوتے جا رہے تھے۔15

مولانا الطاف حسین حالی نے خم خانۂ جاوید کی تقریظ میں مسلمانوں پر الزام لگاتے ہوئے لکھ دیا ہے کہ :

"کون نہیں جانتا کہ مسلمان باوجودیکہ تقریباً ایک ہزار برس سے ہندوستان میں آباد ہیں.....انھوں نے چند مستثنیات کو چھوڑ کر کبھی سنسکرت یا برج بھاشا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔"16

واقعہ یہ ہے کہ حالی نے یہ لکھ کر اپنی بے علمی کا اعلان کرنے کے سوا کچھ نہیں کیا۔ کون نہیں جانتا کہ محمود غزنوی نے سنسکرت میں سکہ جاری کیا تھا، اور اس کے بعد تادیر سکوں پر سنسکرت تحریر کا رواج رہا تھا۔ محمود بیگوڑہ کی مدح میں سنسکرت میں ایک طویل قصیدہ اب تک موجود ہے۔ کشمیر کے بادشاہ زین العابدین کی کوششوں سے اتھروید کا متن دریافت ہوا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے پہلے سال جلوس میں جتا کھرا کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔ ابتدائی دور کے سنسکرت کے عالموں میں یامن اچاریہ کی شخصیت غیر معمولی تھی اور وہ مسلمان تھا۔ حضرت عبدالقدوس رودولوی سنسکرت کے شاعر تھے اور الکھداس تخلص کرتے تھے۔ اودھی کا سارا سرمایہ (تلسی داس اور روداس وغیرہ کی تخلیقات کو چھوڑ کر) مسلمانوں کا تخلیق کردہ ہے۔ برج بھاشا میں رحیم کی شخصیت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمانوں پر وہ اعتراض اس حقیقت کا مظہر ہے کہ حالات نے بعض ذہنوں کو مسخ کر دیا تھا، اور انگریز حکام مسلمانوں کو رسوا کرنے کے لیے اس قسم کی باتیں کہتے اور شائع کرتے رہتے تھے کہ:

"سنسکرت کے علوم کو پھر زندہ کرو اور اپنے عادات واخلاق کو انھیں اصول کے سانچے پر ڈھالو جو بھاگوت گیتا میں قائم کیے گئے ہیں۔"17

گویا صاحبان انگریز کے قول کے مطابق مسلمانوں کے زمانۂ اقتدار میں سنسکرت علوم مر گئے تھے۔ اب انگریزوں کی سرپرستی میں ان کو از سر نو زندہ کرنا تھا ظاہر ہے کہ یہ بات حقیقت کے بالکل برعکس تھی۔ (مزید دیکھو صفحہ 41 کا دوسرا حاشیہ)

خم خانۂ جاوید کی پہلی جلد 1908 میں چھپی تھی۔ اس میں صرف حروف الف و بے سے شروع ہونے والے تخلصوں کا مذکور ہے۔ یہ جلد 689 صفحوں پر محیط ہے۔ سید امجد علی خاں واصف نے اس کے لیے پانچ شعروں کا قطعہ کہا تھا۔ دو شعر یہ ہیں۔

کہتے ہیں خم خانۂ جاوید اِس تصنیف کو نام تاریخی یہ اس کا سالِ ہجری میں ہُوا
عیسوی سال اس کا واصف نے قلم برداشتہ الفت خم خانۂ جاوید بس ہے لکھ دیا

1908

لالا سری رام کو واصف کا تجویز کردہ یہی نام پسند آ گیا۔

کچھ شک نہیں کہ لالا صاحب نے اس تذکرے کے لیے بہت محنت کی تھی لیکن کام بہت بڑا تھا اور سہو و خطا سے کوئی خالی نہیں۔ اس تذکرے میں بھی غلطیاں ہیں۔ تقریظوں میں بعض فروگذاشتوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ہو سکے تو اس تذکرہ کو نظرِ ثانی اور اصلاح کے ساتھ دوبارہ شائع کر دیا جائے۔

۵ - تواریخ

1857 کے بعد دہلی والوں میں ابھی ماضی کی روایتوں، طور طریقوں اور اچھے بُرے جو بھی واقعات گذر گئے تھے یا گذر رہے تھے، ان کو قلمبند کرنے کا خیال بتدریج زور پکڑنے لگا تھا۔ بعض لوگوں نے سوانحات اور تذکرے لکھے۔ کچھ نے رسوم و آداب اور تہواروں وغیرہ کی رونقوں کا بیان کیا۔ کسی نے اپنے شہر بلکہ ملک کی تاریخ لکھی۔ غرض ہر شخص اپنی لیاقت اور حوصلے کے مطابق کچھ نہ کچھ کر رہا تھا۔

شمس العلما مولانا محمد ذکاء اللہ فنا فی العلم شخص تھے۔ الہ آباد کی ملازمت کے زمانے میں انھوں نے ریاضی کے معاملات و مسائل سے متعلق کئی درجن کتابیں اور رسالے لکھ کر شائع کر دیے تھے۔ کچھ کتابچے تواریخ سے متعلق بھی لکھے تھے۔ ریٹائر ہونے کے بعد انھوں نے خود کو عملاً تصنیف و تالیف کے کاموں کے لیے گویا وقف کر دیا تھا۔ انھوں نے علم جغرافیہ، علم اخلاق اور علوم طبیعیہ کے علاوہ مناظرہ اور انشا وغیرہ سے متعلق بھی متعدد کتابیں لکھی تھیں جس کام نے انھیں زندہ جاوید بنا دیا وہ تاریخ نویسی ہے۔[1]

مولوی ذکاء اللہ نے شروع زمانے میں تاریخِ ہند کے نام سے دو کتابچے شائع کیے تھے۔ ان کی کیفیت اس طرح ہے۔

الف-تاریخ ہند (ہندوؤں کے زمانے کی)

یہ 1873 میں مطبع مرتضوی دہلی سے چھپی تھی۔ یہ کتاب مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے طلبا کے لیے لکھی گئی ہے۔کل ایک سو چالیس صفحے ہیں۔

اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن اسی مطبع سے 1880 میں نکلا تھا۔اس میں کچھ ترمیم کی گئی ہے۔ شروع میں ہندوستان کے دو نقشے شامل کیے گئے ہیں۔اب کل ایک سو دو صفحے ہیں۔

ب-تاریخ ہند (مسلمانوں کے زمانے کی)

یہ کتاب بھی اسی مقصد سے اور اسی مطبع سے 1875 میں شائع ہوئی تھی۔کل 1193 صفحے ہیں مولوی ذکاءاللہ نے اس کتاب کو کئی سال کی مدت میں ازسرِ نو دس جلدوں میں لکھا تھا۔کیفیت ان جلدوں کی اس طور پر ہے۔

1- تاریخ عہد سلطنت اسلامیہ

جلد اول-اس میں ایک مقدمہ اور سات ابواب ہیں۔اس میں غلام بادشاہوں کے عہد تک کا بیان ہے۔کل 423 صفحے ہیں۔یہ شمس المطابع دہلی میں 1897 میں چھپی تھی۔یہ جلد تیسری بار مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں 1915 میں شائع ہوئی تھی۔

جلد دوم-اس میں تین باب ہیں اور یہ خلجیوں، تغلقوں، سیّدوں اور لودیوں کے زمانے کی تاریخ ہے۔یہ جلد بھی شمس المطابع دہلی سے اسی سال میں چھپی تھی۔کل 402 صفحے ہیں۔

جلد سوم-یہ جلد بھی اسی مطبع سے اور اسی سال میں 530 صفحوں پر چھپی تھی۔اس کے تین حصے ہیں:

حصہ اول = بابر نامہ حصہ دوم = شگرف نامۂ ہمایوں حصہ سوم = رزم نامۂ شیر شاہی

یہ جلد 1916 میں مکرر چھپی تھی۔

جلد چہارم-یہ جلد دو حصوں اور ایک ضمیمہ پر مشتمل ہے۔ان کے مطالب اس طرح ہیں:

حصہ اول-اس میں سندھ، کشمیر، گجرات خاندیس، بہار، بنگال اور جونپور کے مسلم سلاطین کا احوال درج کیا ہے۔

حصہ دوم-بہمنی خاندان، پھر عادل شاہی، نظام شاہی، قطب شاہی، عماد شاہی اور برید شاہی خاندان کا اس میں مذکور ہے۔

ضمیمہ-پرتگیزوں کی حکومت کے بیان میں ہے۔

یہ جلد بھی اسی سال یعنی 1897 میں اسی پریس یعنی شمس المطابع دہلی میں چھپی تھی۔کل 661 صفحے ہیں۔یہ جلد 1917ء میں علی گڑھ میں بھی 796 صفحوں پر چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ بظاہر مصنف نے اس میں خاصے اضافے کیے تھے۔

جلد پنجم- اقبال نامۂ اکبری

یہ جلد بھی 1897 میں اسی پریس میں 1056 صفحوں پر چھپی تھی۔جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں جلال الدین محمد اکبر شاہ کی سلطنت کا احوال درج کیا گیا ہے۔یہ جلد بھی علی گڑھ سے 918: یں شائع ہوئی تھی۔

جلد ششم-کارنامۂ جہانگیری

یہ جلد بھی اسی سال میں اسی پریس سے پہلی بار اور پھر تیسری مرتبہ علی گڑھ میں بھی چھپ کر شائع ہوئی۔پہلا ایڈیشن 315 صفحوں پر مشتمل ہے۔

جلد ہفتم- ظفر نامۂ شاہجہاں

اس کا بھی وہی معاملہ ہے یعنی 1897 میں اسی پریس میں 568 صفحوں پر چھپی تھی۔پھر 1917 میں علی گڑھ سے بھی شائع ہوئی تھی۔

جلد ہشتم-بادشاہ نامہ عالمگیری

یہ جلد پہلی مرتبہ 1898 میں شمس المطابع دہلی میں 514 صفحوں پر چھپی تھی۔پھر علی گڑھ سے بھی شائع ہوئی تھی۔

جلد نہم ودہم-جلد نہم میں بہادر شاہ ثانی کے زمانے تک کے معاملات کے علاوہ ایشیا میں مسلمانوں کی سلطنتوں کا احوال بھی لکھا ہے۔

جلد دہم کے تین حصے ہیں۔پہلے حصے میں یہ مذکور ہے کہ مسلمانوں کی سلطنت سے ہندوستان اور ہندوؤں کو فائدہ ہوا یا نقصان۔دوسرے تیسرے حصے میں اسلامی عہد کی تعمیرات اور سکھوں کے حالات لکھے ہیں۔آخر میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے اسباب بیان کیے ہیں۔

یہ جلد پہلی بار دہلی میں 1898 میں اور پھر علی گڑھ میں 1919 میں چھپی تھی۔

ج- تاریخ ہند (انگریزوں کے زمانے کی)

یہ کتاب 1879 میں مطبع مرتضوی دہلی سے 1459 صفحوں پر چھپی تھی۔ کئی برس کے بعد مولوی ذکاء اللہ نے اس کو بھی پانچ جلدوں میں از سرنو تحریر کر دیا تھا۔

2- تاریخ عروج سلطنتِ انگلشیہ

جلد اول- یہ 1904 میں شمس المطابع دہلی میں 216 صفحوں میں طبع ہوئی تھی۔ اس میں ہندوستان سے انگریزوں کے تعلق پیدا ہونے کا ذکر، انگریزوں فرانسیسیوں کی جنگوں وغیرہ کو بیان کیا ہے۔

جلد دوم- اس جلد میں برٹش گورنمنٹ کی فتوحات، افغانستان، سندھ کشمیر وغیرہ میں انگریزوں کی لڑائیوں اور ان کے مظالم کا حال درج کیا ہے۔ یہ 220 صفحوں پر محیط ہے۔

جلد سوم- اس میں 1824 سے 1848 تک کے حالات لکھے ہیں اور گورنر جنرلوں کی فہرست درج کی ہے یہ کل 236 صفحوں کی کتاب ہے۔

جلد چہارم- یہ جلد 884 صفحوں پر 1904 میں شمس المطابع دہلی میں چھپی، یعنی اس میں 1848 سے 1901 تک کے حالات درج ہیں۔

جلد پنجم- آئینِ قیصری- اس میں سلطنتِ انگریزی کے آئین اور ہندوستان اور انگلستان کے تعلقات وغیرہ کے علاوہ قیصر ہند کے دور ونزدیک کے مقبوضات کی تفصیل بیان کی ہے۔

د- محارباتِ عظیم

یہ 116 صفحوں کا کتابچہ ہے جو 1904 میں شمس المطابع دہلی میں چھپا تھا۔ اس میں یورپ، ایشیا، اور افریقہ میں ہونے والی جنگوں کا احوال اختصار سے لکھا ہے۔

کچھ شبہ نہیں کہ مولانا ذکاء اللہ نے تاریخ کی یہ کتابیں لکھ کر بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ برصغیر ہی نہیں، دنیا کی اتنی مفصل تاریخ شاید کسی دوسرے شخص نے نہیں لکھی ہوگی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ برصغیر کی شاید کسی زبان میں بھی اُس زمانے تک اتنی مفصل تاریخ وجود میں نہیں آئی تھی تو اغلب ہے کہ یہ دعویٰ غلط نہ ہوگا۔

و - سوانحات

اُنیسویں صدی عیسوی ختم ہوئی۔ دہلی شہر کے مسلمانوں کی وہ نسل جس نے شاہی کی طمطراق اور رونقیں دیکھی تھیں اٹھ چلی تھی۔ اب وہ نسل زندگی کے دن پورے کر رہی تھی جس نے 1857 کے ہنگاموں اور بربادیوں کے چرکے کھائے تھے۔ ان کو فکر تھی تو اس بات کی کہ قوم کی تہذیبی، اخلاقی اور علمی میراث کو نہ صرف محفوظ کر لیا جائے بلکہ ماضی کی مثبت اور تعمیری روایات کو زندہ و باقی اور جاری رکھا جائے۔ اُنیسویں صدی کے آخری برسوں میں تذکرہ نویسی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ بزرگوں کے حالات، معاملات اور واقعات کو کبھی قصہ کہانی کی صورت میں اور کبھی سوانحات وغیرہ کی شکل میں قلمبند کر دینے کی طرف توجہ ہوئی۔ انگریزوں کے تسلط کے بعد سب سے زیادہ رسالے اور کتابیں تاریخ اور سوانح وغیرہ سے متعلق لکھی گئی تھیں۔ کچھ ترجمے بھی کیے گئے۔ بعض بزرگوں نے اپنے تجربوں اور مشاہدوں کو خود نوشت (آپ بیتی) کے طور پر کاغذ کی تحویل میں دے دینے کی کوشش کی۔ ایک دو ایسے بھی تھے جنھوں نے روزنامچے وغیرہ لکھے۔ اس طرح اردو کے نثری سرمایہ میں افادیت کا عنصر بھی نمایاں ہو چلا تھا۔

1- حیاتِ عزیزی

مصنف اس کتاب کے مولوی محمد رحیم بخش دہلوی تھے۔ 1ان کو تواریخ اور اسلامیات سے بہت دلچسپی تھی۔ انھوں نے اس کتاب میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ان کی اولاد اور تلامذہ کے حالات قلمبند کیے تھے۔ یہ صرف اٹھاون صفحوں کا ایک مختصر سا رسالہ تھا جو فیض پریس دہلی سے 1899 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

2- حیاتِ باقیہ

یہ بھی مولوی محمد رحیم بخش کی تالیفات میں سے ہے۔ اس میں انھوں نے حضرت خواجہ باقی باللہ کے حالات تحریر کیے تھے۔ 2 باقی باللہ دہلی کے مشہور بزرگوں میں سے تھے اور اس کتاب کا پورا نام "حیاتِ باقیہ مع کلماتِ طیبہ" تھا۔ یہ کتاب ایک سو دو صفحوں پر 1322ھ/1904 میں مطبع افضل المطابع دہلی سے شائع ہوئی تھی۔

3- سوانح عمری جمشید بادشاہ مع ضحاک

یہ بھی مولوی محمد رحیم بخش دہلوی کی تصنیف ہے۔ 3جمشید اور ضحاک کے واقعات ایران کی تاریخ سے متعلق ہیں۔ یہ رسالہ صرف اُنتالیس صفحوں پر مشتمل ہے اور منشی بلاقی داس کی میور پریس واقع دہلی میں چھپا تھا۔ اس کا سال طباعت معلوم نہیں ہے البتہ یہ پریس چونکہ 1874 میں قائم ہوا تھا۔ اس کی طباعت اس سال کے بعد کسی وقت عمل میں آئی ہوگی۔

4- دہلی گائیڈ

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس کتاب میں دہلی کے تواریخی حالات کے علاوہ اہم مقامات اور آثارِ قدیمہ کا بھی تعارف کرایا گیا ہے۔ ایک 136 صفحوں کی یہ کتاب انگریزی کی "گائڈ بکس" یا رہنمائے دہلی کے طور پر لکھی گئی تھی۔ مصنف اس کے بھی مولوی محمد رحیم بخش دہلوی تھے۔ یہ 1321ھ/1903 میں افضل المطابع دہلی سے چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ ناشر اس کے محمد عبدالغفار بیگ مالک افضل الاخبار دہلی تھے۔

مولوی رحیم بخش نے اسی نوعیت کی اور بھی کئی کتابیں لکھی تھیں اور اس اعتبار سے ان کی شخصیت اور کارنامے قابلِ ذکر تھے۔

5- شرف المناقب

یہ کتاب حضرت شرف الدین بوعلی شاہ قلندر پانی پتی کے حالات وغیرہ پر مشتمل ہے۔5 مصنف اس کے حمید الدین تھے اور یہ افضل المطابع دہلی سے 1323ھ/1905 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ کل ترپن صفحے ہیں۔

6- ذبح عظیم

اس کتاب کا پورا نام ''ذبحِ عظیم یعنی سوانح عمری جناب امام حسین'' ہے۔6 مصنف اس کے بلگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے مولوی سید اولاد حیدر تھے جو شعر بھی کہتے تھے اور فوق تخلص کرتے تھے لیکن شاعر کی حیثیت سے انھیں شہرت نہیں ملی تھی۔ لالا سری رام کی یادداشت میں بھی ان کا احوال مندرج نہیں ہے۔ انھوں نے دہلی سے عظیم آباد تک کا سفر کیا تھا اور ان مقاموں پر بھی مقیم رہے تھے۔ 1362ھ/1943 میں انھوں نے وفات پائی تھی۔

فوق نے اردو نثر میں متعدد کتابیں لکھی تھیں۔ بیشتر بزرگانِ مذہب کے حالات پر مشتمل ہیں۔ کچھ کا موضوع تواریخ بھی ہے۔ ان کی تصانیف خاصی مقبول رہی ہیں۔ بعض ایک سے زائد مرتبہ بھی چھپی تھیں۔

ذبحِ عظیم مولوی اولاد حیدر کی ابتدائی تصانیف میں سے معلوم ہوتی ہے۔7 نام سے کتاب کے مباحث اور مطالب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پہلی مرتبہ یہ 1325ھ/ 1907 میں مطبع آفتاب عالم لاہور سے چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ ضخامت اس کی 400 سے زائد صفحوں کی تھی۔8 دوسری بار یہ کتاب 1334ھ/1916 میں چھپی تھی اور اب یہ چھ سو سے زائد صفحات پر محیط تھی۔

7- صحیفۃ العابدین

ذبحِ عظیم کو مکمل کرنے کے بعد مولوی اولاد حیدر نے ''صحیفۃ العابدین'' کے نام سے حضرت امام زین العابدین کے حالات اور اُن کی سیرت قلمبند کی۔9 یہ کتاب دو سو سے زائد صفحوں پر مکمل ہوئی اور 1326ھ/1908 میں جوہر اینڈ کمپنی دہلی نے اسے چھپوا کر شائع کیا تھا۔

8- سراج المبین فی تاریخ امیر المومنین

مذہبی حلقوں میں سید اولاد حیدر کی کتابوں کی جس طرح پذیرائی ہوئی اس نے انھیں مزید کتابوں کے لکھنے کا حوصلہ عطا کیا چنانچہ انھوں نے دو جلدوں میں حضرت علی کی سوانح اور سیرت مکمل کی اور اس کتاب کا نام ''سراج المبین فی تاریخ امیر المومنین'' رکھا۔10 پہلی جلد مطبع یوسفی دہلی سے 1327ھ/1909 میں اور پھر اسی مطبع سے 1339ھ/1921 میں 494 صفحوں پر چھپی تھی۔ دوسری جلد پہلی مرتبہ جید برقی پریس سے اور پھر دوسری مرتبہ 1340ھ/1922 میں 228 صفحوں پر مطبع یوسفی دہلی سے چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

9- واقعات کربلا اور اُس کے اسباب وقوع

یہ بھی سید اولاد حیدر کی تصنیف ہے۔ یہ 1327ھ/1909 میں مکمل ہوئی تھی۔

10- سرو چمن فی احوال امام حسن

سید اولاد حیدر کی اس کتاب کا سال تکمیل 1328ھ/1910 ہے۔

مولوی سید اولاد حیدر بلگرامی المتخلص بہ فوق ایک عالم اور مصنف کی حیثیت سے معروف اور ممتاز ہو گئے۔ ان کو خطاب ''خان بہادر'' سے بھی سرفرازی حاصل ہوئی۔ ان کی بعض تصانیف یہ بھی ہیں:

11- علوم کاظمیہ

مطبوعہ مقبول پریس دہلی 146 صفحے سال طباعت 1340ھ/1922

12- الزہرا

ایضاً 216 صفحے مطبوعہ 1343ھ/1924-25

یہ خان بہادر اولاد حیدر کی لکھی 11 ہوئی حضرت فاطمہ زہرا کی سوانح ہے۔

13- آثار جعفریہ

آثار جعفریہ - 200 صفحے 1346ھ/1928 میں چھپی تھی۔

14- فلسفۂ شہادت گل دستۂ مومنین مطبوعہ مقبول پریس دہلی

15- الف۔ اسوۂ رسولؐ 12 حصہ 1 مطبوعہ شمسی پریس آگرہ 575 صفحے 1343ھ/1925

''اس جلد کے مقدمہ میں ''ارض القرآن'' نقل کردی گئی ہے۔ ذوالقرنین کے ذکر میں سکندر مقدونی کے مفصل حالات لکھے ہیں۔ محققانہ نظر مولف کی نہیں ہے۔''

ب۔ اسوۂ رسولؐ جلد 2 شمسی پریس آگرہ۔

ج۔ ایضاً جلد 3 ایضاً 562 صفحے 1354ھ/1935

د۔ ایضاً جلد 4 ایضاً 103 صفحے ۔

اوپر جو کچھ مذکور ہوا اس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دہلی شہر کے بیشتر گھرانے 1857 کے ہنگاموں کے زخم خوردہ تھے اور اسی صورتِ حال نے اُن کو مذہب کی طرف مائل کردیا تھا۔ اس شہر میں سیرت اور سوانح سے متعلق جو کتابیں لکھی گئی تھیں، قطع نظر اس سے کہ ان کے مصنف شیعہ تھے یا سنی، ان میں بڑی تعداد بزرگانِ مذہب کے حالات سے متعلق تھی۔ بعض کتابیں اپنے زمانے کے حالات سے متعلق بھی لکھی گئی تھیں مثلاً خان بہادر اولاد حیدر بلگرامی کی ایک تصنیف یہ ہے: ''تاریخ جدید صوبہ اڑیسہ و بہار'' یہ کتاب 416 صفحوں پر 1915 میں اکبری پریس پٹنہ میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

16- سوانح عمری ملکہ معظمہ وکٹوریہ

شمس العلما مولانا ذکاء اللہ دہلوی خلف مولوی محمد ثناء اللہ نسباً شیخ صدیقی تھے۔ وہ دہلی شہر میں 1833 میں پیدا ہوئے تھے اور 1910 میں انھوں نے وفات پائی تھی۔ 1887 میں اپنی خواہش کے مطابق میور کالج الہ آباد میں ریٹائر ہوگئے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد الہ آباد یونیورسٹی نے ان کو اپنا ''آنریری فیلو'' بنالیا تھا۔ مولانا نے اپنے زمانے کی بعض اہم شخصیتوں کی سوانح بھی لکھی تھیں۔

سوانح عمری ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے نام سے خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ کتاب صرف وکٹوریہ کی سوانح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں 1854 سے 1904 تک کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، اور اس طرح یہ وکٹوریہ کے علاوہ پرنس البرٹ کے حالات کا بھی مرقع ہے۔ اس میں انگریزی پارلیمنٹ کا حال بھی بیان ہوا ہے۔ یہ کتاب منشی عطاء اللہ کی نگرانی میں شمس المطابع دہلی میں 976 صفحوں پر 1904 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

17- کرزن نامہ

یہ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ کرزن کے ہفت سالہ دورِ حکومت کی تاریخ ہے۔ سرورق پر مصنف یعنی مولوی محمد ذکاء اللہ کے نام کے ساتھ ''آنرری فیلو الہ آباد یونیورسٹی'' لکھا ہوا ہے۔ کرزن نامہ مشتاق پریس دہلی سے 1907 میں 461 صفحوں پر طبع ہوکر اشاعت پذیر ہوا تھا۔

18- سوانح عمری حاجی محمد سمیع اللہ خان بہادر

حاجی محمد سمیع اللہ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے پہلے سکریٹری تھے۔ ان کے ساتھ مولوی ذکا اللہ کے اچھے روابط تھے اس لیے انھوں نے دو حصوں میں ان کی سوانح حیات قلمبند کی تھی۔ اتفاق ہے کہ یہی مولانا کی آخری تصنیف رہی۔

اس سوانح عمری کو طاہر رضا نے اپنی نگرانی میں انوار الاسلام پریس حیدرآباد (دکن) میں 1909 میں 392 صفحوں پر چھپوایا تھا۔

ز - ڈراما

ڈراما کو اکثر لوگوں نے لیلاؤں اور ناٹکوں کی ارتقائی صورت خیال کیا ہے لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ دہلی اور اس کے گرد و نواح میں نہ رہس اور اندرسبھاؤں کا رواج تھا اور نہ لیلاؤں اور ناٹکوں ہی کا زور تھا۔ دہلی میں ایک تھیٹریکل کمپنی کے قیام کی صورت حال کا بیان عشرت رحمانی نے اس طرح کیا ہے:

"نواب حامد علی خاں رشک تخلص والی رامپور کے زمانے میں جب ان کی سرکاری تھیٹر کمپنی ختم ہوئی تو اس کے منتظم اعلیٰ صاحبزادہ محمود علی خاں اس کے ممتاز فن کاروں کو جمع کر کے دہلی لے گئے۔ وہاں انھوں نے اپنی جوبلی تھیٹریکل کمپنی قائم کی۔ سید عباس علی عباس اس کمپنی کے چیف ایکٹر اور ڈائرکٹر تھے۔"1

محمد عمر نور الٰہی نے اس کمپنی کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ:

"سید عباس علی کی رہنمائی اور لحن داؤدی نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اس تھیٹر کو ملک کے بہترین تھیٹروں کی فہرست میں شامل کر دیا مگر سید صاحب عنفوانِ شباب میں بداعمالیوں کے ہاتھوں ملتان میں پیوند زمین ہو گئے..... جنگلی اور امرت لال اس (جوبلی) کمپنی کے نامور ایکٹر گذرے ہیں۔"2

اس زمانے میں دہلی میں جو ڈرامے لکھے اور اسٹیج کیے گئے تھے ان میں نظم ونثر کی آمیزش ہوتی تھی۔ ان میں بعض طبع زاد اور کچھ انگریزی وغیرہ زبانوں سے ترجمہ کیے گئے تھے۔

1- گلروزرینہ

یہ مذکورہ کمپنی کے مشہور ڈراموں میں سے ہے۔ اس میں کُل 78 گانے ہیں اور مکالموں کے لیے مختلف انداز اختیار کیے گئے ہیں۔

2- جامِ جہاں نما

عشرت رحمانی کا کہنا ہے کہ گلروزرینہ اور جام جہاں نما دونوں دراصل مرادآباد کے مرزا کاظم علی برلاس کے لکھے ہوئے ہیں۔ 3عباس علی نے معمولی ردّ وبدل کے بعد ان کو اپنے نام سے اسٹیج کیا تھا۔

3- مہاراجا گوپی چند

ڈاکٹر احمد بختیار اشرف نے عباس کے ڈراموں کے بارے میں لکھا ہے:

''سید عباس علی ..... جوبلی تھیٹریکل کمپنی میں بطور ڈائرکٹر اور چیف ایکٹر ملازم تھے۔ فن ڈرامہ نویسی میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ رستم کا پارٹ بڑی خوبی سے ادا کرتے تھے۔ ان کے ڈراموں میں خوشرو حسینہ عُرف گلروزرینہ، آئینۂ سکندری عُرف جام جہاں نما اور مہاراجا گوپی چند شامل ہیں لیکن گلروزرینہ کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ مجلس ترقی ادب (لاہور) نے ''متفرق مصنفین کے ڈرامے'' جلد یازدہم میں اس ڈرامے کو شامل کیا ہے۔'' 4

4- امرت

رام بابو سکسینہ نے اس ڈرامے کا ذکر کیا ہے، اس طرح:

''عباس علی جو بعد کو جوبلی کمپنی میں چلا گیا اور امرت لال کیشو اس کے مشہور ایکٹر تھے۔ امرت لال کا مس گوہر کے ساتھ تعلق ہو گیا تھا اور یہ دونوں آخر میں پارسی ناٹک منڈلی میں چلے گئے تھے جس کے مالک فرام جی اپّو نے امرت لال کو اپنی کمپنی کا مینیجر بنا لیا اور امرت لال نے چند اور آدمیوں کی شرکت سے اپنا

ڈراما "امرت" نکالا۔ امرت لال کا انتقال اپنی بے اعتدالیوں کی وجہ سے عین جوانی میں ہو گیا۔" 5

5- وینس کا سوداگر

سید عاشق حسین نے شیکسپیئر کے اسی نام کے مشہور ڈرامے کا اردو زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ 6 یہ ترجمہ مشورہ بک ڈپو دہلی سے 1896 میں 148 صفحوں پر چھپا تھا۔ یہی ترجمہ دوسری مرتبہ لکھنؤ سے 1898 میں شائع ہوا تھا۔

6- وہمی جنگی

یہ بھی شیکسپیئر کے ایک ڈرامہ "اوتھیلو" کا ترجمہ ہے۔ مترجم اس کے نازاں دہلوی بتائے گئے ہیں۔ 7 افسوس ہے کہ نازاں کے حالات بالکل معلوم نہیں ہو سکے۔ ڈاکٹر میمونہ دلوی نے البتہ ان کے دو ڈراموں حور عرب اور فانی پتلا کے اسٹیج کیے جانے کا ذکر کیا ہے۔ 8

7- تائید یزدانی

8- مہر جیا

ان دونوں ڈراموں کے مولف منشی غلام علی دیوانہ تھے۔ محمد عمر نور الٰہی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> "دیوانہ ایک سلجھے ہوئے ایکٹر ہونے کے علاوہ تائید یزدانی اور مرجیانامی دو ڈراموں کے مصنف ہیں۔ عرصہ سے انھوں نے کوئی ڈراما نہیں لکھا ہے۔ آج کل الفریڈ تھیٹر کے مہتمم ہیں۔ صحیح تلفظ کی کوشش میں اچھے خاصے مُلاّ معلوم ہوتے ہیں۔" 9

اس تبصرے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ڈراما میں زبان و بیان کے ضابطوں پر زیادہ زور نہیں دیا جاتا تھا۔ معمولاً بول چال کی زبان کا استعمال ہوتا تھا بلکہ اکثر عوامی لب و لہجہ اور تلفظ وغیرہ کو ترجیح دی جاتی تھی۔ دیوانہ جس کمپنی سے متعلق تھے اس کا پورا نام "پارسی الفریڈ تھیٹریکل کمپنی دہلی" بتایا گیا ہے۔ 10 اس کے مالک اور مہتمم حبیب سیٹھ تھے۔ یہ کمپنی مختلف شہروں میں کام کرتی تھی۔ بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ دیوانہ کو اس کا مہتمم بنا دیا گیا تھا۔

9- فیضِ محبت

اس ڈرامے کا قصہ شیکسپیئر کے مشہور ڈرامہ ''میکبتھ'' سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس ڈرامے کے موئلف نظیر حسین سخا تھے۔ لالا سری رام نے ان کے حالات میں تحریر کیا ہے:

> ''سخا مولوی نظیر حسین ابن مولوی غضنفر علی دہلوی.... 1278ھ/1862 میں بمقام دہلی پیدا ہوئے...... داغ سے تلمذ اختیار کیا...... مناظرہ اور ڈراما نویسی میں مہارت حاصل ہے۔ اس سلسلے میں تمام ہندوستان کا سفر کر آئے ہیں۔''11

خیال کرنے کی بات یہ ہے کہ اس دور میں شہر دہلی میں جتنے ڈراما نویس ہوئے تقریباً سب مسلمان تھے۔ اس فن کے محرک بیشتر وہ لوگ تھے جو دوسرے شہروں میں آئے تھے یا جن کو دوسرے مقامات پر رہنے کا موقع ملا تھا۔ مسلمان عموماً غم کے مارے، اپنا غم غلط کرنے کے لیے ڈرامے اور داستان وغیرہ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ دوسری قومیں ٹھوس علمی معاملات اور مفید علوم وفنون سے دلچسپی لے رہی تھیں اس لیے داستان، افسانہ وغیرہ کے لیے ان کے پاس وقت کمتر تھا۔

ح - حکایات و لطائف

1857 کے ہنگاموں سے متعلق دہلی والوں نے داستانیں لکھیں اور نقلوں، لطیفوں اور حکایتوں وغیرہ کے مجموعے مرتب کیے تھے۔ ان سے وہ نہ صرف اپنے غم غلط کرتے تھے بلکہ بالواسطہ طور پر نئی نسل کو نیکیوں کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ اس زمانے میں انگریزوں سے رابطہ کی صورتیں بھی پیدا ہوئیں اور ان کی زبان سے نئے نئے مطالب اور بیان کے نئے طرز بھی سامنے آئے۔ اس مقام پر مولانا محمد حسین آزاد کا یہ بیان توجہ طلب ہے :

> "ہمارے عام مطالب و اغراض بلکہ بات بات میں زمین آسمان کا فرق آ گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ علوم و فنون انگریزی جس طرح ہمارے لباس، مکانات، حالات، خیالات اور معلوماتِ سابقہ میں ترمیم کر رہے ہیں اسی طرح اس کی انشا پردازی بھی ہماری انشا میں اصلاح دیتی جاتی ہے....... جو لطف طبیعت کو بعض مضامین انگریزی سے حاصل ہوا، نہ چاہا کہ اپنے پیارے اہل وطن کو اس میں شریک نہ کروں، جس قدر ہو سکے اور جس طرح ہو سکے ایک پرتو اردو میں دکھانا چاہیے۔"1

اسی ذوق و شوق کا فائدہ یہ ہوا کہ بہت سے ڈرامے، حکایتیں، ناول اور افسانے اردو میں ترجمہ ہو کر مقبول ہوئے اور اس زبان میں نئی وسعتیں پیدا ہوئیں۔

فارسی، عربی وغیرہ سے اردو نظم ونثر میں ترجمہ کی روایت تو چلی آتی تھی۔ 1857 سے انگریزی سے ترجمے کا بھی رواج ہوا۔ بعض ترجمے زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر محفوظ ومروج ہوئے لیکن کچھ ایسے بھی تھے جن کو چھپنا نصیب نہیں ہوا اور نتیجہ کے طور پر وہ ناپید ہو گئے۔ 1

1- منتخب الحکایات

ڈپٹی نذیر احمد نے کوئی ستر سبق آموز حکایتوں کا یہ مجموعہ 1869 میں تیار کیا تھا۔ یہ مطبع انتخاب دہلی سے 1892 میں 80 صفحوں پر چھپا تھا۔ اس کے بعد یہ کم سے کم 8 مرتبہ اور بھی چھپ کر شائع ہوا تھا۔ ڈاکٹر اشفاق اعظمی کا کہنا تھا کہ اس مجموعہ میں زیادہ تر حکایتیں انگریزی سے اخذ کی گئی تھیں۔ کچھ دوسری زبانوں سے بھی لی گئی تھیں اور باقی خود ڈپٹی صاحب کی تصنیف کردہ ہیں۔

2- حکایاتِ لقمان

ڈاکٹر اشفاق اعظمی کا کہنا تھا کہ ڈپٹی نذیر احمد نے کسی انگریزی کتاب سے ان حکایتوں کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ اب یہ ترجمہ ناپید ہے۔

3- لطائف ہندی

ہندستانی لطیفوں کے اس مجموعہ کے بارے میں بس اسی قدر پتہ چلتا ہے کہ دیبی پرشاد نامی کوئی شخص اس کا مولف تھا اور یہ مجموعہ 1873 میں زیورِ طبع سے آراستہ بھی ہوا تھا۔

ط - داستان

1- بوستانِ خیال

اصل کتاب بوستانِ خیال محمد تقی خاں خیال معروف بہ میر تقی خیال نے محمد شاہ بادشاہِ دہلی کے زمانے میں فارسی زبان میں پندرہ جلدوں میں لکھی تھی۔ ریاست الور کے مہاراجا شیودان سنگھ کے پاس یہ سب جلدیں تھیں۔ اس نے خواجہ بدرالدین عُرف خواجہ امان سے اس کا ترجمہ کرنے کی فرمائش کی۔ ترجمہ کی کیفیت اس طرح تھی۔

الف۔ پہلی جلد۔ حدائقِ انظار

بوستان خیال فارسی کی پہلی دو جلدیں مہدی نامہ اور اسماعیل نامہ داستان کے ہیرو کے بزرگوں کے تعارف پر مشتمل تھیں۔ مترجم نے ان کو چھوڑ دیا اور تیسری جلد معز نامہ سے اپنا کام شروع کیا۔ اپنے ترجمہ کی پہلی جلد کا اس نے تاریخی نام حدائقِ انظار رکھا اور اس کے آخر میں تاریخ اس طرح کہی

ع   چمنے بینظیر   سال تمام

1275

ڈاکٹر سہیل بخاری کی کتاب میں اس جلد کا نام غلطی سے حدائق الانظار چھپ گیا ہے۔

مترجم اس زمانے میں الور میں مقیم تھا۔ اسی وقت وہاں دہلی والوں کے خلاف بغاوت ہوگئی۔ مترجم وہاں سے نکل کر کسی طرح دہلی پہنچا یہاں 1282ھ/ 1866 میں اکمل المطابع میں اس نے اپنی پہلی جلد چھپوائی۔ سال طباعت خیالِ خام سے معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کا کہنا ہے کہ انھوں نے اس سال کا جو مطبوعہ نسخہ دیکھا ہے وہ مطبع محمود المطابع 2 دہلی میں چھپا تھا۔

ب-دوسری جلد-ریاض الابصار

ڈاکٹر گیان چند نے ایک موقع پر تحریر کیا ہے کہ: '' جلداول (کے بعد) بقیہ جلدوں کی طباعت کے لیے امان نے دہلی میں اپنا پریس مطبع بدرالدجیٰ قائم کیا''3 اور دوسری جگہ انھوں نے جو لکھا ہے وہ اس طرح ہے :

> '' ریاض الابصار تاریخِ ترجمہ 1282ھ تاریخِ طبع 1284ھ/ 1867 اکمل المطابع دہلی''4

اس مقام پر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ خواجہ امان کے دہلی پہنچنے کے ایک برس بعد ان کے بیٹے خواجہ قمرالدین راقم وہاں پہنچے تھے۔ مطبع بدرالدجیٰ راقم نے چاندنی چوک کے علاقے میں قائم کیا تھا۔ بظاہر اس کا اجرا 1866 کے اواخر میں ہوا تھا۔ ان حالات میں صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ ریاض الابصار مطبع اکمل المطابع دہلی میں 1284ھ میں چھپی تھی۔ تعجب ہے کہ پروفیسر گیان چند جین سال کو '' تاریخ '' کہتے ہیں۔ نواب سعیدالدین احمد خاں طالب جاگیردار لوہارو نے خم خانۂ جاوید کی تقریظ میں لکھا ہے:

> '' حضرت قبلہ ام مرحوم نے حسب التماس خواجہ امان صاحب مرحوم مترجم بوستانِ خیال ریاض الابصار کا دیباچہ اردو میں خواجہ صاحب موصوف کی طرف سے لکھا۔ چونکہ یہ دیباچہ راؤ راجا شیودان سنگھ بیکنٹھ باشی والی راج الور کی ستائش میں لکھا گیا تھا، حضرت مرحوم کی جدت پسند طبیعت نے اس قدر خاص سنسکرت کے الفاظ اس میں داخل کیے ہیں کہ قابلِ دید ہے اور تاریخی لحاظ سے تو دریا نہیں، بلکہ سمندر کوزہ میں بھرا ہے........مگر عوام وخواص ہندو مسلمانوں

میں تو کیا، کسی پنڈت صاحب نے بھی اس کا تتبع نہیں کیا۔"

(خم خانۂ جاوید جلد 3، تقاریظ ص 58 تا 59)

ج۔ تیسری جلد۔ شمس الانوار

یہ جلد 1285ھ میں مکمل ہوئی اور مطبع بدرالدجی دہلی میں اس کی طباعت کا کام 29 جمادی الثانی 1287ھ / 71-1870 میں پورا ہوا تھا۔ یہ تین جلدیں یعنی پہلی سے تیسری تک مہاراجا شیودان سنگھ والی الور کے نام معنون کی گئی تھیں۔

د۔ چوتھی جلد۔ بدرالآثار

مترجم نے اس جلد کو (اور اس کے بعد کی بھی) نواب محمد اسماعیل خان والی جاورہ کے نام معنون کیا تھا۔ اس کے ترجمہ کا کام 1291ھ/1874 میں پورا ہو گیا تھا اور اسی سال میں 21-ذیقعدہ 1291ھ / 31 دسمبر 1874 کو اس کی طباعت بھی مطبع بدرالدجی دہلی میں ہی مکمل ہوئی تھی۔

ہ۔ پانچویں جلد۔ نجم الاسرار

یہ جلد 1292ھ میں پوری ہوئی تھی اور مطبع بدرالدجی ہی میں 2-ربیع الاول 1296ھ 24 فروری 1879 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اس کے کوئی چھ ماہ بعد خواجہ امان رحلت کر گئے تھے۔

و۔ چھٹی جلد۔ مصباح النہار

یہ جلد شروع 1296ھ میں مکمل ہو گئی تھی لیکن اس کو خواجہ امان کی وفات کے کوئی دو برس بعد چھپنا نصیب ہوا تھا گیان چند نے اس کی "تاریخِ طبع" 1298ھ/1883 لکھی ہے۔ ان میں سے کوئی ایک سنہ ضرور غلط ہے۔

ز۔ ساتویں جلد۔ کاشف الاسرار

اس جلد کے بارے میں ڈاکٹر سہیل بخاری نے کسی قدر تفصیل سے معلومات فراہم کی ہیں۔ خلاصہ ان کا یہ ہے:

"خواجہ امان کی مترجمہ چھٹی اور ساتویں جلد.......خواجہ قمرالدین راقم نے

مقرب حسین خاں غنی کو ان کے مطبع دارالعلوم میں چھپنے کے لیے دیں
لیکن غنی خوداس ترجمے کے مالک بن بیٹھے اور (انھوں نے) آٹھویں جلد (کو)
خودترجمہ کر کے اس سلسلے کو مکمل کردیا......(عدالت سے) فیصلہ راقم کے حق
میں ہوا یعنی ......کاشف الاسرار اور......مصباح النہار خواجہ امان ہی کی
مترجمہ ہیں۔''

اس قضیہ کے دوارن راقم نے بھی ان جلدوں کو چھپوانے کے لیے دیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر گیان چند کی عبارت توجہ کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں:

''1883/1300ھ میں راقم نے امان کی ترجمہ شدہ جلد ہفتم موسومہ بہ
ضیاء الانوار شائع کردی۔ ترجمے کی تاریخ 1296ھ ہے۔ راقم نے اس پر
نظر ثانی کی......نواب محمد اسمٰعیل خاں فرماں روائے جاورہ کے نام سے
معنون کیا ہے۔''[8]

ح- آٹھویں جلد- خاتم الاسمار مراۃ الاخبار

حکیم مقرب حسین خاں غنی نے مطبع دارالعلوم میرٹھ سے آٹھویں جلد کو ''خاتم الاسما'' کے نام سے یکم شعبان 1300ھ/1883 میں چھپوا کر شائع کردیا تھا۔

اور قمرالدین راقم نے اسی سال میں آٹھویں جلد کا ترجمہ ''مراۃ الاخبار''[9] کے نام سے مکمل کر کے مطبع جماعت تجارت متفقہ اسلامیہ میرٹھ میں 1301ھ/84-1883 میں چھپوادیا تھا۔ اپنی زبان کے بارے میں خواجہ امان کا دعویٰ یہ تھا کہ ''(میں) اہلِ دہلی کے روزمرّہ کا مقلد ہوا'' اور مرزا فرحت اللہ بیگ نے ان کے ترجمہ کے بارے میں یہ رائے دی ہے کہ :

''محاورے اور روزمرّے کا اس قدر خیال رکھا ہے کہ کتاب ترجمہ نہیں معلوم
ہوتی۔ اس کی زبان شرفائے دہلی کی پاکیزہ اور شستہ ورفتہ زبان ہے۔ نہ اس
میں جو، جس نے، جس کو، تو وغیرہ کی بھرمار ہے اور نہ عبارت میں الجھن اور
پیچیدگی ہے۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو آدمی آمنے سامنے بیٹھے باتیں
کررہے ہیں۔''

2- قصہ ممتاز

اس قصہ کو فارسی زبان میں مولوی محمد رفیع الدین نے لکھا تھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہے۔ حکیم احسن اللہ خان بہادر کو یہ قصہ پسند تھا۔ انھوں نے سید ظہیرالدین حسین ظہیر دہلوی سے اردو میں اس کا ترجمہ کروایا تھا۔ خود ظہیر کا اس سلسلے میں بیان یہ ہے:

'' اُس زمانے میں حکیم احسن اللہ خاں نے مجھ سے '' قصۂ ممتاز'' لکھوایا۔ دس روپیہ جز کی اجرت پر میں نے قصہ ممتاز فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ ''10

اس ترجمے کا 1276ھ/1859-60 کا لکھا ہوا ایک قدیم مخطوطہ رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہے۔ اقتباس بالا کی روشنی میں یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ ترجمہ کا کام ظہیر نے 1857 کا ہنگامہ شروع ہونے سے پہلے مکمل کرلیا تھا چنانچہ بعد کے مطبوعہ نسخہ میں بھی حکیم صاحب کے لیے یہ دعائیہ کلمات ملتے ہیں :

'' ہمیشہ چار بالش امارت وحکومت پر متمکن رہیں۔ ''

اس سلسلے میں لالا سری رام کے تذکرے میں جو لکھا ہے مختصراً یہ ہے :

'' قصہ شہزادہ ممتاز کو فارسی سے زبان سلیس اردو میں ظہیر دہلوی نے بہ فرمائش حکیم صاحب (احسن اللہ خاں) ترجمہ کیا تھا جس کے صلہ میں شاہ دہلی نے خطاب وخلعت عنایت فرمایا تھا۔ اتفاق سے وہ قصہ حکیم صاحب سے بنداہل عطار چھاپنے کے لیے لے آئے اور مرزا صاحب (یوسف علی خاں عزیز بناری) کے حوالہ کیا کہ روزمرہ درست کردیں۔ پینتیس روپیہ اجرت کے ٹھہرے۔ حضرت نے جا وبیجا خوب اصلاح کی۔ جناب ظہیر نے بھی ملاحظہ کیا۔ مرزا صاحب کی اصلاح اور اپنے ترجمے کو بطور محضر لکھ کر فصحائے دہلی کو دکھایا.......مرزا عزیز نے سنا فوراً ان کے پاس آئے اور بہ منت کہا کہ میں غریب آدمی ہوں۔ جو کچھ ہوا از راہِ ضرورت ہوا۔ آپ معاف فرمائیں۔ میر صاحب (ظہیر دہلوی) نے درگذر کی۔ ''11

مرزا یوسف علی خاں عزیز نے اپنے کام کی تاریخ اس طرح کہی تھی ۔

عزیز جب ہوئی تصحیح قصۂ ممتاز — کمال ست تھا جو فقرہ چست خوب ہوا

سروشِ غیب نے از روئے آبرو مجھ سے — کہا کہ سال بھی اس کا درست خوب ہوا

1 + 1284 = 1285ھ

اس قطعہ میں بھی کوئی ایسا اشارہ موجود نہیں ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ تصحیح کا کام عزیز نے حکیم احسن اللہ خاں کی ایما سے کیا تھا۔ یہ حقیقت بھی توجہ کے لائق ہے کہ کتاب ''مراۃ الاشباہ'' مطبوعہ 1285ھ میں محمد ارتضا خاں نے حکیم صاحب کے ذکر میں لکھا ہے کہ :

''اب بھی بہ عنایت الٰہی ریاست قرولی میں سات سو روپیہ ماہوار پاتے ہیں۔ وہی روز مرہ کے صَرف میں لاتے ہیں۔ سِن شریف ان کا ستر اَسّی کے درمیان ہے۔''12

اس زمانے میں دہلی والوں کے علمی کاموں کی مالی مدد کرنا عملاً حکیم صاحب کے لیے غالباً ممکن نہیں تھا۔ تعجب ہے کہ لالا سری رام کے بیان اور متعلق حقائق کو نظر انداز کر کے پروفیسر گیان چند نے بغیر کسی حوالے کے یہ لکھ دیا ہے :

''حکیم احسن اللہ خاں بہادر نے ظہیر دہلوی سے ترجمہ کرایا۔ ترجمے کی زبان نہایت ناقص تھی۔ اس کی تصحیح مرزا یوسف علی خاں عزیز نے کرائی..... مترجم یا مصحح نے ترصیع کی کوشش کی ہے لیکن اس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔''13

اور غالباً انہی سے متاثر ہو کر ڈاکٹر سہیل بخاری نے بھی بغیر کسی سند کے تحریر کر دیا ہے کہ:

''حکیم احسن اللہ خاں نے پھر غالب دہلوی کے شاگرد مرزا یوسف علی خاں عزیز سے اس کی تصحیح کرائی...... کسی نسخہ میں ظہیر دہلوی کا لکھا ہوا سبب تالیف وغیرہ نہیں مل سکا۔ خدا جانے انھوں نے کچھ لکھا تھا یا نہیں...... قیاس کہتا ہے کہ اگر لکھا بھی ہوگا تو حکیم احسن اللہ خاں نے اسے نکال دیا ہوگا...... عزیز کا لکھا ہوا سبب تالیف ضرور ملتا ہے جسے محمد یحییٰ تنہا نے غلطی سے ظہیر دہلوی سے منسوب کیا ہے۔''14

لالا سری رام کے بیان کے برعکس ڈاکٹر سہیل بخاری نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ:

''نظر ثانی نے اس میں وہ صفائی پیدا کر دی ہے کہ بالکل طبع زاد معلوم ہوتا ہے۔''

لالا سری رام ظہیر دہلوی کے دیکھنے والوں میں تھے۔ ان سے متعلق لالا صاحب کا بیان قابلِ ترجیح ہے۔

ڈاکٹر سہیل بخاری نے قصۂ ممتاز کے چار مطبوعہ نسخوں کا ذکر کیا ہے، اس طرح :

الف۔	نسخہ مطبوعہ مطبع جیون پرکاش دہلی	1285ھ/69-1868	کل 672 صفحے
ب۔	مطبع حسنی دہلی	تاریخ نامعلوم	بہ اہتمام بھگوان داس
ج۔	میور پریس دہلی	10/ فروری 1879	
د۔	میور پریس دہلی	1300ھ/1883	

ڈاکٹر گیان چند نے یہ بھی لکھا ہے کہ

"اسی سال 1285ھ/69-1868 میور پریس دہلی سے طبع اول ..... شائع ہوا"

امکان ہے کہ یہ قصہ ایک دو مرتبہ اور بھی چھپا ہو۔ اس طرح یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ یہ قصہ اس زمانے میں خوب مقبول ہوا تھا۔ وجہ بقول ڈاکٹر سہیل بخاری یہ تھی کہ:

"اپنی گوناگوں خوبیوں کے باعث قصہ اس قدر دلچسپ ہوگیا ہے کہ ایک بار شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کیے ہوئے کتاب ہاتھ سے رکھ دینے کو جی نہیں چاہتا۔"

تعجب ہے کہ اس کے باوجود گیان چند نے یہ لکھ دیا ہے کہ:

"یہ کتاب مشہور نہ ہو سکی۔ یورپ کے کسی کتب خانے میں اس کا کوئی نسخہ نہیں۔ تواریخ ادب میں اس کا کہیں مذکور نہیں۔"

پنڈت کیفی نے ظہیر کے بارے میں جو لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غدر کے بعد ظہیر رامپور، بلند شہر، الور، جے پور اور حیدرآباد وغیرہ مقامات پر سرگرداں رہے۔ 15 آخر 1329ھ/ 1911 میں حیدرآباد میں وفات پائی۔ قصہ ممتاز کے علاوہ ان کی ایک تصنیف "داستانِ غدر" بھی چھپ کر مشہور ہوگئی تھی۔ ان کے تین دیوان آگرہ اور ممبئی میں شائع ہوئے تھے۔ ممکن ہے کہ نظم و نثر میں ان کی اور بھی کوئی تصنیف ہو۔

3- قصۂ مقتولِ جفا

اس داستان کا پورا نام "قصہ مقتولِ جفا عرف فسانۂ غم آموز" ہے اس کے مصنف حافظ

امیر الدین معنی دہوی تھے۔ منشی نول کشور کے مطبع لکھنؤ سے یہ کتاب چند بار چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اشاعتِ اول کا سال تو معلوم نہیں البتہ دوسری مرتبہ یہ 1882 میں چھپی تھی۔ 16 اس کے بعد یہ 1307ھ/ 1890 میں چھپی تھی۔ 17 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ داستان بھی خاصی مقبول ہوئی تھی۔ بقول گیان چند اس داستان کا سالِ تصنیف 1287ھ/1870 یا 1291ھ /1874 ہے۔

4- ہزار داستان نثر

اس کا ذکر ڈاکٹر سہیل بخاری نے کیا ہے اور اس کا سالِ تصنیف 1868 بتایا ہے۔ اس کے مصنف کا احوال لالا سری رام نے اس طرح لکھا ہے :

> ''منشی طوطا رام شایاں خلف منشی آتما رام لکھنوی۔ آپ نے امیر حمزہ کی داستان اور الف لیلہ منظوم کی تھی اور مہابھارت کا بھی منظوم ترجمہ منشی نول کشور کی فرمائش سے کیا تھا.... سنا ہے کہ قصہ خوانی میں مشہور تھے۔ عرصہ دراز تک منشی نول کشور کے مطبع میں ملازم رہے۔'' 18

افسوس ہے کہ ان کی ''ہزار داستان نثر'' کے بارے میں کوئی مفید مطلب بات معلوم نہیں ہو سکی۔

5- قصہ تو تا مینا

پروفیسر گیان چند نے اس داستان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے یہ ہے :

> ''قصہ تو تا مینا از امبا پرشاد ہوش 32 صفحے دہلی 1877 انڈیا آفس میں'' 19

اس تفصیل سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ داستان نویسی کا سلسلہ چند لوگوں کی انفرادی کوششوں تک محدود تھا اور اس میں بھی ترجمہ کا پلّہ بھاری تھا۔ تخلیقی کام برائے نام کیا گیا تھا۔

س - ناول

19ویں صدی عیسوی کے ربع ثالث کے کچھ بعد تک بھی داستانوں کا سلسلہ کسی نہ کسی طور پر جاری تھا۔ تقریباً اسی زمانے میں اردو میں ناول نویسی کا بھی آغاز ہو گیا تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں داستان کے نعم البدل کے طور پر ناول نے رواج پایا تھا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آخر زمانے میں جو داستانیں ملتی ہیں وہ عموماً ترجمہ کی گئی تھیں۔ اس کے برخلاف ابتدائی دور میں جو ناول وجود میں آئے بیشتر طبع زاد اور تخلیقی تھے۔

حالات بدل چکے تھے۔ اب بادشاہ، شاہزادے، ان کے لشکر اور جادوگر وغیرہ دور کے لوگ تھے۔ اب دہلی کے شرفا، ان کے بیٹے بیٹیاں، انگریزی سرکار کے کارپرداز، عیسائی مبلّغین وغیرہ تھے اور ان سب کے واسطے سے پُرانے، خیالی قصوں کی جگہ ان ناولوں نے لے لی تھی جن میں اُس موجود زمانے کی زندگی کی حقیقتیں پیش کی جاتی تھیں۔ اس قسم کے ناولوں کے لکھنے والوں میں سرفہرست ڈپٹی نذیر احمد کا نام ہے جو عالم مذہب تھے اور قوم کو مذہبی اخلاقیات کے سانچے میں ڈھال دینا چاہتے تھے۔ انھوں نے جتنے ناول لکھے ہیں سب کا مقصد متعین اور واضح ہے۔ نذیر احمد کا یہ کارنامہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ انھوں نے پہلی مرتبہ ہمیں یہ بتایا کہ معاشرے کے تمام اہم مسائل کو قصے کہانی کی صورت میں نہ صرف پیش

کیا جا سکتا ہے بلکہ ان سے معاشرے کی اصلاح اور بہتری کا کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے مشہور ناول یہ ہیں :

الف۔ مراۃ العروس

ڈپٹی صاحب نے اپنا یہ پہلا ناول 1868 میں لکھنا شروع کیا تھا۔ کوئی 40 برس کے بعد مطبع افتخار دہلی میں یہ 192 صفحوں پر پہلی بار چھپی۔ اس کے بعد سے اس کی کم سے کم 8 اشاعتیں سامنے آ چکی ہیں۔ اس میں بے علم مسلم خواتین کے مسائل اور مصائب وغیرہ کا بیان کیا گیا ہے۔ اصغری، اکبری اس کے دو بنیادی کردار ہیں اور یہ ناول انہی دونوں کے ناموں سے معروف ہے۔

ب۔ بنات النعش

1872 میں یہ ناول لکھا گیا تھا اور خود مصنف کے قول کے مطابق "یہ کتاب مراۃ العروس کا گویا دوسرا حصہ ہے۔" یہ ناول دہلی اور لکھنؤ کے مطبعوں سے کم از کم 3 مرتبہ چھپا تھا۔

ج۔ توبۃ النصوح

یہ نصوح اور اس کے بیٹوں کلیم، سلیم وغیرہ کی داستانِ حیات ہے۔ یہ 1874 میں مکمل ہوئی اور اسی سال مطبع مفید عام آگرہ سے چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے بار بار متعدد مرتبہ چھپتی رہی۔ صرف مطبع نول کشور سے اس کے 21 ایڈیشن نکلے تھے۔

د۔ فسانۂ مبتلا المعروف بہ محصنات

یہ ناول 1885 میں مکمل ہوا اور اسی سال میں زیورِ طبع سے آراستہ بھی ہو گیا تھا۔ یہ صرف "محصنات" کے نام سے بھی چھپا تھا۔ اس کی کم سے کم 8 اشاعتیں معلوم ہیں۔

ہ۔ ابن الوقت

اس میں انگریزی معاشرت کی کورانہ تقلید (نقالی) کا خاکہ اُڑایا ہے۔ 1306ھ/1888 میں مکمل ہو کر اُسی سال مطبع انصاری دہلی میں 248 صفحوں پر چھپی تھی۔ اس کے بعد 3 یا زائد مرتبہ بھی چھپی تھی۔

و۔ ایامیٰ

بیوہ عورتوں کے عقدِ ثانی کی ضرورت کا اس میں دلچسپ انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ

1891 میں مکمل ہو کر اسی سال میں زیورِ طبع سے بھی آراستہ ہو گئی تھی۔ اس کے بعد مزید 4 یا زیادہ مرتبہ چھپی تھی۔

ز۔ رویائے صادقہ

اس میں مولانا نے یہ ثابت کیا ہے کہ سچا اسلام پوری طرح عقل کے مطابق ہے اور اس میں شکوک وشبہات کو دخل نہیں ہے۔ اس کا سالِ تصنیف وطباعت 1312ھ/1894 ہے۔ اس کے بعد بھی یہ کتاب چند بار شائع ہوئی تھی۔

ڈپٹی نذیر احمد بہ سلسلۂ ملازمت الہ آباد اور حیدر آباد میں بھی رہے تھے لیکن ان کی ناول نویسی کا آغاز دہلی میں ہوا تھا اور وہی زبان اور طرزِ بیان ان کے تمام ناولوں میں جاری رہا تھا اس لیے ان کا اس مقام پر مذکور مناسب معلوم ہوا۔

دہلی میں اس زمانے میں ناول نویسی کے لیے کوئی اور شخص غالباً بڑا نامور نہیں ہوا۔

ص - مضامین

اردو میں اُس زمانے میں سر سید احمد خاں اور محمد حسین آزاد وغیرہ نے مضمون نگاری کے لیے نام پایا تھا لیکن ان کی مضمون نگاری کا تعلق دہلی سے کمتر ہے، اس لیے اس کا ذکر وہیں پر کیا جائے گا۔ یہاں آزاد کے خیالات مختصراً نقل کیے جاتے ہیں :

> ''اہلِ فرنگ نے جس طرح ہر امر کی بنیاد ایک منفعت پر رکھی ہے اسی طرح اس (انشا) میں بھی موقع موقع سے مختلف منافع مدِ نظر رکھے ہیں...... جنھیں یہاں (Essay) مضمون کہتے ہیں ان میں انواع واقسام کی غرضیں ملحوظ ہیں..... جو لطف طبیعت کو بعض مضامین انگریزی سے حاصل ہوا، نہ چاہا کہ اپنے پیارے اہلِ وطن کو اس میں شامل نہ کروں.... بالفرض مجھ سے بیان کا حق نہ ادا ہوگا ایک رستہ تو نکل آئے گا۔''

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ اردو میں مضمون نگاری (Essay writing) انگریزی سے آئی ہے اور وہاں ہر مضمون کی بنیاد کسی منفعت پر ہوتی تھی۔ آزاد اور سر سید کے ہم عصروں نے بھی جتنے مضامین لکھے تھے مستثنیات سے قطع نظر سب میں افادیت کا عنصر غالب ہے۔ مضامین کی زبان عموماً آسان اور بول چال سے مطابق ہوتی تھی کہ اس کے بغیر مقصد تک رسائی ممکن نہیں تھی۔

ڈپٹی نذیر احمد کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ انھوں نے بھی مفید مضامین لکھے ہیں۔ یہاں ان کے ایک مضمون ''وقت'' کا اقتباس درج کیا جاتا ہے :

''اے لڑکو یہ فراغت کا وقت جو تم کو اب میسر ہے اسے غنیمت سمجھو۔ اب نہ تو تم کو کھانے کی فکر ہے، نہ کپڑے کا سوچ۔ جو کچھ تم سے سیکھتے اور حاصل کرتے بن پڑے، لگ لپٹ کر جلد جلد سیکھ ساکھ لو کہ آئندہ تمھارے کام آئے، ورنہ پھر کہاں تم کہاں یہ فراغت۔ اس وقت تم سر پر ہاتھ رکھ کر روؤ گے اور رونا کچھ سودمند نہ ہوگا۔''

مولوی ذکاءاللہ بھی مدت تک الہ آباد میں رہے تھے لیکن اصلاً وہ بھی دہلی کے رہنے والے تھے۔ 1832 میں پیدا ہوئے۔ 1885 میں پنشن پائی اور 1910 میں فوت ہوئے۔ انھوں نے بھی مفید علمی مضامین لکھے تھے۔ ان کے ایک مضمون کا عنوان ہے :

''کیسا غلط خیال ہے کہ زمانہ بر سر تنزل ہے۔''

اس میں کہتے ہیں :

'' زمانہ حال میں بہت سی خوبیاں اور فضل و ہنر اور کمال پیدا ہو گئے ہیں اور بہت سے عیوب قدیم زمانہ کے اب مٹ گئے ہیں۔ اگر زمانہ کی ترقی اور تنزلی کو میزانِ عدالت میں عقلِ مستقیم سے تو لیے تو اس زمانہ کی ترقی کا پلڑا ایسا بھاری ہوگا کہ پہلے زمانہ کی ساری خوبیاں اس کے پاسنگ میں بھی نہ چڑھ سکیں گی... غرض دنیا روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے۔''

ف - تراجم

ترجمہ بھی ایک دقیق فن ہے جس کے لیے متعلق زبانوں پر عبور حاصل ہونے کے علاوہ لازم ہے کہ ترجمہ کرنے والے کو متن کے موضوع اور مطالب پر بھی پوری دسترس ہو۔ معمولاً ترجمہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اول وہ کہ جب کسی متن کے صرف مفہوم کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کر دینا مقصود ہوتا ہے۔ یہ صورت غالباً کسی قدر آسان ہوتی ہے اور شاید اسی کا چلن نسبتاً زیادہ ہے۔

ترجمہ کی دوسری صورت وہ ہے جسے عُرفِ عام میں لفظی ترجمہ کہتے ہیں۔ یہ صورت مشکل تر ہے کیونکہ اس میں بہت احتیاط اور اہتمام ضروری ہوتا ہے۔ اس کے لیے دونوں زبانوں کی لفظیات، مصطلحات وغیرہ کے علاوہ ان کے محاوروں اور روزمرّوں پر بھی پوری گرفت ہونی لازم ہے۔ اس معاملہ میں معمولی سی کوتاہی یا خامی بھی ترجمہ کو مضحک بنا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر اردو میں "ہمسر" برابر والے کو کہتے ہیں جبکہ فارسی کے روزمرّہ میں اس اصطلاح کا مفہوم بہت مختلف ہے۔

1857 کے بعد دہلی والوں پر جو بپتا پڑی تھی، اس میں کسی وقیع اور دقیق کارنامے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، اس کے باوجود وہاں کے زبان دانوں نے ترجمے کے بعض نہایت قابلِ قدر کام کر کے دکھا دیے تھے۔

1- نذیر احمد

شمس العلما مولوی نذیر احمد زبان اردو کے روزمروں اور محاوروں کے صَرف کے لیے نہایت معروف ہیں لیکن بات اتنی ہی نہیں تھی۔ وہ ترجمہ کرنے کی بھی عمدہ لیاقت رکھتے تھے چنانچہ اس سلسلے کے ان کے بعض کام یہ ہیں:

1- ترجمہ قرآن پاک

اس ترجمہ کا نام ''غرائب القرآن'' ہے۔ بشیر الدین احمد نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

''یہ بے نظیر اردو ترجمہ ہے جو ہندوستان بھر میں مقبول خاص و عام ہوا۔
خدا کرے کہ جس کا کلام پاک ہے اس کی بارگاہ اقدس میں بھی مقبول ہو۔''1

اس میں بھی مولانا نے بامحاورہ زبان کا استعمال کیا ہے۔ بعض لوگوں نے کسی کسی روزمرہ پر گرفت بھی کی ہے لیکن اس کی خوبیوں کو نظر انداز کرنا بڑی بے انصافی کی بات ہے۔ ترجمہ بین السطور اور حواشی میں لکھا گیا ہے اور پہلی بار 1896 میں مطبع انصاری دہلی میں چھپا تھا۔ مولانا کی زندگی میں مختلف مطبعوں سے یہ مزید نو مرتبہ چھپا تھا۔

2- قانون انکم ٹیکس

میر ناصر علی کی سفارش سے سرولیم میور لفٹنٹ گورنر ممالک متحدہ آگرہ واودھ (یوپی) نے خواہش ظاہر کی کہ انکم ٹیکس کے قانون (ACT) کا زبان اردو میں ترجمہ کیا جائے۔ مولانا نے یہ کام کیا اور اس میں بابو شیو پرساد سے مدد لی۔2 یہ ترجمہ منشی نول کشور کے مطبع لکھنؤ سے 1859-60 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

3- مجموعہ تعزیرات ہند

یہ ''انڈین پینل کوڈ'' کا ترجمہ ہے بشیر الدین احمد نے اِس کے ذکر میں جو لکھا ہے، یہ ہے:

''ملازمت کی حالت میں سب سے پہلے مجموعۂ تعزیرات ہند کا ایسا بے نظیر ترجمہ (ڈپٹی نذیر احمد نے) کیا جو آج تک مسلّم و مستند اور مروّج و معمول ہے۔ اس کے صلے میں ایک طلائی گھڑی اور ڈپٹی کلکٹری ملی۔''3

یہ ترجمہ بھی لکھنؤ میں 1863 میں چھپا تھا۔4 بتایا گیا ہے کہ اس کام میں عظمت اللہ اور محمد کریم بخش نے مولانا کی اعانت کی تھی۔

4- سماوات

مولوی نذیر احمد نے ایک سائنسی کتاب کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ اصل کتاب فرانسیسی زبان میں تھی اور اس کا مصنف الگو ینڈر گو ئلے من تھا۔5 لے پوٹرون نے انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ ''دی ہیون'' کے نام سے کیا تھا۔ پھر اسی شخص کی فرمائش سے مولانا نے اسے انگریزی سے 1293ھ/1876 میں اردو میں منتقل کیا۔ یہ ترجمہ غیر مطبوعہ رہ گیا تھا۔ اس کا ایک اقتباس یہ ہے:

> '' کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہیئت داں کیلڈ یا کے گذرے تھے۔ اس کا یقین ہم کو بالکل اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ بڑے وسیع میدانوں میں رہتے تھے اور اس ملک میں موسم بھی ایسا معتدل رہا کرتا ہے کہ خاصی طرح کھلے میدانوں میں لوگ راتیں بسر کر سکتے ہیں۔ پس ہمیشہ آسمانِ صاف میں اجرام فلکی کی شاندار صورتیں ان کے پیش نظر رہا کرتی تھیں اور ایسی حالت میں ان کو ہیئت داں ہونا ہی چاہیے تھا اور وہ تھے بھی۔''6

کتاب ''سماوات'' کو بعض لوگوں نے مولوی نذیر احمد کی تصنیف کہا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔

5- مصائب غدر

ولیم اودادروس نامی شخص کا 1857 کا یہ روزنامچہ ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے اردو زبان میں اس کا ترجمہ کیا تھا۔ اس ترجمہ کو منشی نول کشور نے اپنے لکھنؤ کے پریس میں 158 صفحوں میں 1896 میں چھاپ کر شائع کر دیا تھا۔

6- دربار تاجپوشی

یہ وائسرائے ہند کے دربار دہلی کی روداد ہے جو انگریزی میں شائع ہوئی تھی۔7 مولوی نذیر احمد نے اپنے دو شاگردوں مرزا فرحت اللہ بیگ اور ڈاکٹر دانی سے اردو میں اس کا

ترجمہ کروایا۔ پھر خود اس پر نظرِ ثانی کی اور حکومتِ ہند کی ایما سے اسے منشی نول کشور کے مطبع لکھنؤ سے 1903 میں 596 صفحوں پر چھپوادیا تھا۔

یہ روداد ایڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی کے جشن سے متعلق ہے اور اس کا مرتب سر اسٹیفن وھیلر تھا۔

7- تاریخ جلسۂ قیصری

یہ اُسی دربار دہلی کی روداد کا دوسرا اردو ترجمہ ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ 8 اس کے مترجم پیارے لال ہیں اور یہ 123 صفحوں کی کتاب کی صورت میں لاہور میں طبع ہوا تھا۔

ق - خطوط وانشا

تذکروں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انیسویں صدی عیسوی کے ربع اول میں بھی کوئی کوئی شخص اردو زبان میں بھی خط لکھنے لگا تھا۔ اس سلسلے کی تفصیلات تاریخ ادب کی اس سے پہلے والی جلد میں درج کی جا چکی ہیں۔ 1853 کی ایک غزل میں مرزا اسداللہ خان غالب نے کہا ہے۔

مگر لکھوائے کوئی اس کو خط، تو ہم سے لکھوائے　　ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں دہلی میں بھی ''چٹھی نویس'' ہوتے تھے جن سے لوگ اپنے خط لکھواتے تھے۔ ایسے خط مقررہ اصولوں اور ضابطوں کے مطابق ہوتے تھے چنانچہ ''انشا'' کی کتابوں میں تفصیل موجود ہے۔

1857 میں کلکتہ سے ریلوں کا سلسلہ شروع اور رسل و رسائل میں سہولتیں ہوگئیں تو بتدریج ڈاک کا نظام بھی منضبط ہوگیا۔ خطوں کے آنے جانے میں آسانی ہوئی تو خاص و عام نے خطوط نویسی کے لیے زبانِ اردو کو ہی اختیار کرلیا۔

وہ زمانہ تھا جب بات بات میں انگریزوں کی تقلید بلکہ نقالی کی جارہی تھی۔ انگریزی کے الفاظ فخریہ لکھے اور بولے جاتے تھے چنانچہ حیاتِ جاوید میں بھی یہ الفاظ دیکھے جاسکتے ہیں :

ایجوکیشنل سسٹم، فادر آف اردو، ایجوکیٹیڈ کلاس، پبلک اسپیکنگ
محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس، گورنمنٹ انگلشیہ کی حکومت
ممبران وزیٹران، آرٹیکل نگاری
یہی نہیں، بلکہ انگریزی سے نثر و نظم کی بعض اصناف بھی لی گئی تھیں مثلاً :
بلینک ورس، ڈراما، ناول، اسے (مضمون)

چنانچہ خطوط نویسی کے آداب بھی بدلے اور وہ پرانے القاب و آداب جو ہندستانی معاشرت کے لوازمات میں شمار ہوتے تھے خطوں میں سے نکل گئے۔ بیانِ مطالب کا انداز بھی بدل گیا۔

خطوط غالب

انگریزوں سے مرزا اسداللہ خاں غالب کے جو معاملات تھے ان کے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ مختلف مواقع پر خصوصاً پنشن وغیرہ کے سلسلے میں انگریزوں تک انھیں اپنی بات پہنچانی ہوتی تھی چنانچہ انگریزی میں (Letter writing) خطوط نویسی کا جو طریقہ ہے انھیں اختیار کرنا پڑتا تھا۔ اسی کا اثر ان کے اردو خطوں میں دیکھا جا سکتا ہے چنانچہ حالی نے لکھا ہے :

''انھوں نے القاب و آداب کا پرانا اور فرسودہ طریقہ اور بہت سی باتیں.....سب اُڑا دیں''[1]

ایسا انھوں نے اپنے شاگردوں وغیرہ کے خطوں میں کیا ہے۔ بعض خطوں میں دوسری صورت بھی ہے مثلاً :

'' مخدوم و مکرم و معظم جناب مولوی عبدالجمیل صاحب کی خدمت میں بعد ابلاغ سلام مسنون الاسلام عرض کیا جاتا ہے کہ............ ''

'' سعادت و اقبال نشاں مرزا یوسف علی خاں کو بعد دعا کے دلنشیں ہو کہ......''

''سید صاحب سعادت و اقبال نشاں میر غلام حسین صاحب کو غالب کی دعا پہنچے...''

'' برخوردار سعادت و اقبال نشاں حکیم غلام نجف خاں کو میری دعا پہنچے......''

حالی نے مرزا کے طرزِ بیان کی بعض خوبیاں بیان کی ہیں مثلاً :

'' ادائے مطالب کا طریقہ...... جیسے دو آدمی بالمشافہ بات چیت یا سوال

دجواب کرتے ہیں۔" 2 اور :"وہ چیز جس نے ان کے مکاتبات کو
ناول (NOVEL) اور ڈراما (DRAMA) سے زیادہ دلچسپ بنادیا ہے،
وہ شوخی تحریر ہے۔" 3

کچھ شک نہیں کہ مرزا نے اپنے زمانے کے تقاضوں کو بخوبی سمجھ کر اردو خطوط نویسی کے لیے ایک نئی راہ نکالی تھی اور ان کا یہ عمل شعوری تھا چنانچہ اپنے خطوں کی خوبیوں کا انھیں احساس اور اندازہ بھی تھا اور انھوں نے خود بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ مرزا کے اسی ادراک کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی زندگی میں چودھری عبدالغفور سرور مارہروی نے ان کے خطوں کا ایک مجموعہ "عود ہندی" کے نام سے مرتب کر کے 1285ھ/1868 میں مطبع مجتبائی میرٹھ سے چھپوا کر شائع کر دیا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک یہ مجموعہ دسیوں مرتبہ چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ 6

مرزا کے خطوں کا دوسرا مجموعہ "اردوئے معلیٰ" ان کی وفات کے کچھ ہی عرصہ کے بعد 1285ھ/1869 میں منشی جواہر سنگھ جوہر کے اہتمام سے میر مہدی مجروح کے دیباچے کے ساتھ 464 صفحوں پر چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اول الذکر کی طرح یہ بھی بار بار چھپتا رہا ہے۔

ان کے بعد بھی متعدد لوگوں نے غالب کے خطوں کے مجموعے اور انتخابات وغیرہ اپنے اپنے طور پر مرتب کر کے چھپوائے ہیں۔ ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اردو دنیا نے غالب کے خطوں کی کس حد تک پذیرائی کی ہے۔ بین الاقوامی سطح پر بھی غالب کے خطوں کا بڑے ذوق وشوق سے مطالعہ کیا گیا ہے اور اس مقصد کے لیے دنیا کی مختلف زبانوں میں خطوط غالب کے ترجمے اور انتخابات شائع کیے گئے ہیں۔

غالب کے ہم عصروں میں سے کئی کے خطوں کے مجموعے بھی چھپ چکے ہیں لیکن ان میں سے بیشتر کا تعلق دوسرے مراکز سے تھا اس لیے ان کا ذکر ان کے مقام پر کیا جائے گا۔

خطوط نویسی سے قطع نظر دہلی میں اُس زمانے میں بعض لوگوں نے انشا کی مفید کتابیں بھی لکھی تھیں۔ یہاں ان میں سے صرف دو کا مجملاً ذکر کیا جاتا ہے :

1- کریم

منشی کریم الدین نام، پانی پت، ضلع کرنال کے رہنے والے تھے۔ سراج الدین کے بیٹے تھے اور وہیں 1822 میں پیدا ہوئے تھے۔ لاہور میں 1879 میں انتقال ہوا۔ انھوں نے مختلف موضوعات سے متعلق کئی کتابیں تصنیف اور تالیف کی تھیں۔ لُغت اور تذکروں کے علاوہ ان کی ایک کتاب ''انشائے اردو'' بھی ہے جس میں خطوط نویسی کے اصول اور آداب بتائے گئے ہیں۔ یہ کتاب انھوں نے 1863 میں چھپوا کر شائع کی تھی۔

2- سید احمد

مولوی سید احمد دہلوی کا حال ان کے موقع پر تحریر کیا جائے گا۔ انھوں نے ایک کتاب ''انشائے ہادی النسا مع تحریر النسا'' کے نام سے 1910 میں شمسی پریس میں چھپوا کر دفتر فرہنگِ آصفیہ دہلی سے شائع کی تھی۔ 6 یہ کتاب 156 صفحوں پر محیط ہے اور یہ ٹھیٹھ بیگماتی زبان میں پانچ فصلوں پر مشتمل خطوں کا مجموعہ ہے۔

ل - متفرقات

زبان اردو کے بارے میں نادان بڑی آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ اس میں سوائے عشق و عاشقی کے رکھا ہی کیا ہے لیکن انھیں نہیں معلوم کہ اردو نظم و نثر میں زمانے کے تقاضوں کے مطابق ہر قسم کے اچھے برے، مشکل اور آسان مضامین لکھے اور پڑھے جاتے رہے ہیں، البتہ

ع نگاہ چاہیے دیدار گلستاں کے لیے

1857 میں بادشاہت کا خاتمہ ہوا ۔ نہ وہ دربار رہے اور نہ وہ آداب واطوار رائج رہے۔ سات سمندر پار سے آئی ہوئی ایک قوم کو اقتدار حاصل ہوا۔ ہندوستان کے اشراف کے لیے زمین تنگ ہوگئی۔ زندگی کے ہر معاملہ، ہر گوشہ میں انتشار آ گیا۔ تصنیف و تالیف کے باب میں بھی یہی صورت تھی۔ ایک شخص مختلف موضوعات سے متعلق طبع آزمائی کرتا تھا۔ مثال کے طور پر ڈپٹی نذیر احمد نے ناول لکھے، قرآن پاک کا ترجمہ کیا، رسم الخط (اردو) سے متعلق 1289ھ/1872 میں ایک کتاب شائع کی۔ دوسرے لکھنے والوں کا حال بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں تھا۔ یہاں محض نمونہ کے طور پر چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1- چند پند

مولف اس کتاب کے مولوی حافظ ڈاکٹر شمس العلما ڈپٹی نذیر احمد خاں دہلوی تھے۔ یہ کتاب

انھوں نے اپنے فرزند بشیرالدین احمد کی تعلیم کے لیے 1865 میں تالیف کی تھی۔ اس میں صفائی، سونا، کھانا، لباس، بات چیت، غصہ، لالچ وغیرہ موضوعات سے متعلق آسان زبان میں بچوں کے لیے چھوٹے چھوٹے کئی مضمون لکھے ہیں۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ دہلی میں 1285ھ/1869 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اس کی عبارت کا نمونہ یہ ہے :

''گو آدمی سب ایک طرح کے ہیں، دو کان، دو ہاتھ، دو آنکھیں، دو پاؤں، ایک ناک، ایک سر، سب کے برابر ہیں، پھر بھی آدمیوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ کوئی باپ ہے، کوئی بیٹا، کوئی استاد ہے، کوئی شاگرد ہے، کوئی آقا اور مالک ہے، کوئی نوکر اور خادم، کوئی مولوی، کوئی جاہل، کوئی حاکم، کوئی طبیب، کوئی دکاندار، کوئی مزدور۔ پس اگر سب آدمی درجے میں برابر ہوں تو دنیا کا انتظام ٹوٹ جائے۔''[1]

2- مبادی الحکمہ

یہ علم منطق سے متعلق ایک مفید کتاب ہے۔ مصنف اس کے بھی نذیر احمد ہیں۔ سالِ تصنیف 1870 ہے۔ یہ کتاب مطبع افتخار عالم دہلی میں 1891 میں 132 صفحوں پر چھپی تھی۔ اس کی نثر کا انداز یہ ہے :

''پس کیا ایسی حالت میں زبان اردو منطق کی حاجتمند نہیں؟ سخت حاجتمند ہے۔ دعوے کا اثبات، حق کا مطالبہ، استحقاق کی حفاظت، دلیل کی استواری..... ابطالِ باطل منطق نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ یہی حاجت دیکھ کر میں نے اس رسالۂ اردو میں ضروری مسائل علم منطق جمع کیے۔ باتیں وہی ہیں جو قطبی اور اس سے فروتر کتابوں میں تھیں۔ طرز ادا میرا ہے، اور ایک انگریزی رسالۂ منطق جناب افضل العلماء ایم کیسن صاحب بہادر دام اقبالھم نے عنایت فرمایا تھا کچھ اس سے اخذ کر لیا ہے۔ یوں عربی اور انگریزی مل کر ایک شان خاص پیدا ہو گئی ہے۔''[2]

3- بزمِ آخر

اس کتاب کے سرورق کی عبارت اس طرح ہے :

''شبیہ مبارک ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ
اخیر بادشاہ دہلی نور اللہ مرقدہٗ
بزم آخر''3

یعنی شہر دہلی کے دو اخیر بادشاہوں کا طریق معاشرت جس میں بطور مکالمہ ابوالنصر معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی کے زمانہ سے ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ اخیر بادشاہ دہلی کے عہد تک روز مرہ کے ظاہر و مخفی برتاؤ، عادتیں، رسمیں، خانگی معاملات، طرز معاشرت، دربار اور سواری کے نذروں کے قرینے، میلوں کے رنگ، تماشوں کے ڈھنگ، مردوں میں دربار کے قاعدے زنانہ میلوں میں عورتوں کی بات چیت، مع تصاویر سواری، دربار اور اس کے متعلق دوسرے حالات مرتبہ منشی فیاض الدین صاحب مرحوم۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبع ارمغاں، ترکمان دروازہ، دہلی (سال اجرا:1883) میں چھپی تھی چنانچہ طبع ثانی (مطبوعہ 1918) میں مالکانِ ہلالی پریس دہلی نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

''مالکانِ مطبع ارمغاں نے یہ کام منشی محمد فیض الدین صاحب ملازم قدیم جناب والا خطاب صاحب عالم و عالمیان مرزا محمد ہدایت افزا عرف مرزا الٰہی بخش صاحب مغفور و مبرور شہزادہ دہلی کے جنھوں نے بچپن سے قلعۂ معلیٰ میں ہوش سنبھالا اور شہزادۂ ممدوح کی خدمت میں رہ کر بہت کچھ واقفیت پیدا کی تھی، سپرد کیا اور خود بھی صرف کثیر کے علاوہ ہر قسم کی مدد پہنچائی چنانچہ ایک عرصہ میں یہ سارا سامان مع نقشہ سواری و دربار و نقول و مواہیر وغیرہ جمع ہو کر دہلی کی بزم آخر تیار ہوئی۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مصنف مذکور نے مکالمہ کے طور پر سارا بیان لکھ کر ایک ایسی تصویر کھینچ دی ہے کہ جس سے ہر ایک پڑھنے والا گویا اسی جگہ بیٹھا معلوم ہوتا اور ایک ایک بات کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے۔''4

یہ دونوں عبارتیں اہلِ مطبع کی ہیں۔ اب خود مصنف کی تحریر کا نمونہ درج کیا جاتا ہے:

''دیکھو سب امیر امرا نقار خانے کے دروازے پر سے اتر کر پیدل دیوانِ عام

میں چلے آتے ہیں۔ یہ پہلی آداب گاہ ہے۔ دیوان عام میں جالی کے دروازے
میں دیکھنا کیسی موٹی سی لوہے کی زنجیر اڑی پڑی ہے کہ آدمی سیدھا نہیں جا سکتا۔
سب جھک جھک کر زنجیر کے نیچے سے جاتے ہیں۔ یہ دوسری آداب گاہ ہے۔
اللہ دیوانِ خاص کے دروازے پر کیا بڑا سا پردہ لال بانات کا کھینچا ہوا ہے۔ یہ
لال پردہ کہلاتا ہے۔ بر دھے، پیادے، دربان، سپاہی، قلار ہاتھوں میں لال
لال لکڑیاں لیے کھڑے ہیں۔ جو کوئی غیر آدمی اندر جانے کا ارادہ کرے تو
قلار وہی لال لکڑی آنکڑے دار گردن میں ڈال کر کھینچ کر باہر نکال دیتے ہیں۔
مگر جشن کے دن حکم عام تھا جس کا جی چاہے پگڑی باندھ کر چلا آئے۔ دربار کی
سیر دیکھے۔ دیکھو لال پردے کے پاس کھڑے ہو کر پہلے مجرا کرے کہ یہ تیسری
آداب گاہ ہے۔ پھر دیوانِ خاص میں تخت کے سامنے آداب بجا کر اپنی اپنی
جائے پر کھڑے ہوتے جاتے ہیں۔'' 5

عبارت نہایت صاف، سلیس اور رواں ہے۔ بول چال کے مطابق اور بے تکلف ہے۔ یہی اہلِ دہلی کا طرزِ خاص ہے۔

4- خرقۃ العادات

منشی فیاض الدین کی ایک کتاب ''خرقۃ العادات مجموع الکرامات'' ہے جو حضرت سید ہاشم دستگیر متوفی 1218ھ کے حالات اور کرامات کے بیان پر مشتمل ہے۔ 6 یہ اصل فارسی کتاب کا ترجمہ ہے کل 468 صفحے ہیں اور یہ ترجمہ 1299ھ/1882 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

5- الطاعون

طب یونانی اور آیورویدک طریقۂ علاج سے متعلق بھی اس زمانے میں کئی کتابیں لکھی گئی تھیں مثال کے طور پر حکیم محمد اجمل خاں نے ایک رسالہ ''الطاعون'' کے نام سے لکھا تھا جو مطبع مجتبائی دہلی سے 1904 میں 56 صفحوں پر چھپ کر شائع ہوا تھا۔ 7

6- صناعاتِ ویدک

جیسا کہ نام سے بھی ظاہر ہے کہ اس رسالے میں ویدک کے اصول کے مطابق کشتہ

جات کے تیار کرنے کے طریقوں کا بیان کیا گیا ہے۔ مولف اس رسالے کے شاہزادہ مرزا احمد اختر گورگانی تھے اور یہ رسالہ بھی مطبع مجتبائی دہلی سے 1912 میں چھپا تھا۔ ضخامت 80 صفحوں کی ہے۔

گزشتہ اوراق میں چند کتابوں کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس پُر آشوب زمانے میں بھی دہلی کے مسلمان خواص اور شاہزادے وغیرہ بھی ملک کے اطراف وجوانب میں مروّج مختلف علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے اور ان سے متعلق تصنیف وتالیف کا کام بھی کرتے رہتے تھے۔ اس بات کی اہمیت اس لیے ہے کہ بعض لوگوں نے حقائق سے صرف نظر کر کے اس زمانے کے رؤسا اور اشراف کو کبوتر بازی، پتنگ بازی وغیرہ کا شائق بتا کر ان پر عملاً جہل کا الزام عائد کر دیا ہے۔ اہلِ تحقیق کے لیے لازم ہے کہ وہ راوی کی شخصیت اور معاملات پر بھی نظر رکھیں۔

7- انشائے تقویۃ الصبیان

مولف اس کتاب کے مولوی سید احمد دہلوی 8 (ولادت 9 محرم 1262ھ/جنوری 1846 وفات 19 رجب 1336ھ/مئی 1918) ابن سید عبدالرحمٰن مونگیر تھے۔ انھوں نے بچپن میں ایک فارسی نظم ''طفلی نامہ'' لکھی تھی۔ اس کے بعد 1868 میں بچوں کو خط وکتابت کے طریقے سکھانے کے لیے کتاب ''انشائے تقویۃ الصبیان'' لکھی تھی۔

8- کنز الفوائد

یہ بھی سید احمد کی تالیف ہے جس میں تقدیر وتدبیر کی بحث دکھائی ہے۔ مولف نے اس میں محاورات ومصطلحات کو جمع کیا ہے۔ حکومت نے اس کتاب پر ان کو ڈیڑھ سو روپیہ (بہت بڑی رقم) بطور انعام کے دیے تھے۔ سالِ تصنیف اس کتاب کا 1869 ہے۔

9- انشائے ہادی النسا

مولوی سید احمد نے زنانہ خط وکتابت اور خانہ داری کے معاملات سے متعلق یہ کتاب 1880 میں لکھی تھی۔ اس میں دہلی کی بیگماتی زبان کا استعمال کیا ہے اور رسموں وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

10- تحریر النسا

زنانہ خط و کتابت مابین مرد و عورت۔ یہ انشائے ہادی النسا کا حصہ دوم ہے۔

11- رسوم دہلی

مولوی صاحب نے 1905 میں یہ کتاب لکھی ہے۔ موضوع کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس میں مسلمانوں کی پیدائش سے موت تک کی تمام رسوم کا بیان کیا ہے۔ تمہید میں مولف نے لکھا ہے:

> ''مسلمانوں کی عورتوں اور ان کے سبب ان کے مردوں میں جس قدر رسمیں مروّج ہیں وہ تقریباً سب کی سب ہندوانی رسمیں ہیں جن میں سے بہت سی رسمیں تو جوں کی توں ہیں۔ بعض کے نام تو وہی ہیں مگر طریقے بدل گئے ہیں۔ بعض میں برائے نام فرق کر دیا ہے۔ بعض کو مذہبی امور میں بہ تغیرِ نام شامل کر لیا ہے۔'' 9

مسلمانوں کی تہذیب، معاشرت اور زبان وغیرہ کے بارے میں جو لوگ مختلف دعوے کرتے ہیں ان کے لیے مناسب ہے کہ رسوم دہلی جیسی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ سید یوسف بخاری دہلوی نے اس کتاب کے تعارف میں تحریر کیا ہے :

> ''منشی سید احمد رسوم دہلی میں درج شدہ تقریباً ہر قدیم و جدید رسم کے خود عینی شاہد تھے۔ پھر بھی انھوں نے ہر رسم کو روایت و درایت کے اصولوں کی روشنی میں مورخانہ انداز میں لکھا ہے۔ تعجب ہے کہ خوشی اور غم کے موقعوں کی اُن شاہی رسوم کو جنھیں وہ خود اپنی آنکھوں سے اور عرب سرائے میں دیکھ چکے تھے مکمل طور پر کیوں نہیں لکھا۔ اگر وہ ان کو بھی لکھ جاتے تو قلعے اور شہر کی رسوم کی ایک مکمل تصویر ہمارے سامنے ہوتی۔'' 10

مذکورہ کتابوں کے علاوہ منشی صاحب کی بعض اور قابلِ توجہ تصانیف یہ ہیں : 11

12- ریت بکھان

ہندوؤں کی پیدائش سے موت تک کی تمام رسوم

13- رسومِ ہنود

روشنی قوم کی پیدائش سے موت تک کی تمام رسوم

14- تزئین کلام

آٹھ ہزار ضرب الامثال مع قصصِ متعلقہ

15- روزمرّۂ دہلی

اہل دہلی کی گفتگو کا نمونہ

16- ناری کتھا

ہندوؤں کے زنانہ روزمرّہ بطور مکالمہ

17- تحقیق الکلام

علم زبان کا بیان اور حروف کا تغیر و تبدّل وغیرہ

18- علم اللسان

19- محاکمہ مرکز اردو

اردو زبان پر ایک تحقیقی مقالہ

20- قواعدِ اردو- اردو صرف و نحو

21- تفہیم المصادر- علم مصادر اردو

22- فسانۂ راحت

اپنی مرحومہ بیٹی محمودی بیگم کی یادگار میں عورتوں کے لیے ایک اصلاحی معاشرتی کہانی- دہلی کی بیگماتی زبان میں۔

23- قصہ مہر افروز

دہلی کی ایک سگھڑ اور دوسری پھوہڑ گھرانے کی معاشرت- قصہ کے طور پر

24- چتر کھیلی- شہر افروز بیگم کا قصہ

25- لڑکیوں کی پہلی کتاب- ایک سچی کہانی

26- ایمنہ مصری کا قصہ- ایک کہانی

27- وقائع دُرّانیہ-تاریخ

28- سیر شملہ-کوہ شملہ کے دلچسپ حالات- تاریخی شواہد کی روشنی میں

29- سفر نامہ مہاراجا راؤ الور-واقعات سفر

30- رس کھان

پہیلیاں، کہہ مکرنیاں، نسبتیں یا دو سخنے، کبت، دوہے، بھجن، گیت وغیرہ

31- تسخیر شوہر

ازدواجی زندگی کو خوش اور کامیاب بنانے کے اصول

32- اخلاق النسا

شہزادیوں اور امیرزادیوں کی قابلِ تقلید اخلاقی باتیں

33- طبیعی تعلیم

بچوں کو کھیلوں کے ذریعہ صحت کی طرف راغب کرنے کے لیے حکیمانہ مشورے

34- بچوں کا رکھ رکھاؤ-اولاد کی صحت کے لیے طبی چٹکلے

انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں حالات تقریباً معمول پر آ چکے تھے۔ اطراف ملک میں چھوٹی بڑی سبھی ریاستیں بقدر وسعت علمی کاموں کی سرپرستی کر رہی تھیں۔ جو لوگ باصلاحیت تھے اپنے اپنے حوصلہ اور لیاقتوں کے مطابق مثبت کام کر رہے تھے۔ منشی سید احمد دہلوی کی کتابوں کی فہرست لائق توجہ ہے۔ اس زمانے میں منشی صاحب کے علاوہ اور بھی کئی باکمال تھے جن کے تصنیفی کارنامے بہت تھے۔ کہا جاسکتا ہے کہ علوم و فنون کی توسیع و ترویج اور تحصیل کے اعتبار سے وہ وقت غیر معمولی تھا۔

م - لُغات

1857 کے بعد کا زمانہ وہ تھا جب حالات نے شرفائے دہلی کو خانہ نشین کر دیا تھا۔ ایسے میں صاحبانِ علم کے لیے کتابوں سے بہتر کوئی رفیق نہیں تھا۔ اس صورت حال میں اکثر اشراف کتب لغات کے مطالعے میں مصروف ہو گئے تھے۔ راقم نے اکثر پرانے گھرانوں میں کئی کئی لغتیں دیکھی ہیں۔ جو لوگ تصنیف و تالیف کے کاموں سے دلچسپی رکھتے تھے ان میں سے بعض نے خود بھی لغتیں مرتب کی تھیں۔ بعض یہ ہیں :

1- کریم اللغات

اس کے مولف مولوی کریم الدین پانی پتی تھے۔ انھوں نے سررشتۂ تعلیم کے واسطے 1861 میں یہ لغت مرتب کی تھی۔ یہ اُسی سال میں 232 صفحوں پر چھپی تھی۔ نصابی کتابوں میں آنے والے تقریباً سبھی الفاظ اس لغت میں مل جاتے ہیں اسی لیے یہ بہت مقبول ہوئی اور ملک کے تقریباً ہر بڑے شہر میں بار بار چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

2- لغات النسا

یہ مولوی سید احمد دہلوی کی تالیف ہے۔ کاشی رام پریس (سابق نول کشور پریس) لاہور میں 1917 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اس کے مشمولات کا اندازہ نام سے کیا جا سکتا ہے۔

3- افادات المدارس

مدرسوں کے طالب علموں کے لیے اس میں ضروری لُغات الفاظ اور مصطلحات جمع کیے گئے ہیں۔ یہ بھی مولوی سید احمد کی تالیف ہے۔

4- مرقعِ تکمیل الکلام

اس میں مولوی سید احمد نے ''اصطلاحاتِ پیشہ وران'' کو جمع کیا ہے اس کے علاوہ ذیل کی کتابیں بھی ان کی تالیف کردہ ہیں۔

5- مرقع زبانِ دہلی

یہ دہلی کے روزمرّہ اور محاورات کا مرقع ہے۔

6- ارمغانِ دہلی

یہ مولوی سید احمد کی تالیف ہے۔ نام اس کا لغاتِ اردو معروف بہ ارمغانِ دہلی ہے۔ یہ چار حصوں پر مشتمل منصوبہ تھا اور اس کا صرف حصہ اوّل مکمل ہو کر مطبع مجتبائی دہلی میں 1878 میں 156 صفحوں پر شائع ہو سکا تھا۔ یہ پہلا حصہ ''لغاتِ الف ممدودہ '' پر مشتمل ہے اس میں علم زبان کے نکتے اور صرف ونحو کے مسئلے وغیرہ بھی درج کیے گئے ہیں۔ بعد میں اسی نے فرہنگ آصفیہ کی صورت اختیار کر لی تھی۔

7- ہندستانی اردو لغت

یہ بھی سید احمد دہلوی کی تالیف ہے۔ گیارہ سو بیس صفحوں پر مطبع ارمغان دہلی میں چھپی تھی۔ سید یوسف بخاری نے اس کے تعارف میں لکھا ہے:

> ''ہندستانی اردو لغت۔ فرہنگِ آصفیہ کا پہلا نام۔ اُنّاسی رسائل کی صورت میں۔ مشتمل بر جلد اوّل و دوم''

8- فرہنگ آصفیہ

منشی نراین پرشاد مہر تلمیذ داغ نے خم خانۂ جاوید کی تقریظ میں لکھا ہے کہ :

> ''اس پُر آشوب زمانے میں جب آپس کے جھگڑوں، مذہبی تعصبوں سے زبان کا اچھی طرح ستیاناس ہو رہا ہے..... مولانا سید احمد دہلوی نے فرہنگ آصفیہ

اردو زبان کی مبسوط لغت لکھ کر اس زبان کے تتر بتر حرف پاروں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔"1

یہ اردو کی ضخیم ترین لغتوں میں شمار ہوتی رہی ہے۔ چار جلدوں میں مکمل ہوئی تھی۔ وہ زمانہ تھا جب مولوی سید احمد کوچہ پنڈت میں رہتے تھے۔ یہ لغت لاہور میں چھپی تھی چنانچہ تفصیل اس طرح ہے:

جلد اول	الف	تا	ت	رفاہِ عام پریس لاہور	1908
جلد دوم	ث	تا	ژ	ایضاً	1908
جلد سوم	سین	تا	ک	اسلامیہ پریس لاہور	1898
جلد چہارم	گ	تا	ی	رفاہِ عام پریس لاہور	1908

8/فروری 1912 کو ان کے گھر میں آگ لگ گئی اور بقول مولوی صاحب:

"ہماری مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف، تمام عمر کا سرمایہ قدیم و جدید، ذخیرۂ کتب، پہننے کے کپڑے......گرداباد ہو گیا۔"2

پھر میر عثمان علی خاں نظام سابع نے سرپرستی کی اور 1918 میں اس لغت کا دوسرا ایڈیشن تیار ہوا۔ اسی سال میں سید احمد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ لالا سری رام نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

"فرہنگِ آصفیہ سے پیشتر اردو زبان میں کوئی جامع لغت نہ تھی۔ ملک نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ علم دوستوں نے اس کو سر آنکھوں پر جگہ دی۔ ابھی اس کتاب کی تمام جلدیں مرتب نہ ہونے پائی تھیں کہ اہل لکھنؤ نے اس کی ناموری اور شہرت کے مقابلے میں امیر اللغات کو پیش کیا ہے...... تلامذۂ امیر نے اس موقع پر حق شاگردی ادا کیا اور فرہنگ آصفیہ کے خلاف لمبے چوڑے مضامین نکالے مگر سید صاحب کے جانبداروں نے جوابات دینے میں کوئی بات اٹھا نہ رکھی دہلی لکھنو کی رقابت نئے سرے سے گویا نمودار ہوئی۔ داغ کی شاعری پر بھی حملے کیے گئے۔ آخر کار امیر اللغات غیر مکمل رہ گئی اور بقیہ حصہ

شائع ہونے کی نوبت نہ آئی۔ فرہنگ آصفیہ کی جلدیں تیار ہو کر تمام اردو کتب خانوں میں پہنچ گئیں۔"[3]

9- ایک یار مار کشمیری پنڈت

یہ بھی مولوی سید احمد دہلوی کی تالیف ہے۔ سید یوسف بخاری نے اس کے بارے میں لکھا ہے :

"فرہنگِ آصفیہ کی طباعت و اشاعت کے سلسلے میں ایک پنڈت کی داستانِ بے وفائی"۔

ن - تدوین

1857 کے ہنگاموں کے بعد سلطنت کی بساط ہی نہیں الٹی، واقعات، حادثات اور معاملات کو دیکھنے، سمجھنے، برتنے اور پرکھنے کے انداز بھی بدلے۔ آقایانِ فرنگ کی سرپرستی اور زبانِ انگریزی کی ترویج واشاعت کے نتیجے میں اردو نظم ونثر کی بعض نئی اصناف وجود میں آئیں۔ ان تبدیل شدہ حالات میں اردو کے جس عالم نے تدوین کے اصول اور عمل کی طرف توجہ کی وہ شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد تھے۔

آزاد کو حالات کی تبدیلی کا احساس بہت شدید تھا۔ استادی شاگردی کے تعلق سے قطع نظر ان کے خیال میں شیخ محمد ابراہیم ذوق کی اہمیت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ :

> ''ملک الشعرائی کا سکہ اس کے نام سے موزوں ہوا اور اس کے طغرائے شاہی میں یہ نقش ہوا کہ اس پر نظم اردو کا خاتمہ کیا گیا چنانچہ اب ہرگز امید نہیں کہ ایسا قادر الکلام پھر ہندوستان میں پیدا ہو۔ سبب اس کا یہ ہے کہ جس باغ کا بلبل تھا وہ باغ برباد ہوگیا۔ نہ ہم صفیر رہے، نہ ہم داستاں رہے، نہ اس کی بولی سمجھنے والے رہے۔''[1]

آزاد کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ خیالی طوطے مینا اڑانے میں کمال رکھتے تھے لیکن

آب حیات اور دیوانِ ذوق کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کتابوں میں تحقیق وتدوین کے عمدہ اصولوں کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ خود آزاد کو بھی اس بات کا احساس تھا۔ دیوانِ ذوق کے بارے میں لکھتے ہیں :

''استادمرحوم- کی بہت سی غزلیں، قصیدے بے ترتیب پڑے ہیں اور میں خوب جانتا ہوں کہ ان کا ترتیب دینے والا میرے سوا دنیا میں کوئی نہیں.........اس میں ارادہ ہے کہ جس جس قصیدہ یا غزل یا شعر کے موقع پر کوئی تقریب، کوئی معاملہ یا معرکہ خاص پیش آیا ہے وہ بھی نقل کروں.... تصور فرمایئے آج تک کسی شاعر کا دیوان ایسا مرتب نہ ہوا ہوگا۔''2

مدوّن کے لیے لازم ہے کہ جس متن کی تدوین مطلوب ہے اس سے متعلق جملہ بنیادی اور ضروری امور سے پیشگی شناسائی حاصل کرلے کہ اس کے بغیر ضروری مآخذ کی تلاش وجستجو بھی ممکن نہیں ہے۔

ذوق کی زندگی میں ان کا کلام مرتب نہیں ہوا تھا۔ قدر شناسوں کے پاس بیاضیں تھیں۔3 انہی میں وہ ذوق کے اشعار لکھتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ خلیفہ اسماعیل کی مدد سے ذوق کے کلام کو مرتب کرنا چاہا لیکن دفعۃً 1857 کا غدر ہوگیا۔4 پھر حافظ ویران وغیرہ نے ''ایک مجموعہ 1279ھ/1862 میں چھاپ کر نکالا۔''5

متن سے واقفیت حاصل کرلینے کے بعد تدوین کے کام کی ابتدا ہوتی ہے۔ متن کی فراہمی اس سلسلے کا پہلا عمل ہے۔ ذوق کا کلام ان کی زندگی میں بھی مشکل سے ملتا تھا۔ آزاد کے والد نے گلشن بے خار کی دوسری اشاعت کے لیے ذوق کے اشعار تلاش کیے تو کل 161 شعر ملے۔ لکھا ہے :

''یہاں تک اشعار تذکرۂ سابق میں سے نقل کیے گئے اور باقی مہتمم مطبع نے بہت کوشش سے بہم پہنچا کر لکھے ہیں۔''6

آزاد کو بھی تلاش وجستجو کرنی پڑی۔ ان کا طریقہ کار یہ رہا کہ جس ذریعے سے بھی ذوق سے منسوب کوئی شعر ملا اسے کاغذ کی تحویل میں دے دیا۔ فائدہ اس عمل کا یہ ہوا کہ آزاد کی دسترس میں

آ جانے کے بعد ذوق سے منسوب کوئی شعر ضائع نہیں ہوا۔ جہاں روایت کمزور تھی آزاد نے اس کا ذکر صراحت سے کر دیا ہے تاکہ آئندہ کام کرنے والے تحقیق و تفتیش کا کام کر سکیں۔7

یہ درست ہے کہ اس طور پر فراہم کردہ زیادہ کلام اغلب ہے کہ تحقیق کے معیار پر پورا نہیں اترے گا لیکن اگر ایک بات بھی صحیح ثابت ہوگئی تو آزاد کی محنت وصول ہوگئی۔ موتی حاصل کرنے کے لیے خذف ریزوں کو بھی جمع کرنا پڑتا ہے۔ چھاننے، پھٹکنے، اور بیننے کا کام بعد کا ہے۔ غواص کے لیے لازم نہیں کہ بعد کا کام بھی وہ خود ہی کر ڈالے۔ آزاد نے جو کیا، اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مدوّن کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام وسائل کام میں لائے۔ بہ حدِ امکان کسی ذریعہ یا وسیلہ کو نہ نظر انداز کرے اور نہ اس کی تحقیر کرے۔

آزاد سے پہلے عموماً دواوین کی ترتیب ردیف وار ہوتی تھی۔ آزاد نے ایک قدم آگے بڑھایا یعنی ہر ردیف کی غزلوں میں پہلے استاد کا معتبر کلام لکھا۔ پھر وہ لکھا جس پر استاد نظر ثانی نہ کر سکے اور پھر وہ غزلیں لکھیں جو تحقیق طلب معلوم ہوتی تھیں۔ جن لوگوں نے دیوانِ ذوق کا مطالعہ کیا ہے وہ اس ترتیب کو سمجھ سکتے ہیں۔

ترتیب متن کے معاملہ میں آزاد کا ایک اور اضافہ وہ ہے جس کا ذکر انھوں نے اس طرح کیا ہے کہ:

> ''جس جس موقع پر کوئی خاص صورت پیش آئی یا کوئی نظم کسی تقریب خاص سے لکھی گئی.....وہ بھی جا بجا درج کرتا ہوں........جی یہی چاہتا ہے کہ کوئی حرف اس گراں بہا داستان کا نہ چھوڑوں.... یہ شاید اس سب سے ہو کہ اپنے پیارے اور پیار کرنے والے بزرگ کی ہر بات پیاری ہوتی ہے، لیکن نہیں۔ اس شعر کے پتلے کا ایک رونگٹا بھی بیکار نہ تھا۔ ایک صنعت کاری کی کل میں کون سے پُرزے کو کہہ سکتے ہو کہ نکال ڈالو۔ یہ کام کا نہیں........'' 8

دعویٰ جو بھی ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ کتنی ہی اور بھی قابل ذکر باتیں ہو سکتی تھیں جو آزاد کے علم میں آئی ہوں گی لیکن وہ کاغذ پر منتقل نہیں ہو سکیں۔ شاعر کے کلام اور حالات کے مابین جو ربط ہوتا ہے آزاد نے اس کی اہمیت اور افادیت کو بخوبی محسوس کر لیا تھا۔

ترتیب کے بعد تصحیح متن کا مرحلہ آتا ہے۔ یہ نہایت نازک لیکن مشکل کام ہے۔ آزاد نے اس کو ''مہم'' کہا ہے۔ لکھتے ہیں :

''ان (ذوق) کے کلام کی ترتیب آسان کام نہیں ہے۔ صدہا شعر ہیں کہ لوگوں کے پاس کچھ لکھے تھے۔ دیوانِ مروّجہ میں کچھ چھپے اور ان کی زبان سے کبھی کچھ سُنے، کبھی کچھ سُنے...... کٹے پھٹے اشعار کا پڑھنا، مٹے حرفوں کا اجالنا، اُس زمانے کے خیالات کو سمیٹنا، حالتوں کا تصور باندھنا، بھولے بسرے الفاظ و مطالب کو سوچ سوچ کر نکالنا...... راتیں صبح ہو گئیں اور دن اندھیرے ہو گئے، جب یہ مہم سرانجام ہوئی ہے۔''9

جن لوگوں کو قدیم تحریروں کے پڑھنے اور ان سے استفادہ کرنے کا تجربہ ہے وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ آزاد نے صحیح صورت حال کی کتنی خوبی سے عکاسی کی ہے۔ مصنف اپنی تحریر پر بار بار نظرثانی میں ردوبدل کرتا ہے۔ مصنف کے ہاتھ کی جتنی تحریریں ملیں، مدوّن کے لیے ضروری ہے کہ ان سب پر غور کرے۔ بعض وقت ثانوی اور ضمنی مآخذ بھی بہت اہمیت اختیار کر جاتے ہیں اور خود مصنف کے قلم سے بھی سہو ہو جاتا ہے، اسی لیے ''منتخب متن'' کے اصول کو ہی بہتر اور مناسب تر کہا گیا ہے اور آزاد نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

تصحیح متن کے بعد تحقیق متن اور پھر تنقید متن کی منزل آتی ہے مثال کے طور پر ایک غزل کو جو بقولِ آزاد بادشاہ (ظفر) کے دیوان میں چھپی ہے، اپنے والد کے حوالے سے آزاد نے دیوانِ ذوق میں داخل کر دیا۔ ہے اس پر اکثر لوگوں نے اعتراض کیا ہے لیکن واقعہ یہی ہے کہ آزاد کا فیصلہ درست تھا غزل مذکور کے ایک شعر کو صہبائی نے بھی اپنی کتاب میں لکھا تھا اس طرح :

''شیخ ابراہیم ذوق سلمہ کا شعر ؎

اٹھائے سوزِ غم ہر نمط ہیں، یہ خوں کے دعوے کوئی غلط ہیں
کہ مثل قط گیر خط پہ خط ہیں ہنوز باقی ہر استخواں پر''10

آزاد نے مختلف غزلوں اور شعروں کے بارے میں دیوان ذوق میں بہت باتیں کہیں حوض میں اور کہیں حاشیہ پر لکھی ہیں۔ جن باتوں سے متن کی توضیح یا تشریح ہوتی ہے یا اس کی

تفہیم میں بہتری اور آسانی کی صورت پیدا ہوتی ہے وہ ''تحشیہ'' کے تحت آتی ہیں مثال کے طور پر آزاد نے لکھا ہے :

''بادشاہی ملازم جو بطور خدمت گار کاروبار کرتے تھے ''خواص'' کہلاتے تھے۔
دیکھو جمع کا صیغہ ہے مگر اراکین دربار کی زبانوں اور دفتر کے کاغذوں میں بمعنی
واحد مستعمل تھا۔'' 11

آزاد کے تمام حاشیے متن سے متعلق ہیں۔ غیر متعلق حواشی لکھ کر انھوں نے اپنی قابلیت کے بیجا اظہار کی کوشش نہیں کی ہے۔

جو متن مدون کیا جائے اس کے بارے میں تفصیلات سے قاری کو مطلع کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ یہ تفصیلات ''مقدمہ'' کے تحت آتی ہیں یعنی مقدمہ وہ تحریر ہے جسے اپنی افادیت کی وجہ سے متن کے شروع میں جگہ ملتی ہے لیکن جو کام کی تکمیل کے بعد لکھی جاتی ہے۔

تحقیق کے معاملہ میں آزاد کی کوتاہیوں اور نقائص کو تسلیم کرنے کے باوجود، تدوین کے نقطہ نظر سے ان کے مرتب کردہ دیوانِ ذوق کی اہمیت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے تدوین کے جو مدارج اور شعبے سامنے آتے ہیں، اس طرح ہیں:

1- مقدمہ الف- متن اور صاحب متن کا تعارف
ب- تدوین کا طریقہ کار جو عمل میں لایا گیا
اور ج- تدوین کے نتائج وغیرہ
2- فراہمی متن یا تلاش متن - مختلف مآخذ کے حوالے وغیرہ
3- ترتیب متن
4- تصحیح متن
5- تحقیق متن اور تنقید متن
6- تحشیہ الف- مشکل مقامات کی تشریح
ب- توضیح طلب مقاموں کی وضاحت وغیرہ

اہم بات یہ ہے کہ ان شعبوں میں اضافے کی کوئی صورت تا حال سامنے نہیں آسکی ہے۔

ی - اخبارات

اکبر شاہ ثانی کے آخر زمانے میں ہی دہلی میں چھاپے خانے قائم ہو چکے تھے اور اخبار نکلنے لگے تھے۔ سلطنت کی بساط کے الٹنے سے پہلے تک اس شہر میں کئی اخبار نکل رہے تھے۔ ان میں معروف یہ تھے :

دہلی گزٹ 1833 میں ، دہلی اردو اخبار 1836 میں

سراج الاخبار (فارسی) 1841 میں ، سید الاخبار 1837 میں

صادق الاخبار 1851 میں ، نور مشرقی اور نور مغربی 1853 میں وغیرہ

1857 کے ہنگاموں میں تقریباً سبھی مطبعے اور اخبار بند ہو گئے تھے۔ بعد میں جب شورش ختم ہوئی تو بعض پرانے مطبعوں نے کام کرنا شروع کیا اور کچھ نئے چھاپے خانے جاری ہوئے۔ اس زمانے میں دہلی میں جو اخبار نکلتے تھے ان میں سے قابلِ ذکر یہ ہیں:

1- اکمل الاخبار

شہر میں سکون کی صورت ہونے کے بعد ہی حکیم محمود خان نے اکمل المطابع کے نام سے ایک چھاپہ خانہ قائم کیا اور اسی کی مناسبت سے ایک ہفتہ وار اردو اخبار 6- جنوری 1869 کو جاری کیا۔ منشی بہاری لال مشتاق شاگردِ غالب اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ یہ اخبار اعتدال پسند اور متین تھا اور

اسی لیے مقبول و ہر دلعزیز تھا۔ غالب کی بعض کتابوں کے علاوہ درگا پرشاد نادر کا تذکرہ چمن انداز بھی اسی مطبع میں چھپا تھا چنانچہ اس کے سرورق پر لکھا ہے :

''1883 کو دہلی کے اکمل المطابع میں سید فخر الدین مہتمم کے اہتمام سے چھپا۔''

بعد میں مطبع کے مہتمم بدل گئے تھے۔

2- سفیر ہند

اس اخبار کے مالک اور مدیر منشی بلاقی داس تھے جو 1313ھ/1897 کے بعد تک زندہ تھے۔ یہ اخبار پندرہ روزہ تھا اور مطبع میور واقع حوض قاضی میں چھپتا تھا۔ سفیر ہند کے علاوہ بلاقی داس کی ادارت میں ''لشن گزٹ'' بھی چھپتا تھا۔

3- ناصر الاخبار

سید نصرت علی خاں قیصر نے دریچہ فراش خانہ میں ''نصرت المطابع'' کے نام سے ایک مطبع قائم کیا تھا۔ اس کے کچھ مدّت بعد 1873 میں اسی مطبع سے انھوں نے ایک ہفت روزہ ''ناصر الاخبار'' کے نام سے جاری کیا۔ بعد میں اس کا نام ''نصرت الاخبار'' ہو گیا۔

4- کرزن گزٹ

مرزا حیرت دہلوی اپنے زمانے کے معروف اشخاص میں سے تھے۔ انھوں نے دہلی میں ''مطبع کرزن'' قائم کیا اور پھر اسی مطبع سے ''کرزن گزٹ'' جاری کیا۔ اس کا زمانہ 19 ویں صدی کے خاتمہ (1317ھ 1899) کے قریب کا ہے۔

ان چند کے علاوہ دہلی میں اس زمانے میں اشرف الاخبار، قیصر الاخبار، افتخار الاخبار وغیرہ اخبار بھی جاری ہوئے تھے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس دور میں شروع شروع میں اخبار نویسی کی طرف مسلمانوں نے توجہ ضرور کی تھی لیکن انھوں نے ہندو حضرات سے تعاون حاصل کیا تھا۔ اس دور میں دہلی میں جو اخبار جاری ہوئے تقریباً سب ملکی اور غیر ملکی خبروں پر مشتمل ہوتے تھے۔ ضمناً ادبی، علمی اور شعری تخلیقات بھی شامل کر لی جاتی تھیں۔ ذاتوں اور مذہبی فرقوں کے معاملات و مسائل سے متعلق بھی تحریریں شائع ہوتی تھیں لیکن ان سے مقصود اصلاح اور فلاح و بہبود ہوتا تھا۔

OOO

حواشی

-1	واقعات اظفری		ص 183
-2	معتمد الدولہ آغا میر		ص 47 تا 155 و مابعد
-3	واقعات دارالحکومت دہلی	جلد 1	ص 438
-4	ایضاً	جلد 1	ص 743
-5	ایضاً	جلد 1	ص 742
-6	اخبارات و رسائل		ص 133

الف - غزل

-1	خم خانۂ جاوید	جلد 3	ص 11
-2	ایضاً	جلد 4	ص 234
-3	خم خانۂ جاوید	جلد 2	ص 131 تا 132
-4	ایضاً	جلد 4	ص 447
-5	ایضاً	جلد 2	ص 140 تا 141
-6	گلستان سخن	جلد 1	ص 354

-7	خم خانۂ جاوید	جلد2	ص 23
-8	ایضاً	جلد3	ص 278
-9	خاندان لوہارو		ص 136
-10	گلستان سخن	جلد2	ص 456تا457
-11	خم خانۂ جاوید	جلد3	ص 378
-12	تاریخ ادب (سکسینہ) حصہ نثر		ص 309
-13	گلشن بے خار		ص 116
-14	خم خانۂ جاوید	جلد5	ص 158
-15	گلشن بے خار		ص 113
-16	خم خانۂ جاوید	جلد5	ص 74
-17	ایضاً	جلد 2	ص 39
-18	آب حیات		حاشیہ ص 463
-19	کلیات عیش		ص 59
-20	خم خانۂ جاوید	جلد4	ص 27
-21	ہندو شعرا		ص 69
-22	خم خانۂ جاوید	جلد4	ص 87
-23	ایضاً	جلد5	ص 7

ب - پہیلی

-1	فرہنگ آصفیہ	جلد1	دیباچہ ص 60 تا 64
-2	پہیلی نامہ		ص 3
-3	ایضاً		ص 8
-4	فرہنگ آصفیہ		دیباچہ ص 61
-5	پہیلی نامہ		ص 2

ج - تاریخ گوئی

-1	گلستان سخن	جلد 1	ص 448

د - تذکرے

-1	سرورق چمن انداز		طبع دوم
-2	گلشن ناز		ص 54
-3	خم خانۂ جاوید	جلد 1	ص 599
-4	اردو شعرا کے تذکرے		ص 528 تا 534
-5	ایضاً		ص 524
-6	ایضاً		ص 522
-7	فرہنگ آصفیہ	جلد 1	ص 2
-8	اردو شعرا کے تذکرے		ص 559 تا 561
-9	رسالہ تذکرات		ص 37
-10	مراۃ خیالی		طبع دوم ص 78 تا 79
-11	اردو شعرا کے تذکرے		ص 561
-12	خم خانۂ جاوید	جلد 2	تقاریظ ص 25 تا 26
-13	ایضاً	جلد 2	تقاریظ ص 24
-14	ایضاً	جلد 2	تقاریظ ص 36
-15	ایضاً	جلد 3	تقاریظ ص 12
-16	ایضاً	جلد 2	تقاریظ ص 3
-17	اخبارات و رسائل		ص 127

ہ - تواریخ

-1	ذکاء اللہ		ص 212 تا 222

و - سوانحات

1-	قاموس الکتب	جلد 2	ص 269
2-	ایضاً	ایضاً	ص 208
3-	ایضاً	ایضاً	ص 313
4-	ایضاً	ایضاً	ص 97
5-	ایضاً	ایضاً	ص 210
6-	وفیات مشاہیر اردو		ص 479
7-	قاموس الکتب	جلد 2	ص 165
8-	فہرست کتب خانۂ آصفیہ	جلد 3	ص 384
9-	قاموس الکتب	جلد 2	ص 168
10-	ایضاً	جلد 2	ص 181
11-	ایضاً	جلد 2	ص 160
12-	ایضاً		ص 696

ز - ڈراما

1-	ادبیات مسلمانان	جلد 4	ص 414 تا 415
2-	ناٹک ساگر		ص 369
3-	ادبیات مسلمانان	جلد 4	ص 415
4-	اردو اسٹیج ڈراما		ص 113
5-	تاریخ ادب اردو	حصہ نثر	ص 151
6-	کتابیات تراجم	حصہ 2	ص 102
7-	بمبئی میں اردو		ص 379
6-	ناٹک ساگر		ص 371
9-	ایضاً		ص 392

-10	اردو اسٹیج ڈراما		ص 170
-11	خم خانۂ جاوید	جلد4	ص 134

ح - حکایات ولطائف اور ط - داستان

-1	نیرنگ خیال	دیباچہ	ص 11تا15
-2	اردو داستان		ص 255
-3	نثری داستانیں		ص 812
-4	ایضاً		ص 815
-5	احوال غالب		ص 287
-6	نثری داستانیں		ص 815
-7	اردو داستان		ص 257
-8	نثری داستان		ص 814
-9	اردو داستان		ص 257 تا 258
-10	ایضاً		ص 281تا284
-11	خم خانۂ جاوید	جلد5	ص 587
-12	مراۃ الاشباہ		ص 65
-13	نثری داستان		ص 604 تا 605
-14	اردو داستان		ص 282
-15	خم خانۂ جاوید	جلد5	ص 481 تا 482
-16	اردو داستان		ص 549
-17	نثری داستان		ص 879
-18	خم خانۂ جاوید	جلد4	ص 463
-19	نثری داستان		ص 880

ص - مضامین

1-	نیرنگ خیال		ص 13 تا 10

ف - تراجم

1-	واقعات دار الحکومت دہلی	جلد 2	ص 269
2-	کتابیات تراجم	جلد 1	ص 277
3-	واقعات دار الحکومت دہلی	جلد 2	ص 268 تا 269
4-	کتابیات تراجم	جلد 1	ص 694
5-	ایضاً	جلد 1	ص 386
6-	نمونہ منثورات		ص 173
7-	کتابیات تراجم	جلد 1	ص 63
8-	ایضاً	جلد 1	ص 58
9-	ایضاً	جلد 1	ص 55

ق - خطوط و انشا

1، 2	یادگار غالب		ص 176
3-	ایضاً		ص 178
4-	غالب بلیوگرافی		ص 170 تا 186
5-	ایضاً		ص 210 تا 241 وغیرہ
6-	قاموس الکتب	جلد 3	ص 568

ل - متفرقات

1-	نمونہ منثورات		ص 158
2-	ایضاً		ص 163 تا 164
3-	بزم آخر		ص 4
4-	ایضاً		ص 36 تا 37

5- قاموس الکتب جلد2 ص 246

6- سائنسی ادب ص 62

7- ایضاً ص 26

8- رسوم دہلی ص 37

9- ایضاً ص 33

10 ، 11 ایضاً ص 9 تا 11

م - لُغات

1- خم خانۂ جاوید جلد3 تقاریظ ص 45

2- فرہنگ آصفیہ جلد1 ص 4

3- خم خانۂ جاوید جلد4 ص 308

ن - تدوین

1- آبِ حیات ص 420

2- مکتوبات آزاد ص 80 تا 81

3- دیوان ذوق ص 104

4- ایضاً ص 27

5- ایضاً ص 28

6- گلشن بے خار طبع دوم

7- دیوان ذوق ص 103 تا 104

ص 113 تا 114

ص 164 وغیرہ

8- ایضاً ص 1 تا 2

9- ایضاً ص 1

10-	رسالہ قواعد صرف ونحو اردو	ص 75 تا 173
	در دیوان ذوق	ص 111 تا 112
11-	دیوان ذوق حاشیہ	ص 174

2- کشمیر

کشمیر	105
الف - شاعری	107
1- بےغرض- پنڈت نندلال در	107
2- گوہر- موتی لال	108
3- طالب- پنڈت نندلال	108
ب - تاریخ وتذکرہ	109
1- تواریخ گل دستۂ کشمیر	109
2- تواریخ کشمیر	109
3- تاریخِ سلاطین کشمیر	109
4- مکمل تاریخ کشمیر	110
5- تذکرہ چمنستانِ کشمیر	110
ج - سوانحات	111
د - ڈراما	115
حواشی	119

کشمیر

اہل کشمیر کی مادری زبان تو کشمیری ہے لیکن وہ لوگ جب ہندوستان کے شہروں میں آتے ہیں تو معمولاً اردو بولتے ہوئے ہی آتے ہیں۔ بعض کشمیری گھرانے جو دہلی اور لکھنؤ وغیرہ مقاموں پر بس گئے ہیں، انھوں نے شعر وسخن اور تصنیف وتالیف کے میدان میں نام کمایا ہے۔ اس سے ان کی ذہانت اور لیاقت کا ثبوت ملتا ہے۔ بعض اہلِ کشمیر اپنے وطن میں رہ کر اردو اور فارسی میں نہ صرف شعر کہتے ہیں بلکہ اچھی نثر بھی لکھتے ہیں۔

الف - شاعری

کشمیر میں اردو شعر وسخن کا چرچا تو ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہاں کوئی میر یا غالب پیدا نہیں ہوا ہے وجہ اس کی غالباً یہ ہے کہ اس خطے میں استادی شاگردی کی روایت مستحکم نہیں ہوسکی تھی۔ بعض شاعر تو "بے استاد" بھی ہوئے ہیں۔ ان کی نظم ونثر گویا دریا کی فطری روانی ہے کہ اس میں کہیں پانی شفاف اور کہیں گدلا ہوتا ہے۔ اہل بصیرت اسی صورت حال سے اس کے معیار کا تعین کرتے ہیں۔

1- بے غرض- پنڈت نندلال در

دہلی اور لکھنؤ سے دور ہونے کے سبب ان کا نام اور کلام ان مراکز تک نہیں پہنچ سکا ہے چنانچہ اکثر تذکرے ان کے ذکر سے خالی ہیں۔ خواجہ عبدالرؤف عشرت نے البتہ لکھا ہے :

"بے غرض، پنڈت نندلال در خلف پنڈت ٹیکالال در، متوطن سری نگر کشمیر، قوم برہمن، عمر 39 سال تاریخ ولادت 17- جیٹھ سمبت 1948، تعلیم مڈل پاس، مدرس سری پرتاب مڈل اسکول سری نگر کشمیر، کسی کے شاگرد نہیں ہیں۔"1

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے ۔

اے خالقِ کون ومکاں، اے مالکِ ہر دو جہاں　　اُجڑا ہوا ہے آشیاں، ہے تنگ ہم پر آسماں
گلشن میں ہے بادِ خزاں، بلبل ہوئے ہیں نیم جاں　　کشتی پہ ہے طوفاں رواں، موج بحر بیکراں
ٹوٹا پڑا ہے بادباں

2- گوہر- موتی لال

یہ 1813 میں پیدا ہوئے تھے بدایوں میں وفات پائی تھی۔2 لالا سری رام کی یادداشتوں میں لکھا ہے :

''پنڈت موتی لال صاحب کو خلفِ رشید پنڈت بابورام صاحب کشمیری ثم دہلوی، وارد حال بدایوں، آپ کی اکثر غزلیں منشی رام سہائے صاحب مرحوم کی زندگی میں طبع ہوئیں اور اس مجموعہ کا نام ''سلک گوہر'' رکھا گیا تھا۔ 1894 میں ایک مکمل مجموعۂ کلام طبع ہوا۔ 1895 میں بیاسی سال کی عمر میں انتقال ہوا۔'' 3

یہ منشی رام سہائے کون تھے؟ یہ بات معلوم نہیں ہو سکی۔ ان کے چند شعر یہ ہیں ـ

ہرگز شریف کوئی کمینہ نہ ہو سکا　　دستارِ شیخ پنبۂ مینا نہ ہو سکا
دکھاتا ہے بہاریں عشق کیا کیا　　نہ ہو گر یہ، جوانی کا مزا کیا
ہر ایک بات پہ گالی یہ تیری خو کیا ہے　　ذرا سنبھال زباں کو، یہ گفتگو کیا ہے

رباعی

ہیہات گذر گئی جوانی گوہر　　بے لطف ہے اب یہ زندگانی گوہر
اپنا نہ کوئی ہے نہ بیگانہ افسوس　　آخر کو یہ بات ہم نے جانی گوہر

3- طالب- پنڈت نند لال

طالب تخلص، پنڈت نند لال کشمیری ولد پنڈت ٹھاکر کول، آپ کے والد بزرگوار کشمیر کے روٴسائے جلیل القدر اور زمینداروں کے طبقہ کے معزز فرد ہیں جو سنسکرت زبان کے ماہر اور عالم ہیں۔4 طالب 1899 میں بہ مقام سری نگر پیدا ہوئے۔ اس وقت گورنمنٹ کالج میں فارسی و اردو کے پروفیسر ہیں۔ آپ کا کلام رشحات التخیل کے نام نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوا ہے۔

ہے پیٹ پالنا تو نکالو کوئی مشین　　اب شعروشاعری کا زمانہ نہیں رہا
اصلاح اچھے اچھوں کو مل جاتی ہے یہاں　　بزمِ مشاعرہ بھی دبستاں سے کم نہیں

ب - تاریخ و تذکرہ

کشمیر کی تاریخیں کئی لکھی گئی تھیں لیکن دشواری یہ تھی کہ اس زمانے میں اس خطہ میں چھاپے خانے نہ ہونے کے برابر تھے چنانچہ بیشتر کتابیں پنجاب میں چھپی تھیں، کچھ حیدرآباد دکن وغیرہ معروف علمی مراکز پر بھی طبع ہوئیں۔ طوالت کے خوف سے ان میں سے صرف چند کا یہاں مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

1- تواریخ گل دستۂ کشمیر

منشی ہرگوپال کول ایک کشمیری صاحب علم شخص تھے۔ شعر بھی کہتے تھے اور خستہ تخلص کرتے تھے۔1 انھوں نے تین جلدوں میں کشمیر کی مفصل تاریخ لکھی تھی۔ تواریخ گل دستہ کشمیر اس کا نام رکھا۔ فاری آریہ پریس لاہور میں اسے 1883 میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔

2- تواریخ کشمیر

یہ بھی ہرگوپال خستہ کی تالیف ہے اور اسی پریس میں چھپی تھی۔ یہ غالباً اول الذکر کا اختصار ہے۔

3- تاریخ سلاطین کشمیر

یہ ایک قسم کا تذکرہ ہے۔ مولف اس کے شفیع الدین تھے۔ 2 یہ کتاب ہلالی پریس، ساڈھورا ضلع انبالہ میں طبع ہوئی تھی۔

4- مکمل تاریخ کشمیر

یہ تاریخ بھی تین جلدوں میں ہے۔اس کے مصنف محمد دین فوق ہیں۔لاہور میں چھپی تھی۔ یہ کشمیر میں اسلامی حکومت سے پہلے اور اسلامی حکومت کے قیام کے زمانے تک کے حالات اور پھر سکھوں کے وقت تک کی تاریخ ہے۔اس کا سال طباعت غالباً 1913 ہے۔

5- تذکرہ چمنستانِ کشمیر

یہ کشمیر کے شعرائے اردو کا ایک تذکرہ ہے اس کے مصنف پنڈت نرنجن ناتھ مشتاق تھے جو پنڈت بشمبر ناتھ دہلوی کے بیٹے اور اصلاً کشمیر کے رہنے والے تھے۔مشتاق آخر عمر میں الہ آباد میں رہنے لگے تھے۔

ج - سوانحات

اہل کشمیر مزاجاً وطن دوست ہوتے ہیں، اسی لیے ان سے اکثر ایسے عمل ظہور میں آئے تھے جو مغل بادشاہوں کی ناپسندیدگی کا سبب بنے تھے۔ اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ مغلوں میں ان کے بارے میں منفی خیالات عام ہو رہے تھے۔ چنانچہ "فرہنگ آصفیہ" کا اندراج اسی صورت حال کا مظہر ہے۔1 کشمیریوں کے اسی مزاج کا فائدہ یہ ہے کہ انھیں اپنے بزرگوں کے حالات او رواقعات کے مطالعے کا شوق ہے اوران کی چھوٹی بڑی حصۂ دسوانحی کتابیں تصنیف، تالیف اور ترجمہ کی گئی ہیں، چند یہ ہیں :

1- آئینۂ داغ

نواب مرزا خاں داغ دہلوی کی اس سوانح عمری کے مصنف کا تعارف لالاسری رام کے تذکرے میں اس طرح کرایا گیا ہے۔

> "شہرت منشی نثار علی دہلوی، افسر سررشتہ تعلیم ریاست جموں وکشمیر، آپ کے والد منشی حسین علی فرحت شاہ نصیر مرحوم کے تلامذہ میں سے تھے۔ پہلے اپنے والد سے اصلاح لی۔ پھر حکیم مولا بخش قلق کے شاگرد ہوئے.........دیسی ریاستوں کے معاملات میں خامہ فرسائی کا ملکہ تھا۔"2

اوراس کتاب ''آئینہ داغ'' کے بارے میں الطاف فاطمہ نے اس طرح اپنی رائے ظاہر کی ہے :

> ''ریاست جموں وکشمیر کے سررشتہ تعلیم کے سابق ڈائرکٹر محمد نثار علی شہرت نے لکھی۔
> 1905 میں اسلامیہ پریس لاہور نے اسے شائع کیا...... اس میں اپنا ذکر
> غیر ضروری حد تک ہے......داغ کی شخصیت دور دور نہیں ملتی''3

شہرت نے 1920 کے قریب لاہور میں انتقال کیا تھا۔

2- سوانح عمری بابا فرید الدین شکر گنجؒ

شہرت کو سوانح نگاری کا شوق تھا۔ آئینۂ داغ کے بعد انھوں نے حضرت شکر گنج کی یہ سوانح لکھی تھی۔ یہ مطبع 20 ویں صدی لاہور میں 1906 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔4

3- سوانح عمری حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاؒ

محمد نثار علی شہرت چشتی دہلوی نے یہ سوانح 88 صفحوں پر مکمل کی تھی اور یہ انقلاب اسٹیم پریس لاہور میں چھپی تھی۔5

4- قطب الدین بختیار کاکیؒ

یہ بھی نثار علی شہرت چشتی کی تصانیف میں سے ہے۔ یہ کتابچہ 64 صفحوں میں سما گیا ہے۔6 یہ بھی انقلاب اسٹیم پریس لاہور سے ہی چھپا تھا۔ ان 3 رسالوں سے شہرت کی ان بزرگوں کے ساتھ عقیدت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

5- ماتم پہلوانی

سوانحات مختلف فنون کے ماہرین کی لکھی اور پسند کی گئی ہیں۔ منشی محمد دین فوق (ولادت سیالکوٹ 1887، وفات لاہور 1945) ابن مولوی لدھا خان نے کشمیر سے متعلق دو درجن سے زیادہ کتابیں لکھی تھیں، ان میں کئی سوانحات ہیں۔7 بعض غیر مطبوعہ رہ گئی ہیں۔ ان کے علاوہ فوق نے دو درجن سے بھی زیادہ عام سوانحات تصنیف کی تھیں۔

ماتم پہلوانی فوق کی ابتدائی تصانیف میں سے ہے۔ اس میں رستم ہند میاں غلام محمد عُرف غلام پہلوان امرتسری کی سوانح قلمبند کی گئی ہیں۔ اس قسم کی کتابوں کی اہمیت یہ ہے کہ ان سے متعلق فن کے اصول اور ضابطے بھی محفوظ ہو جاتے ہیں۔

فوق کی کتاب ماتم پہلوانی مطبع انوار احمدی لاہور میں 1901 میں 39 صفحوں پر چھپ کر شائع ہوئی تھی۔8 اس کے ناشر بھائی دیا سنگھ تاجرِ کتب، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور تھے۔

6- ملا دو پیازہ یا ابوالظفر فاملا دو پیازہ کے حالاتِ زندگی

یہ بھی منشی محمد دین فوق کی لکھی ہوئی سوانح ہے۔9 پہلی بار یہ 1902 میں چھپی تھی۔ کتاب اپنے دلچسپ مطالب کے سبب مقبول ہوئی اور دوسری مرتبہ حافظ آبادی پریس لاہور سے 1905 میں شائع ہوئی تھی۔

7- ابوالحسن ملا دو پیازہ کی سوانح عمری

مذکورہ کتاب عام طور سے پسند کی گئی اس لیے "شائقین کی تفریح طبع کے لیے بہ اجازت مصنف (یعنی محمد دین فوق) منشی رام اگروال تاجرِ کتب نے فیضِ عام پریس لاہور میں طبع کرایا۔ بار سوم" اس کتاب پر سال طباعت درج نہیں ہے۔

8- سر الواعظین

یہ مولوی رسول شاہ بانی نصرت الاسلام ہائی اسکول کشمیر کی سوانح حیات ہے۔10 اس کے مصنف مولوی عتیق احمد تھے۔ یہ کتاب 72 صفحوں پر 1910 میں رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور میں چھپی تھی۔

د - ڈراما

اردو ڈراما کو خطہ کشمیر سے خصوصی تعلق ہے۔ لالا کنور سین ایم اے چیف جسٹس ہائی کورٹ کشمیر، سابق پرنسپل لا کالج لاہور نے بقول رام بابو سکسینہ نہ صرف ایک بہت عمدہ ڈراما "برہانڈ" کے نام سے لکھا تھا بلکہ ڈراما کے نقاد کی حیثیت سے شہرت بھی پائی تھی۔ 1 نور الٰہی و محمد عمر نے اسی سلسلے میں تحریر کیا ہے کہ :

> "لالا کنور سین..... کا ڈراما برہانڈ کے تمام کیرکٹر اجرام فلکی ہیں۔ یہ ایک ایسی نرالی اور عجیب چیز ہے کہ ادبیات مغرب بھی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔
> آپ کا علم و فضل اور ادبیات ڈراما پر عبور کامل مزید زکات کا محتاج ہے....." 2

لالا صاحب انگریزی میں ایک رسالہ "اردو ڈراما" کے نام سے نکالتے تھے۔ اس میں اچھے ڈراموں پر تنقیدیں بھی شائع ہوتی تھیں۔ ناٹک ساگر میں اس کی ایک مثال اس طرح آئی ہے:

> "لالا کنور سین صاحب ایم اے، بیرسٹر ایٹ لا...... ڈراما میں بھی استادانہ تبحر رکھتے ہیں اپنے انگریزی رسالہ "اردو ڈراما" میں اس ڈراما (اندر سبھا) کے متعلق فرماتے ہیں۔ خواہ سنسکرت ڈراما کے اصول سے دیکھو اور خواہ دور حاضرہ کے مغربی ڈراما کے معیار پر پرکھو، اس ڈراما کا شمار ادنیٰ ترین صف میں ہوگا۔ ایک پری اور انسان کی

محبت کی کہانی...... پری آتشی اور انسان خاکی تخلیق ہے۔ علاوہ بریں کوہ قاف کی
پریوں اور دیوؤں کو اندر کی سبھا میں لا کھڑا کرتا...کیرکٹر نگاری معدوم ہے۔''3

نورالٰہی اور محمد عمر نے یہ اطلاع بھی قلمبند کی ہے کہ :

''پنڈت برج موہن دتاتریہ صاحب دہلوی نے ''راج دلاری'' کے نام سے ایک نہایت دلآویز اور اچھوتا ڈراما لکھا...... ہمیں خوشی اور افسوس ہے کہ وہ ''ہندستانی ڈراما کا اثر مغربی اسٹیج پر'' کے موضوع پر ایک معرکتہ الآرا کتاب کی تصنیف میں مصروف ہیں۔ اور جب تک یہ کتاب شائع نہ ہو جائے وہ کسی طرف توجہ نہیں کرنا چاہتے۔''4

خود نورالٰہی اور محمد عمر نے ڈرامے سے متعلق جو کارنامہ انجام دیا ہے، پنڈت دتاتریہ نے اس کا اعتراف اس طرح کیا ہے :

''ناٹک کو اردو ادب کا ایک اہم جزو قرار دینے میں...... میاں نورالٰہی صاحب اور صاحبزادہ محمد عمر صاحب کا حصہ کسی سے کم نہیں اور اب یہ ''ناٹک ساگر'' تو ناٹک کے لیے ان کی دلچسپی اور شفیقانہ مساعی کا گرانڈیل ثبوت ہے...... اردو ادب میں یہ ایک مہتم بالشان اضافہ ہے۔''5

نورالٰہی ومحمد عمر نے متعدد ڈرامے لکھے تھے صرف چند کا انھوں نے خود اس طرح ذکر کیا ہے :

''ہم بے کمالوں کا اس محفل کمال میں کہاں گذر لیکن محض اس لیے کہ اوروں کو تحریک ہو، ہم نے ڈراما پر قلم اٹھایا۔''6

صاحبزادہ محمد عمر ہائی کورٹ جموں وکشمیر میں مترجم تھے اور جیسا کہ مذکور ہوا انھوں نے ''ناٹک ساگر'' کے علاوہ کئی ڈرامے لکھے تھے۔ ناٹک ساگر پہلی بار دسمبر 1924 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔6

1- بخیل

بظاہر یہ نورالٰہی ومحمد عمر کے ابتدائی ڈراموں میں سے ہے۔ اصل ڈراما فرانسیسی زبان میں تھا۔ 7۔ اور اس کا مصنف مولیئر ہے۔ یہ ایک طربیہ ڈراما ہے۔ نورالٰہی ومحمد عمر نے زبان اردو میں اس کا ترجمہ کر کے 1909 میں چھپوایا تھا اور اسی سال میں اس کو اسٹیج بھی کیا تھا۔

غالباً اسی ڈرامے کا نام ''جانِ ظرافت'' بھی ہے۔ مصنفین (یعنی نورالٰہی ومحمد عمر) نے اس

کے بارے میں لکھا ہے :

''جانِ ظرافت-(مصنف) ینگ مولیئر- یہ آغا جعفر کے ڈراموں سے ماخوذ ہے-
ایک بخیل کے کارنامے جو تفننِ طبع کے لیے قلمبند کیے گئے ہیں- یہ تالیف ہے۔''8

2- روحِ سیاست

یہ نور الٰہی و محمد عمر کے جدید ڈراموں میں سے ہے۔ ان ڈراموں کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ ''یہ ڈرامے ترجمہ'' تالیف اور تصنیف کیے گئے ہیں اور:

''روحِ سیاست میں ابراہام لنکن کی زندگی کے جستہ جستہ واقعات بیان کیے گئے
ہیں۔ یہ اردو میں پہلا اے پی سوڈک ڈراما ہے۔''10

اس کے مصنف کا نام رابرٹ شیروڈ ہے۔ یہ ترجمہ انگریزی کے واسطہ سے کیا گیا ہے۔ ضخامت اس کی 104 صفحہ کی ہے۔

3- قزاق

مولفین کا کہنا ہے کہ یہ ''شلر کے ایک ڈرامہ سے لیا گیا ہے۔''11 انھوں نے اس کو ''ترجمہ وتالیف'' بتایا ہے۔

جرمن ڈراما نویس فریڈرک شلر کے اس ڈرامے کا ترجمہ انگریزی کے واسطے سے کیا گیا ہے۔12 اس ترجمہ کا ماحول اور منظر البتہ ہندستانی ہے۔

4- بگڑے دل

بقول مولفین ''یہ مولیئر کی ایک کومیڈی کا ترجمہ ہے۔'' اصل ڈرامہ فرانسیسی ہے اور اس کا عنوان The Misanthrope ہے۔14

5- ظفر کی موت

مترجمین کے بقول ''یہ مارس میٹر لنک کے ایک ڈرامہ کا ترجمہ ہے۔''15 میٹر لنک بلجیم کا ایک معروف ڈراما نویس ہے۔16 یہ ترجمہ کریمی پریس لاہور سے 1923 میں 47 صفحوں پر چھپا تھا۔ اسی سال میں اس ترجمے کا دوسرا ایڈیشن رام نگر جموں سے بھی چھپ کر شائع ہوا تھا۔

ان ڈراموں کے ذکر کے بعد نور الٰہی و محمد عمر نے یہ لکھا ہے:

"یہ سب کے سب طبع ہو چکے ہیں۔ مندرجہ ذیل ڈرامے تیار ہیں۔ اشاعت کا سوال تمثیل ہونے کے بعد۔طے ہوگا :

6- سپوت-مغربی ومشرقی تہذیب کا تصادم- طبع زاد
7- تین ٹوپیاں-محض ہنسنے ہنسانے کی چیز ہے-تالیف
8- آ بیل مجھے مار-یہ بھی فارسی ہے- طبع زاد

ڈرامے کے میدان میں ایک اور بہت بڑا نام آغا حشر کا ہے۔نورالٰہی ومحمد عمر نے ان کے بارے میں لکھا ہے :

"وطن مالوف کشمیر ہے اور اس کو اپنے نام کا طغرائے امتیاز بناتے ہیں۔عرصہ سے ان کا خاندان بنارس میں مقیم اور تجارت شال شغل ہے۔ آپ کی ولادت امرتسر میں ہوئی جو اہل خطۂ کشمیر کا بہت بڑا مرکز ہے۔طبع خداداد کسی تربیت کی محنت کش نہیں۔ جولانی طبع کا یہ عالم ہے کہ جس مضمون پر قلم اٹھاتے ہیں سحر کا سکہ بٹھا دیتے ہیں۔" 18

اور :

"گو اس وقت حشر ڈراما اور اس کے متعلقات سے چنداں دلچسپی نہیں لیتے، خداوندانِ اسٹیج انھیں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ ان کے ڈرامے باوجود اپنی پژمردگی کے اب تک اسٹیج کے گلے کا ہار ہیں....اس دنیا کا خیال ہے کہ کسی ڈراما کی کامیابی کا مدار حشر کے تتبع پر ہے۔" 19

حشر کاشمیری کا اصل نام آغا محمد شاہ بن آغا محمد غنی شاہ تھا۔ ولادت اپریل 1879 میں اور وفات اپریل 1935 میں ہوئی تھی۔شروع میں شعر کہتے تھے اور حشر تخلص اختیار کیا۔20 پھر ڈراما نویسی نے ان کو حیاتِ جاوید عطا کر دی۔انھوں نے دو درجن سے زیادہ ڈرامے لکھے تھے۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ مختلف النوع موانعات اور دشواریوں کے باوجود، برصغیر ہند وپاک و بنگلہ دیش میں اردو ڈراما کی ترویج وترقی کے باب میں اہل کشمیر سب سے پیش پیش رہے ہیں۔ انھوں نے یہی نہیں کیا کہ ڈرامے لکھے اور اسٹیج کیے، انھوں نے ڈراموں کے تحقیقی اور تجزیاتی مطالعے بھی کیے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہی مطالعوں کے فیض سے ڈراما نویسی کا نہ صرف معیار بلند ہوا ہے بلکہ اس صنف کو علمی اور ادبی حیثیت اور وقار بھی حاصل ہوا ہے۔ ○○○

حواشی

الف - شاعر)

1-	ہندوشعرا		ص 35تا36
2-	وفیات مشاہیراردو		ص 516
3-	خم خانۂ جاوید	جلد6	ص 127

ب - تاریخ وتذکرہ

1،2،3-	قاموس الکتب	جلد2	ص 488تا489

ج - سوانحات

1-	فرہنگ آصفیہ	جلد3	ص 528
2-	خم خانۂ جاوید	جلد5	ص 202تا203
3-	تاریخ ادبیات مسلمانان	جلد4	ص 454تا255
4-	قاموس الکتب	جلد2	ص 222
5-	ایضاً	جلد2	ص 232
6-	ایضاً	جلد2	ص 209

-7	نقوش-لاہور نمبر	حصہ 2	ص 997 تا 1003
-8	قاموس الکتب	جلد 2	ص 357
-9	مقالات شیرانی	جلد 9	ص 281 تا 282
-10	قاموس الکتب	جلد 2	ص 112

و - ڈراما

-1	تاریخ ادب اردو حصہ نثر		ص 153 تا 154
-2	ناٹک ساگر		ص 389
-3	ایضاً		ص 372 تا 373
-4	ایضاً		ص 388
-5	ایضاً -مقدمہ		ص 8
-6	ناٹک ساگر		ص 391
-7	کتابیات تراجم	حصہ 2	ص 78
-9،8	ناٹک ساگر		ص 391
-10	کتابیات تراجم	حصہ 2	ص 88
-11	ناٹک ساگر		ص 391
-12	کتابیات تراجم		ص 95
-13	ناٹک ساگر		ص 391
-14	کتابیات تراجم		ص 78
-15	ناٹک ساگر		ص 391
-16	کتابیات تراجم	حصہ 2	ص 93
-17	ناٹک ساگر		ص 391 تا 392
-18	ایضاً		ص 368
-19	ایضاً		ص 386

3- صوبہ سرحد

		صوبہ سرحد	125
		الف - شاعری	127
1-	ساطع-	مظفر بیگ	127
2-	جہانگیر-	کیسرا سنگھ	128
3-	ناز-	لالا نانک چند	128
4-	شاطر-	منشی بیلی رام	129
5-	بسمل-	منشی لعل چند	129
6-	فارغ-	محمد سعید	130
7-	ناصر-	سید ناصر نواب	130
		ب - جغرافیہ و تواریخ	131
1-	جغرافیہ ضلع پشاور		131
2-	تاریخِ چترال		131
		ج - اخبار و رسائل	133
1-	اخبار طبابت		133
2-	رسالہ انجمن پشاور		133
3-	پیامِ حق		133

-4	حمایت الاسلام	134
-5	تحفۂ سرحد	134
-6	اخبار الاخلاق	134
-7	فرانٹیر ایڈووکیٹ	134
-8	افغان	134
-9	یار شاطر	135
-10	ایڈورڈ گزٹ	135
-11	پشاور ڈیلی نیوز	135
	حواشی	137

صوبہ سرحد

صوبہ سرحد کے باشندوں کی اصل زبان تو اردو نہیں تھی لیکن ان حوصلہ مندوں کی اس زبان کے ساتھ دلچسپی قابلِ توجہ تھی۔ یہ لوگ اپنے کاروبار وغیرہ کے سلسلے میں ہندوستان میں دور دراز علاقوں تک آتے تھے اور زبانِ اردو میں کامیابی کے ساتھ ہر قسم کے لین دین کرتے تھے۔ خود اپنے وطن میں یہ لوگ شوق سے اردو کے اخبار پڑھتے تھے۔ بہادر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے آخر زمانے میں شہر پشاور سے کم سے کم دو اخبار نکل رہے تھے۔ اُس وقت اس شہر میں ''مطبع مرتضائی'' کے نام سے ایک پریس بھی موجود تھا۔ ہفتہ وار'' اخبار مطبع مرتضائی '' اسی مطبع میں چھپتا تھا۔ حاجی علی کرم شیرازی اس کے مالک اور ایڈیٹر تھے۔ زبان اردو پر حاجی علی کرم شیرازی کی اس حد تک گرفت بھی توجہ طلب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں یہ زبان صوبہ سرحد اور افغانستان کی حدوں سے نکل کر ایران تک پہنچ رہی تھی۔

بات صرف زبان کی نہیں تھی۔ قومی ہمدردی کی بھی تھی۔ اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ 1857 میں صوبہ سرحد کے باشندوں کو بھی اپنی قومی محبت کی سزا بھگتنی پڑی تھی۔ بتایا گیا ہے کہ :

> ''پنجاب کے اخبارات پر بہ آسانی سنسر نافذ کر دیا گیا اور پشاور میں 'مرتضائی' کے ایڈیٹر کو باغیانہ مضامین لکھنے کے جرم میں قید کر کے اخبار اس کا بند کر دیا گیا۔''

الف - شاعری

صوبہ سرحد کے باشندے مسلمان اور ہندو دونوں زبان اردو میں اپنی صلاحیت کے مطابق شوق سے شعر کہتے تھے۔ بعض نے استادی کا درجہ بھی حاصل کرلیا تھا۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کو اطراف ملک میں آنے جانے کے مواقع مل گئے تھے اور بعض کا نام اور کلام دہلی اور لکھنؤ ہی نہیں، جنوب میں بمبئی تک بھی پہنچ گیا تھا۔

1- ساطع- مظفر بیگ

''ساطع تخلص، مرزا مظفر بیگ ٹھیکے دار و سوداگر ضلع ایبٹ آباد، ہزارہ، خلف مرزا متو ربیگ آپ کے آباواجداد امیر دوست محمد خاں کے ہمراہ افغانستان سے ہندوستان میں آئے۔ کشمیر، راولپنڈی میں رہنے کے بعد ایبٹ آباد میں قیام کیا۔ ساطع انگریزی، فارسی بقدر ضرورت جانتے ہیں۔ شعر گوئی کا شوق ہے خواجہ عشرت لکھنوی کے شاگرد ہیں۔''[1]

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے ۔

جوانی چاہتی تھی بے حجابی   مگر روکا اُسے پاسِ حیا نے
ابر ہے، معشوق ہے، مے ہے، گل وگلزار ہے   آج تو ساطع کوئی موقع نہیں انکار کا

2- جہانگیر- کیسرا سنگھ

لالا سری رام نے ان کے حالات خاصی تفصیل سے تحریر کیے ہیں۔ان کا اختصار درج ذیل ہے :

''جہانگیر تخلص سردار کیسرا سنگھ، بیٹے سردار بوٹا سنگھ کے، وطن امرتسر، ولادت دسمبر 1871 ابتدائی تعلیم ایبٹ آباد ہزارہ میں ہوئی۔1893 میں رڑکی کالج سے سب انجینئری کی سند حاصل کی۔ میرٹھ، دہلی، مراد آباد، علی گڑھ، رامپور، گورکھپور میں کئی کئی سال رہے۔ سینتیس اڑتیس برس کی عمر ہے۔شعر کہنے کا اچھا سلیقہ ہے۔ بندش چست، تراکیب درست، مذاقِ سخن نفیس، کلام مشاقی کا مظہر، شروع میں محمد حسین آزاد کو چند غزلیں دکھائی تھیں، اسی تعلق سے ذوق سے خاص عقیدت تھی''۔2

بقول شخصے جہانگیر گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوئے تھے۔ان کے کلام کا بھی یہی حال تھا۔ ان کے کچھ شعر یہ ہیں:

کہیں بھولے ہی سے وہ شوخ نشانہ باندھے ۔۔۔ ہم اس امید میں نخچیر بنے پھرتے ہیں
یہ ناز یہ غرور لڑکپن میں تو نہ تھا ۔۔۔ آفت ہے زندگی میں زمانہ شباب کا
ہنس کے فرمایا، جو کی وصل کی خواہش اُن سے ۔۔۔ ہم سے، جو نکلا، اسی بات کا سائل نکلا
چشمِ مشتاق کیا سمجھتی ہے ۔۔۔ آپ جس کو نقاب کہتے ہیں

ایبٹ آباد کے قیام کے زمانے میں جہانگیر اور ان کے گھرانے کے اثر سے وہاں کسی نہ کسی حد تک زبان اردو نے رواج پایا ہوگا۔

3- ناز- لالا نانک چند

خواجہ عبدالروف عشرت کے تذکرے میں ان کا حال اس طرح درج ہے:

''ناز تخلص، لالا نانک چند ولد لالا کرم چند، متوطن ضلع ہزارہ صوبہ سرحد، ولادت 1900، عمر 30 سال، تعلیم انگریزی، فارسی انٹرنس تک، اس وقت اخبار پرتاب کے ایڈیٹر ہیں۔اخبار میں ہر ہفتہ ایک مشاعرہ شائع کرتے ہیں۔کلام زیادہ تر سیاسیات پر ہوتا ہے۔''3

ان کا یہ سالِ ولادت مشتبہ ہے۔ قیاساً اس سے کافی پہلے کا ہوگا۔ پرتاب روزنامہ تھا اور لاہور سے نکلتا تھا۔4 مالک اس کے مہاشے کرشن تھے۔ غالبًا فرقہ وارانہ سیاست کی وجہ سے ایڈیٹر گرفتار ہوئے اور 1919 میں اخبار بند ہوگیا۔5 بعد میں جب یہ جاری ہوا اُس وقت ناز کو اِس کا ایڈیٹر بنادیا گیا ہوگا۔ ناز کے کلام کا نمونہ یہ ہے ۔

محفلِ ہست وبود کو جس نے بنادیا ہوست　　　میں وہ فضائے عشق میں سوزِ شکستِ ساز ہوں
مجھ سے ملی شگفتگی رنگِ گلِ خموش کو　　　غمکدۂ نمود میں کیفِ طرب طراز ہوں
چارہ گروں سے کیا غرض، چارہ گروں سے کام کیا　　　دردِ دلِ حزیں کا میں آپ ہی چارہ ساز ہوں

زبان ان کی مصنوعی ہے۔ مشکل سے کوئی شعر ایسا ہوگا جس میں مرکّب ترکیب کا صَرف نہ کیا گیا ہو۔ عموماً مشکل قوافی نظم کر کے اپنی قوتِ مشقی اور قدرتِ کلام کا اظہار کرتے تھے۔

4- شاطر- منشی بیلی رام

''شاطر تخلص، منشی بیلی رام صاحب امرتسری، سب انسپکٹر آف ورکس پشاور، اردو فارسی، انگریزی میں کافی قابلیت رکھتے تھے۔ علم عروض سے واقف تھے۔ بمبئی کی انجمن ادب نے خطاب ''تاج الشعرا'' عطا کیا تھا۔ 1922 میں انتقال کیا۔ عمر 36 سال''6

خواجہ عبدالرووف عشرت نے یہ نہیں بتایا کہ شاطر کس سلسلے میں بمبئی گئے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ کم عمری کے باوجود اپنے علاقے میں انھیں استادی کا درجہ حاصل ہوگیا تھا۔ ان کی ایک غزل کے دو شعر یہ ہیں ۔

کس قدر سخت عدم کا بھی سفر ہوتا ہے　　　پہلی منزل میں ہر اک خاک بہ سر ہوتا ہے
بے ثباتی جہاں آنکھ میں بھر جاتی ہے　　　طرفِ گورِ غریباں جو گذر ہوتا ہے

5- بسمل- منشی لعل چند

بسمل تخلص، منشی لعل چند، ساکن میوہ منڈی پشاور، شاگرد تاج الشعرا منشی بیلی رام شاطر امرتسری ۔

دل کے آئینہ میں ہوں اپنا جواب　　　طور پر موسیٰ کی حیرانی ہوں میں
زیرِ فرماں ہیں مرے جن وبشر　　　پرتوِ نقشِ سلیمانی ہوں میں''7

بسمل کے کلام میں فارسی کا اثر غالب معلوم ہوتا ہے۔ ان کو بیلی رام شاطر کا ''جانشین''، تسلیم کیا گیا تھا اور ان کے علاقے میں ان کے کئی شاگرد تھے مثلاً: منشی پرسوتم دیو کپور تاباں تخلص ساکن پشاور،8 اور منشی جگیندر ناتھ نیر مولد نوشہرہ ضلع پشاور9 وغیرہ ۔

6- فارغ- محمد سعید

فارغ تخلص، محمد سعید نام، حافظ مرزا عبدالحکیم کے بیٹے، مولد و مسکن پشاور، اصلاحِ سخن کے لیے ابتدا میں احمد علی سائیں اور بعد میں غریب سہارنپوری کی طرف رجوع کیا۔

سائیں اور غریب کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ فارغ کے کلام میں پختگی ہے اور اُن کو زبان پر بھی قدرت حاصل ہے۔ ان کے دو شعر یہ ہیں ۔

روز افزوں ہے سوز و حدتِ دل　　پھونک دے گی مجھے حرارتِ دل
سنبھلنا، دیکھنا موقع محل، پھر گفتگو کرنا　　سمجھ کر نامہ بر اظہار حرفِ آرزو کرنا

7- ناصر- سید ناصر نواب

ناصر تخلص، سید ناصر نواب دہلوی خلف خواجہ محمد ناصر۔ امیر نواسۂ خواجہ میر درد کے شاگرد تھے، عرصہ سے دہلی کی سکونت ترک کر دی ہے۔ پہلے کئی سال نواحِ پشاور میں رہے۔ اب قادیان میں اپنے داماد غلام احمد قادیانی کے پاس رہتے ہیں ۔

ہے دل میں اُن کے غیر کی صورت بسی ہوئی　　دل میں بھی اب تو اُن کو بٹھایا نہ جائے گا
قابو میں دل ہے اور نہ زباں اختیار میں　　افسانہ ہے دراز ، سنایا نہ جائے گا

ان کے کلام میں بھی استادانہ رنگ پایا جاتا ہے۔

19 ویں صدی عیسوی کے اواخر میں معلوم ہوتا ہے کہ پشاور وغیرہ مقامات پر اردو کا خاصا رواج ہو گیا تھا۔ اس زمانہ میں خلیل افغانی وغیرہ اساتذہ سخن موجود تھے جن سے کتنے ہی نو مشق کسبِ فیض کر رہے تھے۔

ب - جغرافیہ وتواریخ

19ویں عیسوی صدی کے نصف آخر میں صوبۂ سرحد کے علاقوں سے متعلق جغرافیہ اور تواریخ کے لکھے جانے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ یہاں صرف ایک دو کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1- جغرافیہ ضلع پشاور

پنجاب یونیورسٹی لاہور نے یہ کتاب لکھوا کر 1892 میں مفید عام پریس لاہور میں چھپوائی تھی۔ یہ چونکہ نصابی اور درسی ضرورت سے لکھی گئی تھی، صرف 60 صفحوں پر مشتمل تھی۔ مصنف کا نام وغیرہ بھی درج نہیں ہے۔

2- تاریخ چترال

چترال صوبۂ سرحد کا ایک حسین و جمیل علاقہ ہے۔ شہر کے وسط سے دریائے چترال بہتا ہے۔ منشی محمد عزیز الدین عزیز نے ریاست چترال کی چار سو سال کی تاریخ لکھی ہے اور اس کا نام "تاریخ چترال" رکھا ہے۔ 211 صفحوں کی یہ کتاب 1897 میں مفیدِ عام پریس آگرہ میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ عزیز الدین عزیز جیسا کہ نام سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے شاعر بھی تھے لیکن ان کا متداول تذکروں میں نام اور کلام درج نہیں ہے۔ صوبۂ سرحد کی بعض دوسری ریاستوں سے متعلق بھی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن ان کے بارے میں تفصیلات فی الوقت دستیاب نہیں ہو سکیں۔

ج - اخبار و رسائل

1857 کی دارو گیر کے بعد جب صوبۂ سرحد میں سکون کی صورت ہوئی تو وہاں کے اہل ہمت نے پورے حوصلے کے ساتھ اپنے کاروبار شروع کیے۔ مختلف مقامات سے اخبار اور رسالے نکلنے شروع ہوئے اور ضرورت کے مطابق مطبعے بھی قائم کیے گئے۔

1- اخبار طبابت

انگریزوں کے پوری طرح تسلط کے بعد صوبۂ سرحد سے نکلنے والا شائد پہلا رسالہ یہی ہے۔1 اس کا سال اجرا 1859 یا غالباً 1861 ہے۔ اس ماہوار رسالے کے مشمولات کا اندازہ اس کے نام سے کیا جا سکتا ہے۔ اس میں بعض علمی مضامین بھی ہوتے تھے۔ یہ شہر پشاور سے شائع ہوتا تھا۔ ایڈیٹر کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

2- رسالہ انجمن پشاور

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ انجمن پشاور کا ترجمان تھا۔ اس کے ایڈیٹر منشی حسین بخش تھے اور یہ پشاور سے 1882 میں نکلنا شروع ہوا تھا۔ یہ مطبع یوسفی پشاور میں چھپتا تھا۔3

3- پیام حق

یہ دینی اور تعلیمی ماہوار رسالہ ہے جو پشاور سے 1888 میں نکلنا شروع ہوا تھا۔4 مولوی نصیر احمد اس کے ایڈیٹر تھے۔

4- حمایت الاسلام

انجمن حمایت الاسلام کی شاخ پشاور نے یہ تعلیمی اور تبلیغی رسالہ پشاور سے نکالنے کا فیصلہ کیا تھا۔5 1892ء میں اس کا صرف ایک شمارہ نکل سکا جو لاہور میں چھپوایا گیا تھا۔

5- تحفۂ سرحد

یہ ہفتہ وار اخبار تحفۂ سرحد 1900 میں شہر بنوں سے نکلنا شروع ہوا تھا۔6 مالک اس کے ڈاکٹر ٹی ایل پینل تھے اور مرزا علی شاہ ناصر اس کے ایڈیٹر تھے۔

1905 میں پیارے لال شاگرد ایڈیٹر اور چرچ مشن پریس بنوں کے پرنٹر رہے۔ یہ اخبار چرچ مشنری سوسائٹی کا ترجمان تھا۔ اس کے سال اجرا کے بارے میں اختلاف ہے البتہ یہ 1907 میں بند ہو گیا تھا۔

6- اخبار الاخلاق

یہ پشاور سے شائع ہونے والا، اخلاقیات سے متعلق ایک ماہانہ رسالہ تھا۔7 اس کے اجرا کا سال 1903 ہے۔ یہ صرف دو برس تک جاری رہا پھر 1905 میں بند ہو گیا۔ سید عبداللہ شاہ اس کے مدیر تھے۔

7- فرانٹیر ایڈوکیٹ

صوبۂ سرحد کا پورا نام انگریزی میں "نارتھ ویسٹ فرنٹیر پروونس" (N.W.F.P) تھا۔ اسی مناسبت سے پشاور سے نکلنے والے اس ہفتہ وار اخبار کا نام "فرانٹیر ایڈوکیٹ" رکھا گیا تھا۔8 یہ اخبار 1905 میں جاری ہوا تھا۔ اس کے ایڈیٹر امیر چند بسوال تھے۔ بتایا گیا ہے کہ یہ "اردو اور پشتو کا آزاد خیال، انقلابی اور تحریک آزادی کا علمبردار" رسالہ تھا۔ اس میں خصوصیت سے صوبۂ سرحد سے متعلق مسائل اور خبریں شائع ہوتی تھیں۔ بطور مجموعی یہ اخبار کانگریس کی پالیسی کا موید اور حامی تھا۔

8- افغان

سید مہدی علی شاہ نے باوجود یہ کہ وہ سیّد تھے۔ پشاور سے ایک ہفتہ وار اخبار "افغان" 1909 میں جاری کیا۔ بظاہر اس اخبار میں افغانوں سے متعلق معاملات و مسائل اور اُن سے متعلق خبریں وغیرہ خصوصیت سے شائع ہوتی تھیں۔ یہ اخبار سرحد اسٹیم پریس پشاور میں چھپتا تھا۔

سال 1909 کے آخر میں مہدی علی شاہ اخبار ''افغان'' سے الگ ہو گئے اور سید عبداللہ شاہ جو اخبار الاخلاق کے ایڈیٹر رہ چکے تھے اور اب وہ رسالہ بند ہو گیا تھا، اس ہفت روزہ اخبار ''افغان'' کے ایڈیٹر مقرر ہو گئے۔ یہ اخبار 1912 تک نکلتا رہا تھا۔

9- یارشاطر

معلوم ہوتا ہے کہ سید مہدی علی شاہ نے پشاور میں اپنا الگ مطبع قائم کر کے اس کا نام ''افغان پریس'' مقرر کیا تھا۔ 10 ہفتہ وار افغان کو چھوڑ کر دسمبر 1909 میں انھوں نے ایک نیا ماہنامہ ''یارشاطر'' کے نام سے نکالنا شروع کر دیا تھا۔ گمان غالب ہے کہ اس نام کی تہ میں سابقہ کسی ناخوشگوار واقعہ کی طرف اشارہ رہا ہوگا۔

قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ پشاور سے ''یارشاطر'' ہی کے نام سے ایک اور رسالہ بھی نکلا تھا جسے ''مزاحیہ اور تفریحی'' بتایا گیا ہے۔ اس رسالے کے مالک اور ایڈیٹر کا نام حکیم سید محمد عبداللہ احقر لکھا ہے۔ احقر اور مہدی علی شاہ وغیرہ کے بارے میں کوئی اور مفید مطلب بات معلوم نہیں ہو سکی۔

10- ایڈورڈ گزٹ

اس نام سے خیال ہوتا ہے کہ یہ اخبار سرکار انگریزی کی پالیسیوں اور اُس کے احکامات وغیرہ کے ترجمان کی حیثیت سے جاری ہوا ہوگا لیکن تعجب ہے کہ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ''یہ آزاد خیال، حریت پسند اخبار تھا اور جلدی ہی بند ہو گیا تھا۔''11

یہ ہفتہ وار اخبار ایبٹ آباد ضلع ہزارہ سے مئی 1911 میں جاری ہوا تھا۔ اس کے مالک اور ایڈیٹر منشی محمد قلندر خاں تنولی تھے۔

11- پشاور ڈیلی نیوز

پہلی جنگِ عظیم شروع ہوئی تو اُس کی خبریں خاص و عام تک پہنچانے کے لیے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں یہ روزنامہ پشاور سے جاری کیا گیا۔ اس اخبار کا مقصد اور اس کی نوعیت کا کسی قدر اندازہ اس کے نام سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کا اجرا اگست 1914 کے بعد عمل میں آیا تھا اور جنگ عظیم کے اختتام کے فوراً بعد یہ بند کر دیا گیا تھا۔ اس اخبار کے ایڈیٹر وغیرہ کے بارے میں کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی۔ خیال یہ ہے کہ یہ سرکار انگریزی کا اخبار ہوگا۔

اوپر اخبار ورسائل کے سلسلے میں کئی لوگوں کے نام آئے ہیں۔ ان میں بعض کے ناموں کے ساتھ تخلص کی شمولیت اس حقیقت کی غماز ہے کہ وہ شاعر بھی تھے لیکن متداول تذکرے ان کے ذکر سے خالی ہیں۔

باوجودیکہ صوبۂ سرحد سے اس مدت میں نکلنے والے اخبارات اور رسالوں کی تعداد خاصی تھی، یہ بات توجہ طلب ہے کہ اردو صحافت کی تاریخ میں اِس خطے کا ذکر عموماً نہیں کیا گیا ہے۔

ooo

حواشی

-1	کتابیات پاکستان کے اخبارات		ص 199
-2	خم خانۂ جاوید	جلد2	ص 324
-3	ہندستانی پریس		ص 114

الف - شاعری

-1	خم خانۂ جاوید	جلد4	ص 18
-2	ہندو شعرا		ص 133
-3	خم خانۂ جاوید	جلد2	ص 324
-4	ہندو شعرا		ص 133
-5	ایضاً		ص 72
-6	کتابیات پاکستان کے اخبارات		
-7	ہندو شعرا		ص 78
-8	ایضاً		ص 29
-9	ایضاً		ص 133

-10	خم خانہ جاوید	جلد6	ص 134
-11	ایضاً	جلد6	ص 8

ب - جغرافیہ وتواریخ

-1	قاموس الکتب	جلد2	ص 86
-2	ایضاً	جلد2	ص 474

ج - اخبار و رسائل

-1	کتابیات پاکستان کے اخبارات	ص 26
-2	ایضاً	ص 127
-3	ہندستانی پریس	
-4	کتابیات پاکستان کے اخبارات	ص 107
-5	ایضاً	ص 86
-6	ایضاً	ص 24
-7	ایضاً	ص 171
-8	ایضاً	ص 37
-9	ایضاً	ص 36
-10	ایضاً	ص 236
-11	ایضاً	ص 63
-12	ایضاً	ص 73

4-بلوچستان

		بلوچستان	141
		الف - شاعری	143
1-	یوسف-	سردار محمد یوسف	144
2-	نسیم-	لالا فتح چند	145
3-	الماس-	سید غلام علی	146
4-	مسکین-	جیون سنگھ	146
5-	عابد-	سید عابد شاہ	146
		ب - نثر	149
1-	بلوچی نامہ		149
2-	گل بہار		151
3-	تاریخِ بلوچستان		151
4-	سپاس نامہ		151
5-	علم و عمل طب		151
6-	ایک ناول		152
7-	رسالے		152
	حواشی		154

بلوچستان

بلوچستان کے علاقے میں زبان اردو غالباً انگریزوں کے ساتھ ساتھ پہنچی تھی ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے اس سلسلے میں لکھا ہے :

''انگریزوں نے 1890 میں فورٹ سنڈیمن (ضلع کوئٹہ، برٹش بلوچستان) کے نام پر چھاؤنی کی بنیاد رکھی تو ہندوؤں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا.........
فورٹ سنڈیمن کے علاقے میں اردو رائج کرنے میں خاکروبوں کا بھی بڑا حصہ ہے (جو لاہور، سیالکوٹ اور جالندھر کے اضلاع سے لائے گئے تھے)''1

اور :

''ایک بوڑھے رئیس سردار میرک نے بتایا کہ انھوں نے اردو زبان ہندوؤں سے سیکھی۔ اس لیے سیکھی کہ انگریزوں سے بھی اس زبان میں بات ہو سکتی تھی۔
انھوں نے بتایا کہ یہاں انگریزوں کی آمد سے پہلے بھی چند پڑھے لکھے لوگ اردو زبان میں بات چیت کر سکتے تھے۔''2

پہلے حصہ میں یہ مذکور آچکا ہے کہ بلوچستان کے علاقوں میں اردو شاعری کا آغاز بہادر شاہ ثانی المتخلص بہ ظفر بادشاہ دہلی کے زمانے میں ہو چکا تھا اور کم سے کم ایک شاعر جس کا نام ملا محمد حسن

ابن عبدالرحمٰن براہوئی تھا 1847 میں اپنے اردو کلام کو ایک دیوان میں شامل کر چکا تھا۔ اس کے اخلاف میں سے بعض کے متعلق بھی بتایا گیا ہے کہ وہ اردو میں شعر کہتے تھے۔

اس علاقے کی بڑی مشکل یہ تھی کہ ایک مدت تک یہاں چھاپہ خانے جاری نہیں ہوئے تھے۔ بیسویں صدی کے پہلے عشرے تک بھی بلوچستان کی تحریریں لاہور اور دہلی وغیرہ مراکز میں چھپتی تھیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ نظم ونثر کی بیشتر تحریریں غیر مطبوعہ رہ کر بالآخر ضائع ہو جاتی تھیں۔ خدا بھلا کرے ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا کہ انھوں نے بہت سی تحریروں کو جمع کر کے اپنی کتابوں میں شائع کر دیا ہے۔

الف - شاعری

20ویں صدی عیسوی کے ابتدائی برسوں میں ہی بلوچستان میں خاصی تعداد میں ایسے شاعر ملنے لگتے ہیں جو اپنی شاعری کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ انھیں اپنے کارناموں کو خاص و عام کے سامنے پیش کرنے کے مواقع ملیں۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے ان علاقوں میں مشاعروں کے انعقاد سے متعلق مختلف مواقع کا ذکر کیا ہے۔

''ان دنوں (1908 میں کوئٹہ میں) قاضی عبداللہ جان کے ہاں مشاعرہ ہوتا تھا۔''1

1909 سے کوئٹہ میں اردو کو فروغ حاصل ہونا شروع ہوا۔ سخنور، سخنداں اور سخن شناس میدان میں آنے لگے۔ 2 تھیوسافیکل ہال اور گھروں میں مشاعرے منعقد ہونے لگے۔ عوام میں شعر و شاعری کا ذوق بڑھنے لگا۔ شعر پڑھنے اور داد دینے کا سلیقہ آ گیا۔

''غرض بلوچستان میں 1911 کے لگ بھگ ضلع لورالائی میں مشاعروں کا آغاز ہوا۔''3

اقتباسِ بالا میں ان مشاعروں کے بعض فوائد کا بیان ہوا ہے۔ بیشتر مشاعرے طرحی ہوتے تھے ان کے لیے شاعر کو غور و فکر اور مشق کی بھی ضرورت ہوتی تھی۔

یہ بلوچستان کی اردو شاعری کا ابتدائی زمانہ تھا اس وقت کے مشاعروں میں سامنے کی باتیں جن میں ذاتی اور شخصی معاملات بھی شامل ہوتے تھے، عموماً نظم کی جاتی تھیں۔ ایسے میں بسا اوقات مطلع سے مقطع تک کسی خاص معاملہ یا واردات کا بیان ہوتا تھا۔ ان ''غزلہائے نظم طور'' سے گذر کر شاعر کسی واقعہ یا کیفیت یا شئے سے متعلق نظمیں بھی لکھتے تھے اور ان نظموں کے لیے کبھی مسدس، مخمس یا ترجیع بند وغیرہ کی ہیئت اختیار کرتے تھے۔ اس طرح یہاں کی شاعری بعض اعتبار سے مبتدیانہ ہونے کے باوجود پُر لطف، حقیقت آمیز اور مفید ہوتی تھی۔

1- یوسف- سردار محمد یوسف

1-ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے بلوچستان کی '' ادبی انجمنوں اور مشاعروں'' کے سلسلے میں تحریر کیا ہے کہ :

> ''شمالی ہندوستان کے صاحب ذوق حضرات ملازمتوں کے سلسلے میں یہاں آئے۔ انھوں نے یہ بات فراموش نہیں کی کہ ترقی ادب بھی جزو ہے ترقی کا، چنانچہ بزم سخن قائم ہوئی۔ اس سلسلے میں مرحوم سردار محمد یوسف خاں کا نام لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے بلوچستان میں مشاعروں کی بنیاد ڈالی، بزم ادب قائم کی، ایک رسالہ نکالا جس میں شعرا کے اشعار ہوتے تھے۔''4

''یوسف تخلص، سردار محمد یوسف خاں پوپلزئی نام، سردار محمد یار خاں کے بیٹے، پنجاب کے مختلف شہروں میں تعلیم پائی تھی۔4 کہا گیا ہے کہ انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے کی خاص صلاحیت تھی۔ 1890 میں ملازمت شروع کی 1923 میں ریٹائر ہوئے اور دسمبر 1926 میں وفات پائی۔ ان کی ایک طرحی غزل کے کچھ شعر یہ ہیں۔

'' سردار محمد یوسف خاں پوپلزئی یوسف تحصیل دار (ضلع) لورالائی ''

شرارے آہ کے اٹھتے تھے گھر سے لے کے مدفن تک — شہید ناز کی تربت پہ روئیں کیوں نہ دشمن تک
مجھے محبوب حق کی صورتِ زیبا سے سیری ہے — سگِ دنیا مجھے پروا نہیں زر وا تفجن تک

دیگر عاشقانہ

مجھے کیوں روکتا ہے، ایک عالم اُس پہ شیدا ہے　　پڑھا کرتے ہیں کلمہ اس کا مومن سے برہمن تک
خدایا آبرو یوسف کی رکھ لے اِس زمانے میں　　اِسے اب تا کتی بھنگن سے لے کر ہے فرنگن تک

2- نسیم- لالا فتح چند

نسیم تخلص، لالا فتح چند نام، تحصیل لورالائی میں اہلکار اور سردار یوسف خاں پوپلزئی کے رفیق کار تھے۔ وقار انبالوی نے ان کا ذکر اس طرح کیا ہے :

''برٹش بلوچستان میں اردو شاعری کے پہلے علمبردار سردار محمد یوسف خاں پوپلزئی اور لالا فتح چند نسیم تھے۔ قندیلِ خیال انھیں کے دم سے روشن ہوئی اور انھیں کے ہاتھوں بجھ گئی۔'' 5

رسالہ قندیلِ خیال سردار محمد یوسف خاں نے جاری کیا تھا۔ اس کے بارے میں لکھا ہے :

''پون صدی پہلے بلوچستان میں اردو مشاعروں کی ابتدا ہوئی اور پہلا رسالہ قندیل خیال جاری ہوا '' 6

اور :

''اس میں بلوچستان بھر کے مختلف شعرا شامل ہوئے۔ اردو کی طرحی غزلیں جو پیش کی گئیں ان کے اشعار کی تعداد دو سو گیارہ تھی۔''

یہ رسالہ دہلی میں 1916 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ نسیم کے حالات تو معلوم نہیں البتہ ان کا جو کلام دستیاب ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عموماً نظمیں کہتے تھے۔ ایک نظم ''1914 کی یاد میں'' بہ صورت ترجیع بند ہے۔ اس کا پہلا بند یہ ہے ۔

دور میں تیرے رہیں سو آفتیں　　ایک کیا لاکھوں ہی جھیلیں کلفتیں
دور تھا تیرا نہایت ہی کٹھن　　تھا سراپا باعثِ رنج و محن
بنک کتنے فیل تو نے کر دیے　　جیل خانے مالکوں سے بھر دیے
الوداع اے سالِ سابق الوداع

معلوم ہوتا ہے کہ نسیم ہندی اور انگریزی کے بھی الفاظ، اسما اور افعال اپنے کلام میں بے تکلف نظم کرتے تھے۔ شاید یہی طور بلوچستان میں عام رہا ہوگا۔

3- الماس- سید غلام علی

الماس تخلص، سید غلام علی نام، سید اعظم علی شاہ متوفی 1908 کے بیٹے تھے۔ مولد ان کا کوئٹہ اور سالِ پیدائش 1893 ہے۔ 1908 میں سنڈیمن ہائی اسکول کوئٹہ کے طالب علم تھے۔ اسی زمانہ میں انھوں نے ایک غزل کہی تھی جس کا مطلع اور مقطع یہ ہے ۔

مریضِ عشق ہوں اور کمسنی ہے — الٰہی جان پر یہ کیا بنی ہے
کرا اے الماس اب اللہ ہی اللہ — غزل کو چھوڑ، وقتِ جاں کنی ہے

1917 میں انھوں نے ایک نظم کہی تھی جس کا عنوان ہے "پہلی تاریخ"۔ اس میں کچھ شعر فارسی میں اور کچھ اردو میں ہیں۔ شروع کے دو شعر یہ ہیں ۔

اے کہ تاریخ یکم خوش آمدی خوش آمدی — اے کلیدِ گنجِ راحت آمدی خوش آمدی
دہر میں ماہِ رواں کی حکمرانی ہوگئی — ہستیِ ماہِ گذشتہ اب کہانی ہوگئی

4- مسکین- جیون سنگھ

مسکین تخلص، پنڈت جیون سنگھ، صدر قانون گو ژوب۔ ان کے حالات کچھ دستیاب نہیں ہوئے البتہ ان کا ایک مسدس ملتا ہے جس میں آٹھ بند ہیں اور وہ انھوں نے بمقام فورٹ سنڈیمن دربارِ قیصری کے موقع پر دسمبر 1911 میں پڑھا تھا۔ اس کا پہلا بند یہ ہے ۔

اے شاہِ جارج پنجم سلطان فیض گستر — اے صلح جوئے عالم، اے شاہِ عدل پرور
اے خسروِ یگانہ، عزت دہِ سکندر — دایم یہ راج تیرا ہو انڈیا کے اندر
جس میں کہ شیر بکری پیتے ہیں مل کے پانی
رہتے بہم ہیں خرم باعیش و شادمانی

5- عابد- سید عابد شاہ

عابد تخلص، سید عابد شاہ نام، سید کرم بخش کے بیٹے 1888 کے قریب پیدا ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے جو لکھا ہے اس کا ماحصل یہ ہے :

"کوئٹہ شہر کے مغرب میں ایک "کلی کرانی" چشتی موودودی سادات کا مسکن ہے۔ اپنے مسکن کی نسبت سے یہ "سادات کرانی" کہلاتے ہیں۔ عابد بھی انھیں میں سے تھے۔ ان کی تعلیم وتربیت مذہبی ماحول میں ہوئی تھی۔ اور وہ بلوچستان میں مختلف عہدوں پر فائز رہے تھے۔ 1938 میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور 1949 میں وفات پائی۔ عابد بلوچستانی نے اپنا مختصر سا مجموعۂ کلام "گلزار عابد" کے نام سے ذی الحجہ 1333ھ/1915 میں مطبع قاسمی واقع دیوبند میں 48 صفحوں پر چھپوایا تھا۔ اس میں صرف پانچ شعر براہوی کے، تقریباً سوا چار سو فارسی کے اور کوئی پونے تین سو اردو کے ہیں۔

آخری صفحہ پر "التماس" کے تحت لکھا ہے۔

"ناظرین با تمکین، خوشہ چینانِ خرمنِ سخن وقاریانِ خوش الحان کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر اس میں کہیں غلطی پاویں تو اپنے دامنِ لطف واصلاح کے سایہ میں چھپادیں کیونکہ انسان ضعیف البنیان کے ضمیر میں خطا وسہو کا مادّہ کوٹ کوٹ کر ڈالا گیا ہے، اس سے بچنا ناممکن ہے۔

سید عابد شاہ سکنہ موضع کرانی تحصیل وضلع کوئٹہ بلوچستان، حال تحصیلدار کچا وضلع چاغی

مورخہ 16-ستمبر 1915 مطابق 6-ذیقعدہ 1333ھ

نوشتم بہر ایں در یک زمانے کہ ماند بعد از من یک نشانے"7

اس تحریر سے اس زمانے میں بلوچستان میں رائج اردو نثر کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

عابد کو نعت کہنے کا شوق معلوم ہوتا ہے۔ نمونہ یہ ہے ؎

محمدؐ شافع ہے روزِ حشر کا محمدؐ شافع ہے سب عاصیوں کا
محمدؐ شافع ہے روزِ محشر کا محمدؐ ہے دوا ہر درد دل کا
میں عابد ہوں غلامِ ہر چار سرور کا ابوبکرؓ کا عمرؓ کا عثمانؓ کا علیؓ کا

اور :

بتاریخ 5/1اکتوبر 1910 مطابق یکم شوال شریف 1328ھ بروز عیدالفطر بمقام فورٹ سنڈیمن ضلع ژوب، جہاں کہ اہلِ ہنود واسلام سب یکجا ہو کر عید کی خوشی منا رہے تھے کہا گیا۔

جشن عید ہووے مبارک تم سبھی کو دوستاں — عیدِ فطر آیا نشانِ بزم چوں بزمِ جناں
صاحباں لازم ہے تم پر شغل کرنا عید کا — زندگی میں حق نے پھر موقع دکھایا عید کا

(اس نظم میں چار شعر مزید ہیں۔) عابد کی غزلوں میں سے بھی اِس مقام پر چند شعر نقل کیے جاتے ہیں۔

دلِ بیتاب ذرا ٹھہر، نہ کر آہ وفغاں — سن کے گھبرائے نہ وہ حوروش ورشک قمر
جاتو درواز ے پہ ہے کون، وہ گھبرا کر بولے — شکل کو میری سیہ دیکھ کے مثلِ اخگر
بیقراری، انتظاری حد سے گذری اے صنم — خواب وراحت چل بسے بادیدہ گریاں چھوڑ کر
فرقتِ یار خوشی میں مجھے یاد آئے اگر — گیت گاتے ہوئے رک جاؤں کہ گا بھی نہ سکوں

اوپر جو اشعار نقل کیے گئے ہیں ان میں غیر مروّج اور نامانوس الفاظ کا صرف دیکھا جا سکتا ہے۔ بلوچستان کے شاعر عموماً طویل ردیفوں اور سنگلاخ زمینوں میں شعر نہیں کہتے تھے۔ ان کی بعض غزلیں غیر مردّف بھی ہوتی تھیں۔

ب - نثر

ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے بلوچستان میں اردو نثر کے قدیم نمونوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

> ''اس سے قریباً نصف صدی پیشتر (21-جنوری 1889) تقریر کے لبادے میں سپاس نامہ اور خطاب بہ اظہار تشکر و امتنان ملاحظہ فرمایئے جو بلوچ علاقوں میں بروئے کار لائی جانے والی اردو زبان کا اوّلین نمونہ ہے۔ طرز تحریر سادہ ہے۔ جملے کچھ پیچیدہ و ژولیدہ او راُلجھے ہوئے ہیں۔ عربی و فارسی کی گہری چھاپ بھی صاف دکھائی دیتی ہے۔ بلوچستان میں دفتری مراسلات کے لحاظ سے اردو کی وسعت کا سلسلہ خصوصاً 1877 اور اس کے بعد ہوا جب ایجنسی بلوچستان کا قیام عمل میں آیا۔'' 1

1- بلوچی نامہ

بلوچستان سے متعلق یہ پہلی کتاب ہے جو زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہوئی تھی۔ 2 مصنف اس کتاب کے رائے بہادر منشی ہتورام سی آئی ای چیف نیٹو اسسٹنٹ ایجنٹ گورنر جنرل بہادر بلوچستان تھے۔ انھوں نے یہ کتاب 1875 میں مکمل کر کے شائع کی تھی۔ اس کی افادیت

اور مقبولیت کے سبب، دوسری بار یہ 1896 میں مطبع مفید عام لاہور میں منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز لاہور کے اہتمام سے ایک سو ساٹھ صفحوں پر چھپی تھی۔ اس میں چار ابواب (بحر) ہیں، اس طرح :

بحر اول درباب تفصیل و تشریح اسماء حروف

بحر دوم متضمن بہ تفصیل و ترتیب فاعلات- اس میں بلوچی کے ساتھ ساتھ فارسی بھی دی گئی ہے۔

بحر سوم مشعر گفتگو و حالات معمولی و رسمیۂ اہلِ زبان

بحر چہارم در بیانِ لغات

کتاب میں بلوچی کے ساتھ ساتھ اردو ترجمے بھی دیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اپنے شوق سے 1871 میں ایک کتاب ''گل بہار متضمن تواریخ ضلع ہذا و سرحد بلوچستان '' بھی لکھی تھی یعنی بلوچی نامہ اس کی دوسری کتاب ہے۔ اس کے دیباچہ کا خلاصہ اس طرح ہے :

''بلوچی نامہ اظہر من الشمس ہے کہ اسم با مسمیٰ ہے۔ سبب تصنیف و مہارت کا یہ کہ سال 1867 سے آمد و رفت بلوچانِ کوہستانی از قوم مری و بگٹی بہ علاقہ ہذا شروع ہوئی..... مردمانِ مذکور زبان دیسی سے بالکل لاعلم....... سال 1872 سے رزولیوشن گورنمنٹ عالیہ ہند متضمن تاکید تلقین زبان سرحدی بنام حکام اضلاع سرحدات صادر ہوا۔ تب سے حکام سول ضلع ہذا دریافت و حصول ماہیت زبان ہذا کے مشتاق و مجاہد ہوئے....... اول مسٹر بروس صاحب بہادر سابق اسسٹنٹ کمشنر راجن پور نے اس میدان میں قدم اٹھایا لیکن صاحب ممدوح بہ عرصۂ جلدی بہ تقریب تبدیلی تشریف لے گئے۔ بجائے ان کے مسٹر گلیڈسٹون....... بخوبی کامیاب ہو کر ایک کتاب قواعد بلوچی بہ خط انگریزی تصنیف کی۔ ازاں بعد مسٹر جنکسن ..... امتحان میں نہایت تعریف کے ساتھ پاس ہوئے ہیں۔ نیز مسٹر رائے جنسن....... امتحان پاس کیا۔ یہ کمترین بخدمت

ہر چہار صاحبان... انکشافِ اصلیتِ زبانِ ہذا میں شاملِ حال رہا.....اب
حسب الارشاد مسٹر گلیڈ سٹون .... وصاحب سکریٹری گورنمنٹ پنجاب ان
اجزائے مختلفہ کو.....ترتیب دے کر یہ بلوچی نامہ تصنیف کیا۔''

اقتباس بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں بلوچی زبان کی خصوصیات اور قواعد کا بیان اس طرح کیا گیا ہے کہ اس کی مدد سے اس زبان کو آسانی سے سیکھا جا سکتا ہے۔

2- گل بہار

رائے بہادر ہتو رام کا وطن راجن پور سب ڈویژن ضلع ڈیرہ غازی خاں تھا۔ اُس زمانے میں یہ علاقہ بلوچستان میں شامل تھا۔ اس شخص نے 1896 تک بلوچستان میں ملازمت کی تھی اور بلوچوں، بلوچ علاقوں اور براہوئیوں سے متعلق متعدد کتابیں لکھی تھیں۔

3- تاریخ بلوچستان

بلوچستان سے متعلق رائے بہادر ہتو رام کی یہ اہم ترین تصنیف ہے۔ یہ لاہور میں 1907 میں 763 صفحوں پر چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا کہنا ہے کہ :

''اس نے اپنی تاریخ کی بنیاد اخوندزادہ محمد صدیق اور میرزا احمد علی کی ہنوز غیر مطبوعہ فارسی تواریخ پر رکھی ہے اور ان حضرات کے بہت طویل وبسیط اقتباسات دیے ہیں۔''3

4- سپاس نامہ

21/ جنوری 1889 کی ایک تقریب میں کرنل سر رابرٹ سنڈیمن صاحب بہادر نجم الہند کے سی ایس آئی ایجنٹ نواب گورنر جنرل بہادر کشورِ ہند'' کی خدمت میں'' سردار جام عالی خان ابنِ جناب جام صاحب سردار جام میر خاں صاحب بہادر طاب اللہ ثراہ'' ایک سپاس نامہ بہ صورتِ نطق'' پیش کیا تھا۔ 4 اُس زمانے کی مروجہ اردو کا یہ بھی ایک قابلِ توجہ نمونہ ہے۔

5- علم وعمل طب

یہ کتاب لفٹنٹ کرنل بھولا ناتھ انڈین میڈیکل سروس کی تصنیف ہے۔ 5 یہ 1915 میں مفیدِ عام پریس لاہور میں بہ اہتمام رائے بہادر لالا موہن لال چھپی تھی۔ اس زمانے میں کرنل

بھولا ناتھ لورالائی (کوئٹہ ڈویژن) میں مقیم تھے۔ کتاب کا انتساب حکیم اجمل خاں کے نام ہے۔
اس کے دیباچے میں بیان کیا گیا ہے:

''مجھے اس شریف پیشہ اور علم طب کی تحصیل کرتے ہوئے پینتیس سال کا عرصہ گذرتا ہے۔ اس عرصہ میں دنیا کے مختلف ملک دیکھنے میں آئے ہیں....... یہ کتاب ان یونانی طبیبوں کے استفادے کے لیے لکھی گئی ہے جو عموماً انگریزی سے ناواقف اور جدید معلومات سے بے بہرہ ہیں۔''

اس بیان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بلوچستان کے علاقے میں اس زمانے میں بھی ''جدید معلومات'' پہنچنے لگی تھیں۔

6- ایک ناول

ناول جیسا کہ خود اس کلمہ سے ظاہر ہے اردو کے نثری سرمایہ میں رائج ہو۔ نے والی نئی صنف تھی۔ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے بلوچستان میں لکھے جانے والے ایک ناول کا بھی ذکر کیا ہے:

''1915 اور 1920 کے مابین لورالائی ہی میں ایک ناول بنام ''محبت کا دیوتا عُرف برابر کی چوٹ'' جناب جگن ناتھ سیٹھی ایک ہندو نوجوان تاجر نے شائع کرایا جسے لورالائی کے اکثر اہلِ ذوق حضرات نے پڑھا۔ افسوس ہے کہ اب یہ ناول نایاب ہے۔''6

7- رسالے

19 ویں صدی عیسوی کے اختتام کے بعد بلوچستان میں اردو کے رسالے بھی نکلنے لگے تھے۔ لالا سری رام کے تذکرے میں ایک شاعر صحرائی تخلص کے حال میں یہ مذکور ہے:

''صحرائی تخلص، لالا بلدیو سہائے متوطن کوئٹہ بلوچستان، عمر تخمیناً سینتیس سال، کئی رسالوں کے مدیر اعزازی رہ چکے ہیں۔ خود ایک رسالہ نوشیرواں کوئٹہ سے نکالا تھا جو، اب بند ہو گیا۔ نئے طرز کے شعرا میں ان کا شمار ہے۔ کلام میں زور ہے اور توجہ سے کہتے ہیں۔''

بلوچستان اب پاکستان کا حصہ ہے لیکن قابل توجہ حقیقت یہ ہے کہ اس علاقے میں زبان اردو کی ترویج اور اردو نظم ونثر میں تالیف وتصنیف کے کاموں میں مسلمانوں کے دوش بدوش ہندو بھی مصروف رہے ہیں بلکہ بعض معاملات میں وہی پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں اس زبان کے اصل مزاج اور اس کی مقبولیت کا اندازہ کیا جانا چاہیے۔ بعض فتنہ پرور اس زبان کو ایک مخصوص جماعت سے منسوب کر کے نہ صرف اسے مطعون کرتے ہیں بلکہ اسے ملک بدر کرا دینے کے بھی خواہاں ہیں۔ اُن کے لیے ضروری ہے کہ وہ حقائق پر بھی نظر کریں اور ایسی کوئی بات زبان وقلم سے نہ نکالیں جو خود ان کے صاحب علم ہم قوموں کے لیے تکلیف دہ ہو اور اُن کے علمی کارناموں کی نفی کرتی ہو۔

ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے بلوچستان میں زبانِ اردو کے کوائف اور معاملات کا جس خوبی اور دیانت کے ساتھ بیان کیا ہے وہ بہت قابلِ تحسین ہے۔

OOO

حواشی

-1	بلوچستان میں اردو		ص 138
-2	ایضاً		ص 137

الف - شاعری

-1	بلوچستان میں اردو		ص 351
-2	ایضاً		ص 191
-3	قاموس الکتب	جلد2	ص 493
-4	بلوچستان میں اردو		ص 174
-5	ایضاً حاشیہ		ص 181 تا 182
-6	ایضاً		ص 174
-7	اردو کی قدیم دفتری دستاویزات		ص 9
-8	بلوچستان میں اردو		ص 343 تا 344

ب - نثر

-1	اردو کی قدیم دفتری دستاویزات		ص 10

-2	بلوچستان میں اردو		ص 503 تا 505
-3	ایضاً		ص 505 تا 506
-4	ایضاً		ص 506 تا 510
-5	ایضاً		510 تا 511
-6	ایضاً		ص 511
-7	خم خانۂ جاوید	جلد 5	ص 277

5-لاہور

لاہور 163

الف - شاعری 165

1- شہرت- نثار علی 165

2- رفیق- شیخ الٰہی بخش 166

3- راقب- منشی امام الدین 166

4- جوگی- بابو اللہ یار خاں 167

5- شمیم- پنڈت شیونرائن 167

6- آزاد- محمد حسین 168

7- حالی- خواجہ الطاف حسین 169

8- ارشد- مرزا عبدالغنی 170

9- آشوب- ماسٹر پیارے لال 170

ب - عروض 173

1- العروض والقوافی 173

2- رسالہ منتہی العروض 174

ج - تذکرے 175

1- خزینۃ الاصفیا 176

2- آبِ حیات	177
3- تنقید آبِ حیات	178
4- روضۃ الادبا	179
د - سوانحات	181
1- سیرت النبیؐ	181
2- سیرت صدیقؓ	182
3- سوانح عمری حضرت ابوبکر صدیقؓ	182
4- سوانح عمری حضرت عثمانؓ	182
5- سوانح نلسن عرف بہادر مرد میدان	182
6- عبدالقادر جیلانیؒ	182
7- امام غزالی۔ خلاصۃ الغزالی	182
8- ذکرِ خیر المعروف بہ صحیفۂ محبوب	183
9- سوانح عمری حاتم طائی	183
10- ابوریحان البیرونی	183
11- تذکرۂ تیموریہ	183
12- جلال الدین اکبر	184
13- ابوالفضل کی سوانح عمری	184
14- حیاتِ ٹوڈرمل	184
15 تا 17- ملا دو پیازہ۔ راجا بیربل۔ حیات نور جہاں و جہانگیر	185
18 تا 19- سوانح عمری حضرت علیؓ۔ مہاراجا شیواجی مرہٹہ	185
20- ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب	185
21- دُرِ مکتوم یعنی حیات زیب النسا	185
22- شیر پنجاب مہاراجا رنجیت سنگھ	185

-23	دوست محمد خاں	185
-24	مہاتما بدھ	185
-25	مہاتما بدھ کی سوانح عمری	186
-26	سوانح عمری گرونانک دیوجی مہاراج	186
-27	حالات مہاراجا شیواجی مرہٹا	186
-28	شیواجی	186
-29	راجا اشوک کی مفصل سوانح عمری	186
-30	گیری بالڈی	187
-31	مہاراج سری کشن اور اُن کی تعلیمات	187
-32	شاہ کج کلاہ مظفر الدین شاہ قاچار	187
-33	سوانح عمری شاہ ظفر الدین والی ایران	187
-34	تذکرہ سلطان عبدالعزیز والی مراقش	188
-35	ہمارا قیصر	188
-36	اَبراہم لنکن	188
-37	دخانی انجن کے موجد۔ جیمس واٹ کی سرگذشت	188
-38	وقائع بابا نانک	188
-39	وقائع رام چندر	188
-40	وقائع سکندر اعظم	189
-41	حیاتِ پال	189
-42	پابندی شریعت اور شاہجہاں	189
-43	ٹیپو سلطان کی شہادت	189
-44	ظفر نامۂ رنجیت سنگھ المعروف بہ رنجیت نامہ	189
-45	حیاتِ ذوق	190

46- یادگارِ ذوق	190
47- حیاتِ غالب	190
48- روزنامچہ محمدی بیگم	191
49- حیاتِ اشرف النسا	191
افسانوی ادب	193
ہ - ڈراما	195
و - ناول	203
1- ٹرانسوال	203
2- عمر پاشا	203
3- قہرِ دریا	204
4- سیتا	204
ز - افسانہ	205
1- احمد حسین	206
2- تیرتھ رام فیروز پوری	206
3- پیارے لال آشوب	206
ح - داستان	209
1- سیفی	209
2- فصیح	210
ط - پہیلیاں	211
س - خطوط	213
ص - متفرقات	215
1- معلوماتِ شادی	215
2- جغرافیۂ مصر	215

3-	لکنت اور اُس کا علاج	215
4-	کتوں کے ہر قسم کے حالات	216
5-	انتخاب بحرِ حکمت	216
6-	مختصر جغرافیۂ عالم	216
7-	رسالہ انواع حقیقت آراضی ملک پنجاب	216
	ف - اخبارات و رسائل	217
	حواشی	223

لاہور

یہ مذکور آ چکا ہے کہ دہلی کو صوبۂ پنجاب میں شامل کر دیا گیا تھا اور لاہور کو، اس صوبہ کا صدر مقام مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی والوں کو اپنی اکثر ضرورتوں کے لیے لاہور جانا پڑتا تھا۔ شاعروں اور نثر نگاروں کے معاملات بھی کچھ مختلف نہیں تھے۔ سید احمد دہلوی کی فرہنگ آصفیہ کی جلدیں لاہور میں چھپی تھیں اور خم خانۂ جاوید کا سرورق بھی گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں طبع ہوا تھا۔ منشی محمد عمر نور الٰہی مصنف ناٹک ساگر نے خم خانۂ جاوید کی تقریظ میں لکھا ہے :

> ''حسنِ اتفاق دیکھیے کہ گذشتہ چند سالوں میں دو مطول کتابوں کا اردو میں اضافہ ہوتا ہے ایک فرہنگِ آصفیہ اور دوسری خم خانۂ جاوید۔ ان دونوں کے مصنف دہلوی ہیں۔ دونوں کی سرپرستی شہریار دکن فرماتے ہیں۔ دونوں کا بیشتر حصہ لاہور میں لکھا جاتا ہے۔ دونوں کتابیں اہل پنجاب کی مساعی جمیلہ سے طبع ہوتی ہیں۔'' 1

کہنے کی بات اور ہے، ورنہ حقیقت یہی ہے کہ حالات نے دہلی اور لاہور والوں کو عملاً ایک کر دیا تھا۔ بلکہ بعض معاملوں میں دہلی والے اہلِ لاہور کے دست نگر بھی ہو گئے تھے۔

چھوٹے موٹے واقعات اور حادثات ایسے رونما ہوتے رہتے تھے جو 1857 کی تباہیوں کی یادوں کو تازہ کرتے رہتے تھے۔ 1911 میں شہنشاہِ انگلستان کے حکم سے پھر دہلی کو ملک کا پایۂ تخت بنایا گیا اِس سے امید بندھی تھی کہ شاید غم زدگانِ دہلی کی کسی قدر اشک شوئی ہو جائے لیکن اسی زمانے میں پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے لکھا ہے:

> ''1914 میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی۔ اس میں ترکی جرمنی کے ساتھ تھا۔ ہندوستانی مسلمان ترکی سے ہمدردی رکھتے تھے۔ انگریزی حکومت نے اُن کے اکثر سیاسی رہنماؤں کو نظر بند کر دیا۔ پریس ایکٹ کے تحت الہلال، ہمدرد وغیرہ اخباروں کی ضمانتیں ضبط کر لیں...... شبلی کے نام گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا۔''2

اس کے برخلاف دوسری جماعت کے معاملات کے بارے میں نارنگ صاحب کا کہنا ہے کہ :

> ''جنگ عظیم کے دوران انگریزوں نے ہندوستانیوں سے بنائے رکھنے کے لیے کپاس کی درآمد پر محصول بڑھا دیا اور ہندوستانیوں کو درجہ حقوقِ خودمختاری دینے کا اعلان کیا۔ کانگریس نے اس کے پیش نظر عملی احتجاج بند کر دیا اور جنگی کوششوں میں حکومت کی مدد کرنے لگی۔ چکبست جیسے وطن پرست لوگ بھی اس موقع پر برطانیہ کی خوشنودی کا راگ سناتے نظر آتے ہیں۔''

اُس زمانے کی تصانیف کا مطالعہ کرتے وقت اِس پس منظر کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

الف - شاعری

1857 کے ہنگاموں کے بعد دہلی اور اُس کے اطراف سے جو لوگ لاہور آ کر مقیم ہو گئے تھے ان میں سے بعض قابل ذکر شاعر یہ تھے :

1- شہرت- نثار علی

یہ دہلی کے رہنے والے منشی حسین علی فرحت شاگرد شاہ نصیر کے بیٹے تھے۔ نثار علی نام، شہرت تخلص تھا۔ شروع میں اپنے والد سے، پھر حکیم مولا بخش قلق سے اصلاح لی تھی۔ کشمیر، جے پور، میرٹھ اور لاہور وغیرہ مقاموں پر بہ سلسلۂ ملازمت مقیم رہے تھے۔ لاہور میں اخبار انجمن پنجاب اور پنجاب پنچ وغیرہ سے منسلک رہے۔ دیسی ریاستوں کے معاملات سے متعلق مضامین خوب لکھتے تھے۔ لالا سری رام کا کہنا ہے کہ انھوں نے 1920 کے قریب لاہور میں وفات پائی تھی۔[3]

ان کی غزل کے کچھ شعر یہ ہیں۔

رکھ دیا مثلِ تبرک طاق میں کیوں دے بھی دے　　ساقیا کیا جام سے زاہد کا ایماں ہو گیا
یہ ہے لحاظ تیرا مجھے رکوع غیر میں　　آنکھوں کے بل کبھی، میں کبھی سر کے بل گیا
یہ جنت ایک پائیں باغ ہے اس گل کے ایواں کا　　جہنم اک شرارہ ہے ہمارے داغِ سوزاں کا
ہو گئی سُرخی نمایاں دیدۂ مخمور میں　　آتشِ سیال آئی ساغرِ بلور میں

2- رفیق- شیخ الٰہی بخش

شیخ الٰہی بخش نام، رفیق تخلص، خلف سالار بخش متوطن میرٹھ، مقیم لاہور، پنجاب کے نام برآوردہ شاعروں میں تھے۔ پنجاب کے رسالوں میں ان کا کلام چھپتا تھا۔ شروع میں میر مہدی حسن فراغ کو غزلیں دکھاتے تھے، پھر محمد حسین آزاد کے شاگرد ہو گئے۔ بقول سری رام 1841 میں پیدا ہوئے اور 1882 میں انھوں نے رحلت کی۔4 ان کے شاگرد تارا چند تارا نے ان کا دیوان مرتب کر کے چھپوادیا تھا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے ۔

فریفتہ ہیں جو مُرغانِ دل نگہ پہ تری　　گرا دے تیر نگہ سے شکار بیٹھے ہیں
مدتوں رہ چکے آوارۂ صحرائے فنا　　اے وطن چل کے ہم اے اہل وطن دیکھتے ہیں
اٹھی اونچی وہ پھر نیچی نظر آہستہ آہستہ　　جہاں ہونے لگا زیر و زبر آہستہ آہستہ
ہوا ہے مہرباں بیداد گر آہستہ آہستہ　　کیا پیدا محبت نے اثر آہستہ آہستہ

اب ضلع لاہور کے رہنے والے ایک دو شاعروں کا احوال اور ان کا کلام درج کیا جاتا ہے کہ اس سے وہاں کے شعری اور علمی ماحول کا کسی قدر اندازہ کیا جا سکے۔

3- راقب- منشی امام الدین

منشی امام الدین نام، راقب تخلص، شیخ امر بخش کے بیٹے، قصور ضلع لاہور میں اپریل 1873 میں پیدا ہوئے۔5 معمولی تعلیم پائی تھی۔ پھر شاعری اور زبان دانی کے شوق میں دہلی اور آگرے میں جا کر رہے۔ اپنا کلام نسیم بھرت پوری کو دکھاتے تھے۔ پھر داغ کے شاگرد ہوئے۔ غزل کے علاوہ قصیدے بھی کہتے تھے اور اسی تعلق سے مہاراجا فرید کوٹ کے یہاں سے کچھ وظیفہ بھی ان کے لیے مقرر ہو گیا تھا۔

ان کے کچھ شعر یہ ہیں ۔

سامنے بیٹھ کے دل کو جو چُرائے کوئی　　ایسی چوری کا پتا خاک لگائے کوئی
سب بجا، سب سچ، کہ میں بدنام ہوں　　یہ تو فرماؤ ہُوا کن کے لیے
ایک کے دس دس بتانے وہ لگے　　ہائے کیوں بوسے نہ گن گن کے لیے
مرگیا تو مر مٹیں سب حسرتیں　　میزباں بھی لٹ گیا، مہمان بھی

4- جوگی- بابواللہ یار خاں

صوبیدار میجر خان محمد کے بیٹے بابواللہ یار خاں 1887 میں بمقام پونا پیدا ہوئے مگر لاہور میں آکر ہوش سنبھالا۔8 یہیں تعلیم پائی۔ شاعری کا شوق ہوا تو آغا شاعر دہلوی کے شاگرد ہو گئے۔8 آزاد خیال نوجوان تھے چنانچہ گائے کی حفاظت وحمایت کے لیے ایک رسالہ ''گئو ماتا'' کے نام سے نکالا تھا۔ اپنے اسی مزاج کی مناسبت سے انھوں نے جوگی تخلص اختیار کیا تھا۔ ان کی شاعری کا نمونہ یہ ہے۔

ہنسی ہنسی میں نہ برپا فساد ہو کوئی عدو سے کہہ دو زباں کو سنبھال کر بیٹھے
اے فلک دیکھ مری آہ رسا آئی ہے جان پر تیری زمیں سے یہ بلا آئی ہے
کہتے ہیں مجھ اسیر زلف کو وہ کہ یہ جوگی نہیں سپیرا ہے

5- شمیم- پنڈت شیونرائن

شمیم تخلص، رائے بہادر پنڈت شیونرائن رینہ خلف پنڈت اندر نراین رینہ، لاہور میں 1859 میں پیدا ہوئے۔ یہ پنجاب کے پہلے وکیل تھے جن کو ایڈووکیٹ کا رتبہ حاصل ہوا تھا۔ محمد حسین آزاد کے شاگرد تھے۔ یورپ کے کئی ملکوں کی سیر کی تھی۔ شروع میں عشقیہ غزلیں لکھی تھیں۔ پھر اس سے طبیعت ہٹ گئی۔ ان کے چند شعر یہ ہیں ۔

مرنے کا مرے جا کے کسی نے جو کیا ذکر کہنے لگے ہاں آئی ہے ہم کو بھی خبر آج
کتابیں ہوں نیچے، کتابیں ہوں اوپر یہی ان دنوں زندگی کا مزا ہے
زمانے کی رفتار اک رہنما ہے چلو اُس طرف کو جدھر کی ہوا ہے

لاہور میں پنجاب یونیورسٹی کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ ڈاکٹر جی ڈبلو لائٹز گورنمنٹ کالج کے پرنسپل اور یونیورسٹی کے رجسٹرار تھے۔8 انھوں نے 1865 میں انجمن پنجاب قائم کی۔ 2 برس بعد انہی کی تجویز پر مولانا محمد حسین آزاد اس کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ 1868 میں محکمہ تعلیم پنجاب کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے کرنیل ہالرائیڈ آئے۔9 اس منصب پر یہ 1890 تک رہے۔ ان کی سرپرستی میں آزاد اور حالی جیسے باکمال لاہور میں جمع ہو گئے تھے۔ حالی نے ''مجموعہ نظمِ حالی'' کے دیباچے میں لکھا ہے :

''1874 میں جبکہ راقم پنجاب گورنمنٹ ڈپو سے متعلق اور لاہور میں مقیم تھا
مولوی محمد حسین آزاد کی تحریک اور کرنیل بالرائیڈ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب کے
تائید سے انجمن پنجاب نے ایک مشاعرہ قائم کیا جو مہینے میں ایک بار انجمن کے
مکان میں منعقد ہوتا تھا........مقصد یہ تھا کہ ایشیائی شاعری.....کی بنیاد حقائق او
روواقعات پر رکھی جائے۔''

اب انجمن پنجاب کے مشاعروں میں شریک ہونے والے بعض شاعروں کے حالات مختصراً لکھے جاتے ہیں :

6- آزاد- محمد حسین

محمد حسین نام، آزاد تخلص، مولوی محمد باقر کے بیٹے، دہلی میں، 10/جون 18:0 کو پیدا ہوئے۔10۔ شیخ محمد ابراہیم ذوق کے مشہور شاگرد اور دہلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔ مولوی محمد باقر نے حریت پسندوں کا نہ صرف ساتھ دیا تھا بلکہ ان کی قیادت بھی کی تھی جس ی پاداش میں انھیں سزائے موت دی گئی۔ آزاد کی گرفتاری کے بھی احکام جاری ہوئے۔ لیکن وہ دہلی سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ بالآخر 1864 میں لاہور پہنچے۔ وہاں دہلی کالج کے تعلیم یافتہ پنڈت من پھول کی سفارش سے انھیں سررشتہ تعلیم میں معمولی سی ملازمت مل گئی۔ پھر ڈاکٹر لائٹنر کی انھیں سرپرستی حاصل ہوگئی۔

آزاد نے شروع میں درسی کتابیں مرتب کیں۔ دو بار ایران وغیرہ ممالک کے سفر پر گئے چنانچہ سخن دان فارس میں انھوں نے اپنے مشاہدات کا بیان کیا ہے۔ حکومت کی ایما سے 1874 میں انجمن پنجاب نے ایک مشاعرہ کا آغاز کیا جس کے سکریٹری آزاد تھے۔ اس میں بجائے مصرع طرح کے کوئی ''مضمون خاص'' دیا جاتا تھا کہ لوگ اس پر طبع آزمائی کریں۔ اس میں جو اخلاقی اور نصیحت آمیز نظمیں کہی جائیں وہ درسی کتابوں میں شامل کی جائیں۔ ڈاکٹر محمد صادق نے اس مشاعرہ کے بارے میں لکھا ہے :

'' کہا جاتا ہے کہ یہیں سے جدید اردو شاعری کا آغاز ہوتا ہے لیکن ....
درحقیقت یہ تحریک گورنمنٹ کے دفتری قبیلہ کی.......اردو شاعری کے لیے

نئی راہیں تلاش کرنے کی ایک پیش از وقت کوشش تھی اس لیے وہ بارآور نہ
ہوسکی...... یہ بزم مشاعرہ کسی قومی یا ملی رجحان کی مظہر نہ تھی اسی لیے اس سے
کوئی پائدار نتائج ظہور پذیر نہ ہوئے۔"

آزاد نے چھوٹی چھوٹی متعدد نظمیں اور مثنویاں لکھی تھیں۔ اُن کے بیٹے مولوی محمد ابراہیم نے 1899 میں ان کا ایک مجموعہ "نظم آزاد" کے نام سے شائع کردیا تھا۔ اس میں شامل مثنوی شب قدر کو آزاد کا شاہکار بتایا گیا ہے۔ اس میں انھوں نے مختلف لوگوں کے رات کے مشغلوں کو نظم کیا ہے۔ طالب علم، مہاجن، شاعر اور چور وغیرہ کے علاوہ آزاد نے خود اپنی مصروفیت کا بھی بیان کیا ہے۔ یہاں نمونہ کے طور پر طالب علم سے متعلق اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔

طالب علم

ہیں مدرسہ کے طالب علم اپنے حال میں ۔۔۔ کل صبح امتحاں ہے سو اس کے خیال میں
مل مل کے یاد کرتے ہیں آپس میں دور سے ۔۔۔ پڑھتے جدا جدا بھی ہیں کچھ فکر و غور سے
کرلیں جو کچھ کہ کرنا ہے شب درمیان ہے ۔۔۔ کل صبح اپنی جان ہے اور امتحان ہے
جی چھوڑ بیٹھے مرد یہ ہمت سے دور ہے
قسمت تو ہر طرح ہے پہ محنت ضرور ہے

7- حالی- خواجہ الطاف حسین

حالی تخلص، خواجہ الطاف حسین نام، خواجہ ایزد بخش کے بیٹے، پانی پت میں 1837 میں پیدا ہوئے تھے۔ جب اس لائق ہوئے تو نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے ان کو جہانگیر آباد میں اپنے بیٹوں کا اتالیق مقرر کردیا۔ حالی کو اعتراف ہے کہ ان کو شیفتہ کی صحبت سے بہت فائدہ پہنچا۔

حالی سخن میں شیفتہ سے ہوں مستفید ۔۔۔ غالب کا معتقد ہوں مقلد ہوں میر کا

شیفتہ کے انتقال کے بعد حالی لاہور چلے گئے۔ وہاں ان کو کرنیل ہالرائیڈ کی سرپرستی حاصل ہوگئی اور وہ انجمن پنجاب کے مشاعروں میں شریک ہونے لگے۔ ان کے لیے انھوں نے برکھارت، امید، رحم و انصاف اور حب وطن وغیرہ نظمیں لکھیں۔ حالی کی غزلوں میں بھی بہت اچھے اشعار مل جاتے ہیں۔ حالی نے رباعیات، قطعات، قصائد اور مرثیے بھی اچھے لکھے ہیں۔ 1879

میں انھوں نے مسدس مدوجزرِ اسلام لکھی تھی جو مسدس حالی کے نام سے مشہور ہے اسے اردو میں پہلی طویل قومی نظم کہا گیا ہے۔ 11 اس کے علاوہ شکوہ ہند، مناجات بیوہ، چپ کی داد وغیرہ بھی حالی کی کامیاب نظمیں ہیں۔ حالی کی غزل کے چند شعر یہ ہیں ۔

الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا — تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے — دریا کو اپنی موج کو طغیانیوں سے کام
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں — ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں — قیس ہو، کوہکن ہو یا حالی

8- ارشد- مرزا عبدالغنی

مرزا عبدالغنی نام ارشد تخلص، دہلی کے معزز شاہزادوں میں سے تھے۔ دہلی کے قلعہ معلیٰ میں 1850 میں پیدا ہوئے تھے۔ 11 جب اس لائق ہوئے تو مرزا قادر بخش صابر سے فنِ شعر کی تحصیل کی۔ ایک مدت تک لاہور میں مقیم رہے تھے۔ حالی کے ساتھ ان کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ حالی کی مشہور نظم "شکوہ ہند" کی انھوں نے جو تضمین کی تھی، اُسے شہرت حاصل ہوئی تھی۔ وہ لاہور ہی میں "تضمینِ ارشد" کے نام سے چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

بدلے ہوئے حالات میں ارشد گورگانی نے بھی وہ کیا جو اس زمانے کے تقاضوں کے مطابق تھا یعنی ملکہ وکٹوریہ کی سوانح انھوں نے نظم کی تھی۔ اس کی زبان بھی نہایت سلیس، فصیح اور بلیغ تھی۔ ارشد بھی انجمن پنجاب کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ ان کو بھی محکمۂ تعلیم میں ملازمت مل گئی تھی۔ اسی پر ساری عمر بسر کی۔ 21- فروری 1906 کو ملتان میں انھوں نے وفات پائی تھی۔ ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے ۔

بندہ کچھ ان بتوں سے ہٹایا نہ جائے گا — صاحب ہماری جان بھی صدقے ہے دل تو کیا
دل ہم سے خاک میں تو ملایا نہ جائے گا — دل کیا ملائیں، دل میں کدورت ہے آپ کے

9- آشوب- ماسٹر پیارے لال

لالا سری رام نے ان کے جو حالات تحریر کیے ہیں، اُن کا خلاصہ اس طرح ہے :

" قبلہ وکعبہ معظمی دمخری رائے بہادر ماسٹر پیارے لال آشوب راقم تذکرہ

(سری رام) کے غم نامدار ہیں۔ 1838 میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ پرانے دہلی
کالج کے برگزیدہ متعلموں سے ہیں۔ لاہور آ کر سررشتہ تعلیم میں کیوریٹر کے
فرائض پندرہ سولہ برس تک انجام دیتے رہے۔ ان کی بدولت آزاد اور حالی
اپنے ابتدائی زمانے میں بہت کچھ فروغ پا سکے تھے بلکہ سُنا ہے کہ حالی کو نیچرل
شاعری کا شوق ان ہی کی صحبت سے ہوا تھا۔ آشوب کی شاعری کی ابتدا کتب
میں ہوئی تھی لیکن انھوں نے اپنے کلام کو مدوّن نہیں کیا۔"13

کتاب رسوم ہند میں آرتی، بھجن اور کچھ راگ بھی شامل ہیں۔ بظاہر ان میں سے کچھ
آشوب کے تصنیف کردہ ہیں۔ نمونہ ہے :

راگ

بھوگن بھوگن کیا کرے	آ بیٹھا سر کال
کال نہ دیکھا آدتا	دس دن مانگے دے
مانگا وسڑا نہ ملے	آ بیٹھا سر کال 14

ب - عروض

کہا جا چکا ہے کہ '' انجمن پنجاب '' کے فیض سے اردو والوں کے فکر و بیان میں بتدریج انقلاب کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ مولانا الطاف حسین حالی نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ :

''وزن اور قافیہ دونوں شعر کی ماہیت سے خارج ہیں۔'' 1

اور نتیجہ کے طور پر اردو میں ''بلینک ورس'' کے لکھے جانے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ 2 علم عروض، قوافی اور بدیع و بیان وغیرہ کی طرف سے دلچسپی کم سے کم تر ہونے لگی تھی۔ لاہور میں ان علوم سے متعلق کتابیں بہت ہی کم لکھی گئی تھیں۔ جو لکھی گئی تھیں ان میں سے ایک دو کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

1- العروض والقوافی

مصنف اس کتاب کے مولانا اصغر علی روحی (ولادت جنوری 1873 وفات مئی 1954) ساکن ضلع گجرات (پاکستان) و پروفیسر اورینٹل کالج لاہور تھے۔ 3 مولانا فارسی اور عربی میں بھی صاحب دیوان تھے۔ انھوں نے عربی اور فارسی سے بھی چند کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ انہی میں ''العروض والقوافی'' بھی ہے۔ کتاب کے مطالب کا اس کے نام سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کتاب کا سالِ تکمیل معلوم نہیں ہو سکا۔

2- رسالہ فتحی العروض

اس رسالے کے مصنف سید محمود ولد مولانا سید محمد صاحب امام مسجد جامع دہلی ہیں اور یہ رسالہ خصوصاً پنجاب یونیورسٹی کے طالب علموں کی سہولت کے لیے لکھا گیا ہے۔اس کے آخر میں ایک مثنوی ''تحفۃ الشعرا'' کے عنوان سے شامل ہے۔مصنف کا کہنا ہے کہ :

''اول ہر مضمون کو رسالہ نثر میں دیکھیں...... بعد اس کے اسی مضمون کو مثنوی میں دیکھیں۔''

اس نثری رسالہ میں ہر جُز کے بعد جہاں ضروری معلوم ہوا ہے ''مولف کی رائے '' بھی درج کی گئی ہے۔مثنوی کے آخر میں کامل کا کہا ہوا قطعہ تاریخ درج ہے جس کا آخری مصرع یہ ہے:

ع لکھوں تاریخ راز ہائے عروض

1300

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ مولانا الطاف حسین حالی نے اس رسالے کی تقریظ میں یہ اعتراف کیا ہے کہ :

''بظاہر کوئی اردو کا جامع رسالہ خصوصاً پنجاب میں آج تک ایسا شائع نہیں ہوا جو عروض کی تمام ضروریات کو حاوی ہو......ظاہراً اس رسالہ میں عروض کی کوئی ضروری بات فروگذاشت نہیں ہوئی۔''4

ج - تذکرے

پہلی جنگِ آزادی میں اہلِ پنجاب نے بطورِ مجموعی انگریزوں کا ساتھ دیا تھا اور ان کی حُسنِ خدمات کے لیے لاہور شہر کو صوبہ شمال مغربی کے صدر مقام کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ یہ شہر عموماً ہنگاموں اور فسادات سے بھی مامون رہا تھا بلکہ اس نے دہلی کے خانہ بربادوں کو بھی سر چھپانے کی جگہ دے دی تھی۔

شہر لاہور مدت سے کتابوں کی تجارت کے لیے معروف تھا۔ اُنیسویں صدی عیسوی کے ربعِ ثانی میں جب چھاپے خانوں کا رواج ہوا تو اِس تجارت کو بھی ترقی حاصل ہوئی۔ پھر عشرۂ ثالث میں جب یہاں دہلی کے پریشان حال پہنچے تو کچھ عرصے کے بعد تصنیف و تالیف کا چلن بھی زیادہ ہوا۔ نئی حکومت کی سرپرستی میں شعر و سخن کے انداز بھی بدلے۔ بیان کا نیا طور اور فکر کا نیا طرز سامنے آیا۔

لاہور میں پہلے سے شعرا کے تذکروں کے لکھے جانے کی کوئی قابلِ ذکر روایت معلوم نہیں ہوتی۔ اس شہر کے باشندوں کو زیادہ دلچسپی بزرگانِ مذہب کے حالات سے تھی۔ ان میں بہت لوگ شاعر اور ادیب بھی تھے چنانچہ ان کے تذکروں میں ضمناً شعرا کا احوال بھی شامل ہو گیا ہے اسی لیے تاریخِ ادب کے سلسلے میں ان تذکروں کو نظر انداز کر دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔

1- خزینۃ الاصفیا

یہ بزرگان مذہب کا تذکرہ فارسی زبان میں ہے۔اس کے مصنف بھی ایک ممتاز عالم دین تھے چنانچہ ان کے نام سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے جو اس طرح ہے :

''مفتی غلام سرور ابن مفتی غلام محمد خلف مفتی رحیم اللہ قریشی اسدی ہاشمی لاہوری''1

مصنف کو شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ اپنے نام کی مناسبت سے سرور تخلص کرتے تھے۔ تاریخیں کہنے کا ان کو عجیب ملکہ حاصل تھا۔اس تذکرے کا نام بھی تاریخی ہے جس سے سال تصنیف 1280ھ معلوم ہوتا ہے۔اس میں مطالب کو سات باب (مخزن) میں تقسیم کیا گیا ہے،اس طرح:

اول-ذکرِ خاتم المرسلینؐ وخلفائے راشدینؓ وائمہٗ دینؒ

دوم-ذکر مشائخ خاندان قادریہ ، سیوم-ذکر خانوادۂ چشت

چہارم-ذکر پیرانِ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ پنجم-ذکرِ بزرگان سہروردیہ

ششم-خانوادہ ہائے متفرقات

ہفتم مشتمل بر چہار حصص یعنی:

الف-ازواج مطہرات حضرت سرور کائنات صلعم

ب-بنات حضرت شاہ رسالت صلعم

ج-عورات صالحات کہ از اہلِ ولایت وکرامت بودہ اند

د-مجانین ومجاذیب زمانۂ سلف وحال

مصنف نے اپنے تذکرہ میں یہ بھی کہا ہے کہ :

''از شعرائے نامدار ومنشیانِ باوقار امیدوار است کہ......درخاتمہ احوال ہریک بزرگ در مادۂ ولادت یا وفات ایشاں-برسہوی یا خطائی دست یابند بہ دستِ عطا پوشیدہ دست از انگشت نمائی باز دارند بلکہ اگر بتوانند اصلاح فرمایند۔''

یہ تذکرہ دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوا تھا۔ ہمارے پاس جو نسخہ ہے وہ مطبع ثمر ہند لکھنؤ میں ذیقعدہ 1290ھ میں چھپا تھا۔

مفتی غلام سرور نے حدیقۃ الاولیا اور مدینۃ الاولیا کے نام سے دو تذکرے اور بھی لکھے تھے۔

2- آبِ حیات

یہ شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد کی وہ زندۂ جاوید تصنیف ہے جس کے بارے میں پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب نے تحریر کیا ہے کہ :

"آبِ حیات نے اردو کے قدیم شاعروں سے عام دلچسپی پیدا کر کے لوگوں میں ادبی تحقیق کا شوق اور اردو شعر و ادب کی تاریخ لکھنے کا خیال پیدا کر دیا۔" 2

کئی برس کی پریشانی کے بعد جب لاہور میں آزاد کو اطمینان حاصل ہوا تو انھوں نے 1876 میں "آبِ حیات" کے کام کا باقاعدہ آغاز کیا۔ یہ کتاب اسی شہر میں وکٹوریہ پریس میں رجب علی شاہ کے اہتمام سے 1297ھ/1880 میں پہلی بار چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اس اشاعت میں کسی وجہ سے کئی اہم شاعروں کا احوال درج نہیں ہوا تھا، اس لیے اِس کے خلاف سخت تبصرے شائع ہوئے۔

3 برس کے بعد یعنی 1883 میں آزاد نے نظرِ ثانی اور بہت سے اضافوں کے ساتھ آبِ حیات کو وکٹوریہ پریس دہلی سے چھپوا کر شائع کیا۔ اس سلسلے اُن کا ایک بیان یہ ہے :

"پہلی دفعہ اس نسخہ میں مومن خاں صاحب کا حال نہ لکھا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ دورِ پنجم جس سے ان کا تعلق ہے بلکہ دورِ سوم و چہارم کو بھی اہلِ نظر دیکھیں کہ جو اہلِ کمال اس میں بیٹھے ہیں کس لباس و سامان کے ساتھ ہیں ...... میں نے ترتیب کتاب کے دنوں میں اکثر اہلِ وطن کو خطوط لکھے اور لکھوائے۔ وہاں سے جواب صاف آیا۔ وہ خط بھی موجود ہیں۔ مجبور اُن کا حال قلم انداز کیا۔" 3

پہلے ایڈیشن میں ضاحک، خلیق، انیس، اور دبیر وغیرہ کا بھی ذکر نہیں تھا۔ دوسرے ایڈیشن میں شامل کیا گیا تھا۔ شکایتوں کے سلسلے پھر بھی جاری رہے۔ ذوق کے حالات میں آزاد نے لکھا ہے :

"دہلی میں آبِ حیات کو دیکھ کر بعض اشخاص نے مجھ سے کہا کہ ایسا کہنہ مشق صاحب کرامت بزرگ (الٰہی بخش معروف) ایک نوجوان شخص (محمد ابراہیم ذوق) کا کیونکر شاگرد ہوا ہوگا؟ اس مضمون کو تم نکال ڈالو۔ میں کیا کہوں کہ

استاد کی صحبت میں ہفتہ میں کئی دفعہ ان صحبتوں اور اصلاحوں کے ذکر ہو جاتے تھے۔ دو غزلوں کے اصل مسودے اب تک میرے پاس موجود ہیں۔ دکھاؤں کسے؟''4

پروفیسر سید مسعود حسن رضوی نے اس تذکرے کی خوبیوں کا شمار کراتے ہوئے لکھا ہے :

'' آب حیات اردو شاعروں کا پہلا تذکرہ ہے جس میں مصنف نے اردو کی کل شاعری پر نظر کر کے اس کو کئی عہدوں میں تقسیم کیا ہے۔''5

حقیقت یہ ہے کہ قائم نے اپنے تذکرے مخزنِ نکات میں پہلی بار تین ادوار قائم کیے تھے یعنی :

متقدمین، متوسطین اور متاخرین

مولوی کریم الدین نے اپنے زمانے کی ادبی ترقیات کا ذکر کرنے کے لیے ایک چوتھا دور مزید مقرر کیا۔ آزاد کا زمانہ اور بعد کا تھا۔ انھوں نے اس پر پانچویں دور کا اضافہ کر دیا۔ ان ادوار کے ذکر میں بعض فروگذاشتیں جو قدما سے ہوگئی تھیں، محض اتفاق سے آزاد کے وقت تک بلکہ اور بعد تک بھی جاری رہیں۔ مثال کے طور پر جرأت کا احوال میر کے زمانے کے بعد میں قلمبند کیا گیا ہے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ میر جرأت کے انتقال کے بعد تک بھی زندہ رہے تھے۔ میر جس زمانے میں لکھنؤ میں پہنچے تھے، جرأت اور ان کے شاگردوں کا لشکر وہاں کے مشاعروں میں چھایا ہوا تھا۔

آب حیات کی زبان اور اُس کی نثر قابلِ تحسین ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ پروفیسر مسعود حسن رضوی کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے کہ :

'' اردو کی ادبی کتابوں میں جتنے حوالے آب حیات کے ملتے ہیں، ان کے نصف بھی شاید کسی دوسری کتاب کے نہیں ملتے۔''6

3۔ تنقید آب حیات

آب حیات کی موافقت اور مخالفت میں اخباروں میں بہت مضامین شائع ہوئے تھے۔ چند کتابیں بھی چھپی تھیں لیکن اب بیشتر نایاب ہیں۔ مرزا دبیر کے ایک شاگرد میر محمد رضا ظہیر لکھنوی

(متوفی 1310ھ/1893) نے بھی 1303ھ/1886 میں "تنقید آب حیات" کے نام سے اردو پریس گولا گنج لکھنؤ سے ایک کتاب شائع کی تھی۔

4- روضۃ الادبا

میاں سلطان محمد نے ضمناً اس تذکرے کا ذکر کیا ہے۔ اس کے مصنف کے تعارف میں انھوں نے تحریر کیا ہے کہ :

"نام ابوالحسن محمد معروف بہ مولوی محمد دین فوق تھا۔ 3- جمادی الاول 1267ھ/ 1851 کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر لائٹر کی ایما پر آپ نے پنجاب یونیورسٹی کے بہت سے امتحانات پاس کیے۔ 1290ھ/1873 میں اورینٹل کالج میں استاد ہوئے...... کئی کتابوں کے مصنف 7 ہیں، جن میں روضۃ الابرار، روضۃ الادبا، تاریخ کشمیر...... وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔" 8

افسوس ہے کہ فی الوقت ان کی تصانیف روضۃ الادبا وغیرہ کے بارے میں کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی۔

د - سوانحات

سکھوں کے دور میں بھی لاہور کو کتابوں کی تجارت کے ایک معروف مرکز کا درجہ حاصل رہا تھا۔ پھر جب انگریزوں کا زمانہ آیا اور اطرافِ ملک میں چھاپے خانے کا رواج ہوا تو اس شہر میں کتب فروشی کے کاروبار کو زیادہ ترقی ہوئی۔ تجارت کی خاطر سے طباعت اور طباعت کے لیے تصنیف و تالیف وغیرہ کے کاموں کا بھی چلن بڑھا۔ پنجاب کے رہنے والوں کو عموماً اور باشندگان لاہور کو خصوصاً اپنے بزرگوں کے واقعات اور معاملات سے بہت دلچسپی رہی ہے، نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اس جوار میں بڑی کثرت سے سوانحات لکھی گئیں۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پنجاب کے باشندے نسبتاً زیادہ روشن خیال ہوتے ہیں۔ زندگی کے تقریباً ہر معاملہ میں یہاں خواتین مردوں کے دوش بدوش مصروف رہتی ہیں۔ سوانح نگاری کے کام میں بھی لاہور کی ایک دو خواتین نے بڑی خوبی سے اپنا کردار ادا کیا تھا۔

1- سیرت النبیؐ

اس کتاب کا پورا نام اس طرح ہے : ''سیرت النبیؐ - پیارے نبی کے پیارے حالات'' اس کے مصنف فیروز الدین ڈسکوی ہیں۔ الطاف فاطمہ نے اس کتاب کے ذکر میں تحریر کیا ہے کہ:

''یہ کتاب 1907 میں شائع ہوئی۔ فیروزالدین ڈسکوی کی اور تصانیف یہ ہیں:

تاریخ محمدی، یادگار سعیدی، یادگار وکٹوریہ وغیرہ''1

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس مصنف کا خاص میدان سوانح نگاری رہا ہے۔

2- سیرت صدیقؓ

جیسا کہ نام سے بھی ظاہر ہے یہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سوانح ہے۔2 مصنف اس کے محمد علیم الدین سالک ہیں۔ سالک کی بیشتر کتابیں انجمن معین الاسلام لاہور نے اتحاد پریس لاہور سے چھپوا کر شائع کی ہیں۔ اس کتاب کا بھی یہی معاملہ ہے۔ اس میں کل 48 صفحے ہیں:

3- سوانح عمری حضرت ابوبکر صدیقؓ

یہ سوانح منشی امجد حسین خاں نے لکھی تھی اور یہ لاہور میں 1914 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔3

4- سوانح عمری حضرت عثمانؓ

اس سوانح کے مصنف بھی منشی امجد حسین خاں تھے۔ اور یہ بھی اُسی زمانے میں لاہور میں چھپی تھی۔4

5- سوانح نلسن عرف بہادر مرد میدان

سوانح نلسن عرف بہادر مرد میدان اور نپولین بوناپارٹ کی دل ہلا دینے والی جنگ سوانح عمری ''نلسن عُرف بہادر مردِ میدان'' دوسو بیالیس صفحوں کی یہ کتاب بھی منشی امجد حسین کی تصنیف ہے اور یہ دہلی میں چھپی تھی۔5

6- عبدالقادر جیلانیؒ

منشی احمد دین نے اس کتاب میں حضرت عبدالقادر جیلانی کے حالات اور کرامات کا بیان کیا ہے6 یہ منشی محبوب عالم کی خادم التعلیم اسٹیم پریس لاہور میں 1906 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

7- امام غزالی۔ خلاصۂ الغزالی

یہ شبلی کی کتاب الغزالی کا خلاصہ ہے جو آغا بیدار بخت خاں نے سوال و جواب کی صورت میں مرتب کیا ہے یہ 48 صفحوں کا رسالہ ہے اور رانشا پریس لاہور میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔7 سالِ طباعت اس کا معلوم نہیں ہو سکا۔

8- ذکرِ خیر المعروف بہ صحیفۂ محبوب

اس کتاب کے مصنف کا نام مولانا محبوب عالم لکھا ہے۔ غالباً یہ پیسہ اخبار والے منشی محبوب عالم ہی ہیں۔8؎ یہ کتاب خواجہ توکل شاہ انبالوی کے حالات زندگی کے بیان پر مشتمل ہے اور الیکٹرک پریس لاہور سے 1326ھ/1908 میں چھپی تھی۔ ضخامت 376 صفحات ہے۔ پریس کے نام میں مولف قاموس الکتب سے غالباً سہو ہو گیا ہے۔

9- سوانح عمری حاتم طائی

یہ کل 19 صفحوں کا کتابچہ ہے۔9؎ اس میں حاتم کے مختصر حالات اور چند حکایتیں درج ہیں۔ اس کا ایک ایڈیشن ہندوستان اسٹیم پریس لاہور سے 1916 میں شائع ہوا تھا۔ مصنف اس کے منشی احمد دین لاہوری تھے۔

10- ابوریحان البیرونی

مشہور مسلمان عالم البیرونی کی حیات اور اس کے کارناموں سے متعلق ایڈورڈ ڈسکو کی انگریزی کتاب کا یہ اردو ترجمہ پیسہ اخبار پریس لاہور سے شائع ہوا تھا۔ اس پر نہ مترجم کا نام ہے اور نہ سالِ طباعت ہی درج ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ ایسی بعض دوسری کتابیں بھی منشی محبوب عالم کی ہوں گی۔

11- تذکرۂ تیموریہ

الطاف فاطمہ نے اس تذکرہ کے تعارف میں جو تحریر کیا ہے مختصراً اس طرح ہے:

> ''ریاست بھاولپور کے نائب وزیر منشی احمد شفیع.....کا تذکرۂ تیمور 1892 میں مطبع رحمانی سے شائع ہوا تھا۔ اس کتاب کے سرورق پر یہ تحریر ہے۔ لطف انگیز ونتیجہ خیز سوانح عمریوں کا سلسلہ.....''11؎

اس سے بخوبی ظاہر ہے کہ اس مطبع سے یا احمد شفیع کی تصانیف میں اور بھی چند نامبرآوردہ شخصیتوں کی سوانح عمریاں شائع ہوئی تھیں۔ افسوس ہے کہ الطاف فاطمہ نے ان کا نام اور تعارف نہیں لکھا۔

منشی احمد شفیع نے سرسید احمد خاں کی ''اسباب بغاوت ہند'' کا جواب 295 صفحوں پر لکھ کر 1874 میں چھپوایا تھا۔ انھوں نے شیکسپیئر کے ایک افسانہ کا بھی اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ اس میں اپنا

نام انھوں نے اس طرح لکھا ہے :

''بندہ احمد شفیع ہیڈ ماسٹر وزیر آباد''12

اور افسانہ کا عنوان ''رفیقِ نا کت خدا'' مقرر کیا ہے۔ شیکسپیئر کے افسانہ کا عنوان تھا :

''(The taming of the shrewd)''

12- جلال الدین اکبر

منشی احمد دین اپنے زمانے کے معروف سوانح نگاروں میں سے تھے۔ ان کی کتاب جلال الدین اکبر مشہور مغل بادشاہ کی سوانح عمری ہے جسے منشی رام اگروال تاجر کتب لاہور نے دو مرتبہ چھپوایا تھا۔ ایک مرتبہ 135 صفحوں پر اور دوسری بار 136 صفحوں پر۔ مصنف نے اپنے مختصر سے دیباچے میں اپنے ماخذ کی فہرست بھی درج کر دی ہے۔ مشفق خواجہ کا کہنا ہے کہ :

''اس قسم کی کتابیں لکھنے سے احمد دین کا مقصد عام لوگوں میں تاریخ سے، دلچسپی پیدا کرنا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوئے ہیں۔''13

13- ابوالفضل کی سوانح عمری

32 صفحوں کے اس کتابچہ میں پیدائش سے وفات تک ابوالفضل کے حالاتِ زندگی لکھے ہیں۔ کتاب کے آخر میں مصنف کا نام ''احمد دین لاہوریہ'' لکھا ہے۔ 14 ناشر اس کتاب کا فضل الدین تاجر کتب قومی و مہتمم اخبار اشاعت، کشمیری بازار لاہور ہے۔

14- حیاتِ ٹوڈرمل

مشفق خواجہ نے منشی احمد دین کی اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ :

''پچیس صفحوں کی احمد دین کی یہ کتاب درحقیقت دربارِ اکبری ہی کا فیضان ہے۔ اسے منشی رام اگروال تاجر کتب خانہ تعلیم پنجاب و پروپرائٹر اردو اخبار، انارکلی، لاہور نے فیض عام پریس لاہور سے طبع کرا کے شائع کیا تھا۔''15

15- ملا دو پیازہ

مشفق خواجہ نے ان کتابوں کے بارے میں لکھا ہے :

16- راجا بیربل

" یہ پانچوں سوانح عمریاں ہیں۔ احمد ین کی متعدد تصانیف اسی نوعیت کی ہیں۔"16

17- حیات نور جہاں و جہانگیر

قیاس ہے کہ یہ بھی انھیں کی تصانیف ہوں گی۔ سوانح عمری حضرت علیؓ پر مصنف کے نام کی جگہ لکھا ہے:

18- سوانح عمری حضرت علیؓ

" مرتبہ و مولفہ کار پردازانِ دفتر اردو اخبار لاہور"

" 72 صفحوں کی اس کتاب کا ناشر منشی رام اگروال

19- مہاراجا شیواجی مرہٹہ

مالک اردو اخبار لاہور ہے۔"

20- ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب

منشی احمد دین لاہوری (ولادت 1866 وفات 1929) ابن الہ دین کشمیری، قوم لون اس کتاب کے مصنف تھے۔ 17 اردو میں ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب کی یہ پہلی سوانح ہے۔ پہلی مرتبہ یہ 1901 سے پہلے چھپی تھی۔ دوسری بار کارخانہ پیسہ اخبار کی طرف سے 1904 میں شائع ہوئی تھی۔

21- دُرِ مکتوم یعنی حیات زیب النسا

عالمگیر اورنگ زیب کی بیٹی زیب النساء کے حالاتِ زندگی، شاعری، قید اور وفات وغیرہ کا اس کتابچہ میں نہایت ولولہ انگیز انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ 18 مصنف اس کے بھی احمد دین ہیں۔

22- شیر پنجاب مہاراجا رنجیت سنگھ

یہ دونوں بھی منشی احمد دین کی تصانیف ہیں۔

23- دوست محمد خاں

ان کے علاوہ بھی ان کی کئی تصانیف ہیں۔

24- مہاتما بدھ

یہ بھی منشی احمد دین کی تصنیف ہے۔ یہ 1903 میں کشمیری پریس لاہور سے 268 صفحوں پر چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے اشتہار میں ہے :

''ساکی منی یا گوتم بدھ کی سوانح عمری جس میں کپل وستو کے شہزادے کی تعلیم
......فقیرانہ ریاضت تلاشِ حق اور .... ہزار ہا باشندوں کے پیرو ہو جانے کے
حالات بڑی عمدگی سے حوالۂ قلم کیے گئے ہیں۔''19؎

25- مہاتما بدھ کی سوانح عمری

مصنف اس سوانح کے لالا دیارام سوہنگ دھاری متخلص بہ عاکف تھے۔22؎ 80 صفحوں کا یہ کتابچہ منشی نول کشور پریس لاہور میں چھپا تھا۔

26- سوانح عمری گرونانک دیوجی مہاراج

یہ بھی لالا دیارام عاکف کی لکھی ہوئی سوانحات میں سے ایک ہے۔23؎ رام دتہ مل و مولوی علی محمد تاجرانِ کتب لاہور نے اس کتاب کو بھی منشی نول کشور پریس لاہور میں 1903 میں 120 صفحوں پر چھپوا کر شائع کیا تھا۔ اس کتاب کا ایک ادر ایڈیشن منشی رام اگروال مالک اردو اخبار لاہور نے بھی اپنی منشی رام اگروال پریس لاہور سے چھپوایا تھا۔24؎ ان کا یہ پریس 1904 میں جاری ہوا تھا۔ مذکورہ کتاب کل 146 صفحوں پر محیط ہے۔

27- حالات مہاراجا شیواجی مرہٹا

دیارام عاکف ہی کی لکھی ہوئی یہ سوانح بھی ہے۔25؎ یہ کمرشیل پرنٹنگ ورکس لاہور میں 67 صفحوں پر چھپی تھی۔ تعجب ہے کہ اپنی نظم و نثر کے باوجود منشی دیارام عاکف کو شہرت نہیں مل سکی تھی۔

28- شیواجی

یہ کتاب بھی مشہور مرہٹہ سردار شیواجی کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے۔ مصنف اس کے لاجپت رائے تھے اور یہ کتاب لالا لاجپت رائے اینڈ سنز کی طرف سے شائع کی گئی تھی۔26؎

29- راجا اشوک کی مفصل سوانح عمری

پنجاب میں اس زمانے کے سوانح نگاروں میں لالا لاجپت رائے بھی معروف تھے۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے ان کے تعارف میں لکھا ہے :

''لاہور کے مشہور رئیس اور سیاسی (کانگریسی) کارکن (لاجپت رائے) تھے۔
اردو کی دو مشہور کتابوں کے مولف ہیں۔ ایک: راجا اشوک کی مفصل سوانح عمری

اور دوسری: تاریخ ہند قدیم...... ہندوستان کی قدیم تاریخ پر بہت اچھی روشنی ڈالتی ہیں۔ 27-نومبر 1928 کو لالا لاجپت رائے کا لاہور میں انتقال ہوا'' 27

لاجپت رائے کی سوانحات کے موضوعات سے ان کی طبیعت کے میلان اور فکر کے انداز کا اندازہ کر لینا کچھ مشکل نہیں معلوم ہوتا ہے۔

30- گیری بالڈی

اصل کتاب کا احوال تو معلوم نہیں ہو سکا البتہ یہ اردو ترجمہ لاجپت رائے کا کیا ہوا ہے۔ یہ کتاب اٹلی کے مشہور سیاسی لیڈر جنرل گیری بالڈی کی سوانح حیات ہے۔ پہلی بار اس کو میسرز لاجپت رائے نے شائع کیا تھا۔ 28 پھر یہ مرکنٹائل پریس لاہور سے بھی 268 صفحوں پر چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

31- مہاراج سری کشن اور اُن کی تعلیمات

اس سوانح کے مصنف لالا لاجپت رائے ہیں جو لاہور کے معروف تاجر کتب تھے۔ 29 انھوں نے لاہور سے 1920 میں ایک روزنامہ ''بندے ماترم'' کے نام سے نکالنا شروع کیا تھا۔ کتاب سری کشن 1900 میں میسرز لاجپت رائے اینڈ سنز تاجرانِ کتب لاہور کی طرف سے شائع ہوئی تھی۔ ضخامت اس کی 468 صفحات ہے۔

32- شاہ کج کلاہ مظفر الدین شاہ قاچار

اس کتاب کے مصنف منشی محبوب عالم اپنے پیسہ اخبار اور مطبع خادم التعلیم کے لیے مشہور ہیں۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ''بابائے صحافت کے لقب کے مستحق ہیں''، لیکن واقعہ یہ ہے کہ سوانح نگاری کے میدان میں بھی وہ کچھ پیچھے نہیں ہیں۔

اس کتاب میں منشی محبوب عالم نے ایران کے سلسلۂ قاچاریہ کے پانچویں فرماں رواشاہ مظفر الدین کی زندگی کے واقعات قلمبند کیے ہیں۔ یہ 1902 میں خادم التعلیم اسٹیم پریس لاہور سے 119 صفحوں پر چھپی تھی اور منشی صاحب کے کارخانہ پیسہ اخبار لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ 30

33- سوانح عمری شاہ ظفر الدین والی ایران

یہ دونوں سوانحات بھی منشی محبوب عالم نے اسی سلسلہ میں شائع کی تھیں۔ سالِ اشاعت فی الوقت معلوم نہیں ہو سکا ہے۔

34- تذکرہ سلطان عبدالعزیز والی مراقش

35- ہمارا قیصر

مصنف اس سوانح کے بھی منشی محبوب عالم (متوفی 1933) تھے 31۔ یہ شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کے حالات زندگی پر مشتمل ہے اور خادم التعلیم اسٹیم پریس لاہور میں 1902 میں 124 صفحوں پر چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

36- اَبراہم لنکن

اَبراہم لنکن امریکہ کا سابق صدر تھا۔ اس کی سوانح پر مشتمل اصل کتاب کا حال تو معلوم نہیں البتہ اردو میں یہ ترجمہ منشی محبوب عالم نے کیا تھا۔ یہ ترجمہ ستاون صفحوں پر خادم التعلیم اسٹیم پریس لاہور میں چھپا اور دفتر پیسہ اخبار لاہور سے 1904 میں شائع ہوا تھا۔ 32

37- دخانی انجن کے موجد۔ جیمس واٹ کی سرگذشت

یہ بھی منشی محبوب عالم کی کتاب ہے۔ موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ 33 یہ مختصر سا کتابچہ 1908 میں خادم التعلیم اسٹیم پریس لاہور سے اٹھائیس صفحوں پر چھپ کر اشاعت پذیر ہوا تھا۔

منشی محبوب عالم کے کارخانہ پیسہ اخبار اور خادم التعلیم پریس لاہور سے کئی ایسی کتابیں بھی اسی زمانے میں شائع ہوئی تھیں جن پر مصنف یا مترجم کا نام درج نہیں تھا۔ قیاس چاہتا ہے کہ یہ کتابیں بھی منشی صاحب کی ہیں۔ ان میں سے بعض کا احوال اوپر درج کیا جا چکا ہے۔

38- وقائع بابا نانک

سورج بھان اجودھیا پرشاد لاہور کے ایک علم دوست شخص تھے۔ ان کو انگریزی میں رابرٹ کسٹ کی لکھی ہوئی سوانحات سے خصوصی دلچسپی تھی اور اسی لیے اپنے ہم وطنوں کے فائدے کے لیے ان میں سے کئی کا زبانِ اردو میں ترجمہ کر دیا تھا۔ سکھوں کے پہلے گرو بابا نانک کی یہ سوانح بھی انہی میں سے ایک ہے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ 1880 میں چوبیس صفحوں پر چھپی تھی۔ مطبع کا نام معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ 34

39- وقائع رام چندر

یہ بھی رابرٹ کسٹ کی انگریزی کی ایک سوانح کا اردو ترجمہ ہے۔ مترجم وہی یعنی سورج

بھان اجودھیا پرشاد ہے۔35 سالِ طباعت اس کا بھی 1880 ہے۔ یہ کل 33 صفحوں پر مشتمل ہے۔ مطالب کا اندازہ کتاب کے نام سے کیا جاسکتا ہے۔

40- وقائع سکندر اعظم

یہ بھی اسی سلسلے کی کتاب ہے، یعنی رابرٹ کسٹ کی انگریزی سوانح کا اردو ترجمہ ہے۔36 مترجم اجودھیا پرشاد ہیں۔ صرف بیس صفحوں کا یہ رسالہ 1860 میں لاہور میں چھپا تھا۔ اس کے مطبع کا بھی نام معلوم نہیں ہوسکا ہے۔

41- حیاتِ پال

مصنف اصل انگریزی سوانح کا رابرٹ کسٹ ہے اور اردو ترجمہ اجودھیا پرشاد پنڈت سورج بھان کا کیا ہوا ہے۔37 مطبع کا نام معلوم نہیں البتہ سالِ طباعت 1861 ہے۔

42- پابندیٔ شریعت اور شاہجہاں

اس مختصر سے رسالے میں شاہجہاں بادشاہ کے مذہبی معمولات سے بحث کی گئی ہے۔38 مصنف اس کے علیم الدین سالک ہیں۔ یہ کل اڑتالیس صفحوں پر محیط ہے۔ اسے بھی انجمن معین الاسلام لاہور نے اتحاد پریس لاہور سے چھپوا کر شائع کیا تھا۔ سالک کی ''سیرتِ صدیق'' کا ذکر شروع میں کیا جاچکا ہے۔

43- ٹیپو سلطان کی شہادت

یہ بھی سالک کا لکھا ہوا صرف 48 صفحوں کا رسالہ ہے۔39 اسے بھی انجمن معین الاسلام لاہور نے اتحاد پریس لاہور سے چھپوا کر شائع کیا تھا۔ افسوس ہے کہ سالک کی ان تینوں کتابوں کا سالِ طباعت معلوم نہیں ہوسکا ہے۔

44- ظفر نامۂ رنجیت سنگھ المعروف بہ رنجیت نامہ

مصنف اس کتاب کے کنھیا لال ہندی تھے جنھوں نے فارسی اور اردو میں کئی کتابیں چھوڑی ہیں۔ ان میں سے تاریخ پنجاب اور تاریخِ لاہور زیادہ مشہور ہیں۔

رنجیت نامہ کا سالِ تصنیف 1290ھ/1874 ہے۔40 اس کتاب کو سردار جوت سنگھ نے 1909 میں چھپوا کر شائع کر دیا تھا۔

45- حیاتِ ذوق

یہ قابلِ توجہ حقیقت ہے کہ منشی محبوب عالم کی خادم التعلیم پریس سے خاقانی ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق دہلوی کی سوانح عمریاں یکے بعد دیگرے دو شائع ہوئی تھیں۔ کتاب حیاتِ ذوق کے مصنف احمد حسین لاہوری ہیں۔ ان کی یہ کتاب 1895 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ (بقول ڈاکٹر تنویر احمد علوی)

46- یادگارِ ذوق

ذوق کی اس دوسری سوانح کے تعارف میں الطاف فاطمہ نے تحریر کیا ہے :

"یادگارِ ذوق کے مصنف ظہور الدین وحشی ہیں۔ یہ کتاب خادم التعلیم پریس لاہور سے طبع ہوئی تھی۔ ذوق کی جو شخصیت اور خاکہ (آزاد نے) آبِ حیات میں پیش کیا ہے یہ اس سے بہت مختلف ہے۔ اس کتاب میں ذوق کے تلامذہ کی فہرست میں (آزاد کا) نام شامل نہیں کیا ہے۔" 41

47- حیاتِ غالب

اوپر علیم الدین سالک اور آقا بیدار بخت کی کتابوں کا ذکر آیا ہے۔ ان دونوں کے مابین اچھے روابط تھے چنانچہ علمی اور تصنیفی کاموں میں بھی دونوں ایک دوسرے کے معاون ہوتے تھے۔ حیاتِ غالب ان دونوں کی مشترکہ تالیف ہے اس میں کل اَسّی صفحے ہیں اور یہ دین محمد پریس لاہور سے 1910 میں طبع ہو کر شائع ہوئی تھی۔ 42

لاہور میں ان کے علاوہ اور بھی متعدد سوانحات لکھی گئی تھیں چنانچہ بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں اردو سوانح نگاری کا یہی شہر سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس شہر کے اربابِ قلم میں کم ہی ایسے ہوں گے جنھوں نے بڑی، چھوٹی کوئی بھی سوانح نہ لکھی ہو۔

لاہور کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس شہر میں سوانح نگاری اور اس کی قبیل کی بعض اصناف کے فروغ میں خواتین نے بھی حصہ لیا تھا۔ اس سلسلے میں محمدی بیگم کی شخصیت خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو رسالہ "تہذیبِ نسواں" کی مدیرہ اور زبانِ اردو کی معروف ڈراما نگار امتیاز علی تاج کی والدہ تھیں۔ انھوں نے اپنے بیٹے تاج کے لیے متفرق مضامین پر مشتمل ایک "بچوں کا اخبار" بھی مرتب کیا تھا۔ 43

48- روزنامچہ محمدی بیگم

یہ محمدی بیگم کا یکم اپریل 1907 سے 25-دسمبر 1907 تک کا روزنامچہ ہے۔44 یہ بہ خطِ مصنفہ ہے۔کل 166 صفحے ہیں۔

49- حیات اشرف النسا

پنجاب کی ایک خاتون اشرف النسا بیگم معلمہ اول وکٹوریہ گرلس اسکول لاہور کی یہ سوانح عمری ہے۔45 مصنفہ اس کی محمدی بیگم ہیں اور یہ رفاہِ عام اسٹیم پریس لاہور سے 1904 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔کل 162 صفحے ہیں۔

اس مقام پر یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ لاہور سے ایک ماہنامہ بھی ''سوانح عمری'' کے نام سے نکلتا تھا جس میں ہر قسم کے نامبرآوردہ اشخاص کی سوانح چھپتی تھیں۔46 یہ یکم اپریل 1882 کو جاری ہوا تھا۔

افسانوی ادب

لاہور کو صوبہ کے مرکزی مقام کا درجہ حاصل ہوگیا تھا اور وہاں مختلف درجوں کے انگریز حکام کا اجتماع تھا۔ وہاں انگریزی کی اعلیٰ تعلیم کے لیے کالج اور پھر یونیورسٹی بھی قائم ہوگئی تھی۔ اس ماحول میں مسلمان شرفا نے بھی اس تعلیم سے دلچسپی لی۔ اِس صورتِ حال کا فائدہ یہ بھی ہوا کہ اردو میں افسانوی ادب (فکشن) کے شہ پاروں کے ترجمے کیے جانے لگے۔ اسی سلسلے میں بعض طبع زاد تخلیقات بھی سامنے آئیں اور اردو ادب کو نئی وسعتیں حاصل ہوئیں۔

ہ - ڈراما

انگریز حکام اور اکابر کی تحریک اور سرپرستی میں لاہور میں ڈراما نویسی کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر زندہ دلانِ لاہور کے ذوق وشوق کی بدولت اس شہر میں تھیٹر کمپنیاں قائم ہونے لگیں۔ حالات نے ان کمپنیوں کو ایسی ترقی دی کہ یہ شہر بمبئی سے آنکھیں ملانے لگا۔ اس شہر میں بڑی کثیر تعداد میں ڈرامے تصنیف، تالیف اور ترجمہ کیے گئے تھے۔ یہاں صرف مشہور ڈراموں کی فہرست درج کی جاتی ہے۔

1- میکبتھ

اردو ڈراما کی تاریخ میں بھی شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد کا نام بہت اہمیت رکھتا ہے۔ مذکور ہے کہ لاہور کالج کے پرنسپل کی فرمائش پر انھوں نے شیکسپیئر کے مشہور ڈرامہ "میک بتھ" کا زبانِ اردو میں ترجمہ کرنا چاہا تھا۔1 کچھ حصہ کا ترجمہ کیا لیکن اس کام کو وہ پورا نہیں کر سکے۔

2- اکبر

شاہزادہ جہانگیر کے اوائلِ عمری میں نور جہاں کے ساتھ معاشقہ کے داستان کو مولانا محمد حسین آزاد نے ڈرامے کی صورت میں لکھنا شروع کیا اور اس ڈرامہ کا نام انھوں نے "اکبر" مقرر کیا تھا۔ افسوس ہے کہ اس کام کو بھی وہ مکمل نہیں کر سکے۔

محمد عمر نورالٰہی نے اس بارے میں تحریر کیا ہے :

''آزاد مغفور کے ناتمام ڈرامے ''اکبر'' کو حکیم ناصر نذیر فراق دہلوی کے ڈرامہ نگاری سے ناآشنا قلم نے مکمل کیا اور نقادوں کی چیخ پکار سے سارا پنجاب گونج اٹھا..... حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کو ڈرامہ نہیں کہہ سکتے ۔'' 2

3- کھیل طلسمات سلیمانی

پنجاب کے ابتدائی دور کے ڈراما نویسوں میں ایک ''سید بزرگ شاہ لاہوری'' ہوئے ہیں ۔ 3 انھوں نے 1885 کے قریب ڈرامے کی طرف توجہ کی اور مقامی تھیٹروں کے لیے چند ڈرامے لکھے ۔ بزرگ شاہ تھیٹر کے کاموں میں ترقی کر کے ''اورنٹل اوپیرا اینڈ ڈرامیٹک تھیٹریکل کمپنی پنجاب'' کے منیجر ہو گئے تھے ۔ کمپنی کے اِس نام سے اُس زمانے میں ڈرامے کی ترقی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

بزرگ شاہ نے ایک ڈراما ''طلسمات سلیمانی'' کے نام سے 1886 میں لکھا تھا ۔ ایک برس کے بعد یہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو سکا ۔ اس میں ختن کے ایک تاجر اور اس کے خاندان کا احوال بیان کیا گیا ہے ۔

4- اکسیر اعظم

یہ کوئی پرانا ڈراما تھا جسے سید بزرگ شاہ نے اپنے طور پر ردّ و بدل کر کے از سرِنو مرتب کر لیا تھا ۔ 4 رواجِ زمانہ کے مطابق انھوں نے اس کا نام ''اکسیر اعظم عُرف کنیز پارسی'' رکھا تھا ۔ زمانہ اس ڈرامے کا بھی وہی بتایا گیا ہے ۔

5- قمرالزماں و بدورا

یہ دونوں ڈرامے بھی بزرگ شاہ سے منسوب ہیں ۔ کہتے ہیں کہ اپنے زمانے میں یہ دونوں مشہور ہوئے تھے ۔ سالِ تصنیف ان کا بھی 1886 بتایا گیا ہے ۔

6- نورالدین و حسن افروز

رفتہ رفتہ لاہور شہر میں کئی تھیٹر کمپنیاں وجود میں آ گئی تھیں ۔ کچھ نے شہرت حاصل کی ۔ ان کی

کارکردگی کے فیض سے فن کے مختلف شعبوں میں بعض بعض لوگوں نے نام پیدا کیا، مثال کے طور پر ماسٹر رحمت کے بارے میں عشرت رحمانی نے لکھا ہے:

> ''ڈائرکٹروں میں ماسٹر رحمت علی رحمت نے اپنے عہد کی اداکاری اور نغمہ نوازی کی بدولت ملک گیر مقبولیت وشہرت حاصل کی۔''5

اور محمد عمر نورالٰہی نے یہ اطلاع فراہم کی ہے کہ :

> ''(رحمت علی) پہلے البرٹ تھیٹرز (=البرٹ تھیٹریکل کمپنی آف پنجاب) کے مہتمم تھے۔ اب سیٹھ مہوٹی کے بمبئی پارسی تھیٹر کے ڈائرکٹر ہیں۔''6

ماسٹر رحمت علی اردو کے اپنے وقت کے اچھے ڈراما نویس تھے۔ ان کے یہ چار ڈرامے مشہور ہوئے تھے :

7- دردِ جگر

8- باوفا قاتل

9- محبت کا پھول اور 10- تصویرِ رحمت

محمد عمر نورالٰہی کا کہنا ہے کہ :

> ''ہاں منشی رحمت علی صاحب ڈائرکٹر پارسی تھیٹریکل کمپنی.......صرف اردو میں ڈرامے لکھتے ہیں۔ وہ عوام کو خوش کرنے کا ڈھنگ خوب جانتے ہیں۔ منشی رحمت علی صاحب کے ڈرامے...... جہاں کہیں بھی اسٹیج پر آتے ہیں ڈراما کے بل پر کامیاب رہتے ہیں...... اکثر کمپنیاں انھیں ڈراموں کی بدولت چل رہی ہیں۔ ان کے مالک اس قسم کے ڈراموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تعلیم یافتہ اور ثقافت پسند اصحاب کے بہت بڑے گروہ نے ان کا عملی مقاطعہ کر رکھا ہے۔''7

ڈرامے عوام کی چیز تھے۔ وہی عموماً ان کو دیکھتے، تحریری صورت میں خریدتے اور پڑھتے تھے۔ بار بار چھپنے کے باوجود صاحبانِ علم ودانش کے ذخیروں میں ان میں سے صرف بعض کو جگہ مل سکی ہے۔ بیشتر ضائع ہو گئے ہیں۔

11- جعفر

اس ڈرامے کے لکھنے والے احمد حسین تھے۔ان کے حالات شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے اس طرح لکھے ہیں :

"خان احمد حسین خاں بی اے، خان بہادر ڈاکٹر محمد حسین خاں آنریری مجسٹریٹ کے بیٹے، احمد تخلص کرتے تھے۔ ارشد گورگانی کے شاگرد تھے۔ لاہور سے ماہنامہ شباب اردو جاری کیا تھا۔ ڈیڑھ سو کے قریب کتابیں لکھیں جن میں زیادہ ناول تھے۔"8

ماہنامہ شباب اردو 1920 میں زبیدہ خاتون نے جاری کیا تھا اور انہی نے احمد حسین خاں کو اس کا چیف ایڈیٹر مقرر کیا تھا۔9 اس سے بہت پہلے احمد حسین خاں کو ڈرامانویس کی حیثیت سے شہرت مل چکی تھی چنانچہ عشرت رحمانی نے لکھا ہے :

"1892 میں احمد حسین خاں لاہوری نے شیکسپیئر کے ڈراما اتھیلو سے اخذ کر کے ایک ڈراما جعفر لکھا۔ یہ بھی اسٹیج کے کام نہ آسکا۔"10

احمد حسین خاں کا ڈراما جعفر پیسہ اخبار لاہور کے مطبع سے پہلی مرتبہ 1895 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔خود اُن کا کہنا ہے کہ میں نے "انگریزی متن میں نون مرچ ملا کر اِسے ہندستانیوں کے مذاق کے مطابق بنادیا ہے۔"11

12- بازارِ حسن

عشرت رحمانی اس ڈرامے کے مصنف کا ذکر ضمناً اِس طرح کیا ہے :

"لاہور کے کئی اربابِ قلم ڈرامانگاری کی جانب ذوق وشوق سے مائل ہوئے تھے۔ لیکن ان میں سے اکثر کے ڈرامے بہ وجوہ اسٹیج کی زینت نہ بن سکے۔ کسی کو مالک کمپنی نے تجارتی مصلحت کے خلاف کہہ کر اُسے کھیلنے سے پہلوتہی کی اور کوئی کھیلا گیا لیکن مقبول نہ ہوسکا۔ ان میں قابلِ ذکر ہیں خان احمد حسین خاں ایڈیٹر شباب اردو لاہور مصنف بازارِ حسن۔"12

اس ڈرامے کے اسٹیج کیے جانے کا حال محمد عمر نورالٰہی نے اس طور پر قلمبند کیا ہے :

"یکم مارچ 1924 کو پنجاب کے مشہور ادیب کہنہ مشق شاعر اور پُر نویس ناول نگار منشی احمد حسین خاں صاحب بی اے ایڈیٹر شباب اردو لاہور کا ڈراما حُسن کا بازار، گلوب تھیٹر میں اسٹیج ہوا۔ پہلا ڈراما تھا۔ امید کہ آئندہ ڈراما زیادہ کامیاب ہوگا۔ منشی صاحب جیسے قادرالکلام بزرگ کا ڈرامہ کی طرف متوجہ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اس فن کے دن پھرنے والے ہیں۔" 13

بازارِ حسن احمد حسین خاں کا وہ پہلا ڈراما تھا جو اسٹیج کیا گیا تھا۔

یہ مذکور آ چکا ہے کہ مولانا محمد حسین آزاد نے شیکسپیئر کے ایک ڈرامے کے ترجمے سے اردو میں ڈراما نویسی کی ابتدا کی تھی۔ ان کے بعد مختلف لوگوں نے یہ کام کیا لیکن قیاس کہتا ہے کہ اس ابتدائی زمانے میں جس شخص نے سب سے زیادہ شیکسپیئر کے ڈراموں کے ترجمے کیے تھے وہ مولوی احسان اللہ منیجر کریکی لائبریری تھے۔ بہت تلاش کے باوجود مولوی صاحب کے حالات معلوم نہیں ہو سکے البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانے میں ترجمہ کا کام ان سے زیادہ شاید کسی نے بھی نہیں کیا تھا۔ ان کے جن ترجموں کا حال معلوم ہو سکا یہ ہیں :

13- انجام بخیر تو سب کچھ بخیر

شیکسپیئر کے مشہور ڈراما All's well that ends well کا یہ اردو ترجمہ ہے۔ یہ پہلی بار 1890 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ 14

14- اوتھیلو

اسی نام کے شیکسپیئر کے ڈرامے کا مولوی احسان اللہ کا کیا ہوا یہ اردو ترجمہ ہے۔ 15 اس کی اشاعت 1890 میں عمل میں آئی تھی۔

15- بدمزاج کا سر کرنا

The taming of the shrewd کا یہ ترجمہ ہے۔ یہ بھی اسی سال میں یعنی 1890 میں اشاعت پذیر ہوا تھا۔ 16

16- بھول چوک

ولیم شیکسپیر کے ڈرامہ The comedy of errors کا یہ ترجمہ مولوی احسان اللہ نے کیا تھا اور یہ بھی اسی سال میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا تھا۔17 لائق توجہ بات یہ بھی ہے کہ مولوی صاحب نے اپنے ترجموں کے۔لیے زبان اردو کے روزمرہ کے مطابق نہایت برجستہ عنوانات مقرر کیے تھے۔

17- جیسے کو تیسا

یہ بھی مولوی احسان اللہ کا کیا ہوا ترجمہ ہے۔18 شیکسپیئر کے اصل ڈرامے کا نام Measure for measure ہے۔اس ترجمے کا سالِ طباعت بھی وہی یعنی 1890 ہے۔

18- ذراسے کام کا اتنا طومار

شیکسپیر کے ڈرامہ Much ado about nothing کا یہ اردو ترجمہ۔ہے اور یہ بھی 1890 میں طبع ہوا تھا۔19

19- رومیو جولیٹ

اس کے مترجم بھی مولوی احسان اللہ منیجر کریمی لائبریری تھے۔20 یہ ترجمہ بھی 1890 میں شائع ہوا تھا۔

20- شہزادہ ہملیٹ

ولیم شیکسپیئر کی اصل تصنیف کا عنوان Hamlet ہے۔اردو میں اس کے بھی مترجم مولوی احسان اللہ تھے۔سالِ طباعت اس کا بھی 1890 ہے۔

21- قصہ مرغوب الطبع

اصل انگریزی ڈرامے کا عنوان As you like it ہے۔مولوی احسان اللہ نے اس کے اردو ترجمہ کا نام نہایت برمحل رکھا ہے۔اس کی طباعت کا سال بھی 1890 ہے۔

22- موسم گرما کا خواب

ولیم شیکسپیر کے ڈرامے کا نام A mid summer-nights dreem ہے۔23 مولوی احسان اللہ نے ترجمہ کر کے اسے بھی اسی سال یعنی 1890 میں شائع کر دیا تھا۔

مولوی احسان اللہ کے یہ دس ترجمے ہیں جو ایک ہی سال میں چھپ کر سامنے آ گئے تھے۔ ایک قابلِ ذکر حقیقت یہ بھی ہے کہ بظاہر یہی ولیم شیکسپیئر کے ڈراموں کے اردو زبان میں کیے جانے والے اوّلین ترجمے ہیں مولوی احسان اللہ کے ترجموں کی اشاعت کے بعد ہی انگریزی خواں طبقہ کو عموماً اس کام کی طرف توجہ ہوئی تھی۔ اس صورتِ حال پر نظر کر کے کہا جا سکتا ہے کہ اردو ڈراما کو ایک خاص نہج عطا کر دینے کا کام بھی مولوی احسان اللہ نے کیا تھا۔ اس اعتبار سے ان کے کام کی قدر و اہمیت بہت زیادہ ہے۔

23- نیرنگ ستمگر

اس ڈرامے کے مصنف میر غلام عباس عُرف عباس علی (ولادت 1889 - وفات 1934) ابن حکیم میر بخش علی تھے۔ 24 انھوں نے عمر زیادہ نہیں پائی تھی۔ کم عمری میں ڈرامے کی صنف کی طرف مائل ہوئے۔ ان کا پہلا ڈراما ''نیرنگ ستمگر'' 1904 کا تالیف کردہ ہے۔ عشرت رحمانی نے ان کے بارے میں تحریر کیا ہے :

> ''ان (عباس علی) کا طرز عام فہم، فصیح اور سلیس تھا......ان کی ڈراما نگاری کا دور 1904 سے 1930 تک ہے۔ ان کی تصانیف میں نیم تاریخی، نیم سیاسی اور اسلامی موضوعات پر تمیں ڈرامے شامل ہیں۔''

24- نور جہاں

جیسا کہ مذکور ہوا یہ عباس علی کا لکھا ہوا ایک نیم تاریخی ڈراما ہے۔ سالِ تصنیف اس کا 1910 ہے۔ محمد عمر نور الٰہی نے اس کے سلسلے میں لکھا ہے :

> '' میرزا عباس (عباس علی) بھی اسی دور کے ڈراما نگار ہیں۔ نور جہاں اور نور اسلام پُرانی تصنیفات ہیں لیکن مدن' (شریمتی) منجری اور سرکاری جاسوس جو ایک ہی پلاٹ کا تسلسل ہے حالی چیز ہے۔ یہ ڈرامے اسٹیج پر کامیاب رہے ہیں۔ حال (1923) میں آپ کا ڈراما شاہی فرمان اسٹیج پر آیا۔ ڈراما گو نیا ہے مگر محض باسی کڑی کا ابال۔'' 25

عباس علی کے بعض ڈراموں کے نام یہ بھی ہیں :

پنجاب میل، لیڈی لاجونتی، جہاں آرا، شانِ رحمت، دارالسلام، موہنی بی اے، بخی سندری، وغیرہ

اِن ناموں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عباس علی نے اپنے زمانے کے ہندو اور مسلمان اوسط درجے کے گھرانوں کے معاملات و مسائل کو اپنے ڈراموں میں مثبت انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

25- زخمی پنجاب

جیسا کہ عنوان سے بھی ظاہر ہے یہ ایک سیاسی ڈرامہ ہے، اس کے مصنف لالا کشن چند زیبا لاہوری تھے۔ ان کے اس ڈرامے کے بارے میں محمد عمر نورالہی نے لکھا ہے کہ :

"اس کی ضبطی نے ہی جناب زیبا کو بانس پر چڑھا دیا ہے۔" 26؎

زیبا نے ہندی میں بھی ایک دو ڈرامے لکھے تھے لیکن ان کا معیار بہت پست ہے۔ 27؎ نتیجہ اس صورتِ حال کا یہ ہوا کہ زیبا کو اردو ڈرامہ کی تاریخ میں کوئی نمایاں حیثیت حاصل نہیں ہوسکی۔

و - ناول

اردو میں ناول (Novel) کی صنف بھی انگریزی سے آئی ہے چنانچہ اس کے نام سے بھی یہ بات ظاہر ہے۔ ابتدائی دور میں اردو نثر کی اس صنف کی طرف جن لوگوں نے توجہ کی تھی تقریباً سب انگریزی داں تھے۔ بیشتر ناول انھوں نے انگریزی سے ترجمہ کیے تھے اور فنی نقطۂ نظر سے بھی ان کی اتباع کی تھی۔ لاہور میں شروع زمانے کے جو ناول دستیاب ہوئے ہیں ان میں سے بعض کا یہاں مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

1- ٹرانسوال

یہ ایک انگریزی ناول کا اردو ترجمہ ہے۔ مترجم بہاری لال شفق غالباً لاہور کے رہنے والے تھے۔ یہ ترجمہ اسی شہر میں 1900 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

2- عمر پاشا

اس ناول میں جنگ دریائے ڈینوب اور محاربہ کریمیا کے تاریخی واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس کا نام "عمر پاشا فاتح کریمیا" رکھا گیا ہے۔ اصل ناول ضخیم ہے۔ اور انگریزی میں ہے۔ اس کا مصنف جارج ولیم ایم رینالڈس ہے۔ پنجاب کے علاقے میں یہ ناول بہت مقبول ہوا تھا چنانچہ اس زمانے میں اردو میں اس کا ترجمہ ایک سے زائد لوگوں نے کیا تھا۔

الف۔ منشی احمد دین لاہوری نے اس تاریخی ناول کا جو اردو ترجمہ کیا تھا، اسے لال برادرز لاہور نے 288 صفحوں پر چھپوا کر شائع کیا تھا۔ اس اشاعت کا صحیح سال معلوم نہیں ہے۔ بظاہر یہ ترجمہ پورے ناول کا نہیں ہے۔

ب۔ ایک ترجمہ حمیدیہ پریس لاہور سے چار جلدوں میں 1902 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ قیاساً کہا گیا ہے کہ یہ انشاء اللہ خاں کا کیا ہوا ترجمہ ہے۔

ج۔ انشا اللہ خاں کا کیا ہوا چار جلدوں پر محیط اردو ترجمہ، ایشیا بک ڈپو لاہور نے 1942 میں شائع کیا تھا یہ ترجمہ 1939 سے پہلے بھی چھپ چکا تھا۔

3- قہر دریا

لاہور کے عبدالغفور نے یہ اردو ترجمہ کیا تھا۔ اصل کتاب کے بارے میں تفصیل معلوم نہیں البتہ یہ مذکور ہے کہ 1914 میں منشی محبوب عالم کے خادم التعلیم اسٹیم پریس لاہور میں یہ اردو ناول چھپ کر شائع ہوا تھا۔

4- سیتا

کرنل میڈوز ٹیلر نے ہندوستان میں کیے جانے والے جرائم سے متعلق جو ناول لکھے ہیں، انھیں میں سے ایک یہ ہے۔ اس کے پس منظر میں 1857 کے واقعات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ اردو میں اس کے ترجمے ایک سے زیادہ لوگوں نے کیے ہیں۔

الف۔ پرشوتم لال نامی ایک شخص نے یہ ترجمہ کیا تھا۔ یہ ترجمہ کم سے کم چار مرتبہ لاہور میں چھپا تھا۔ سال طباعت معلوم نہیں ہو سکا ہے۔

ب۔ محمد رئیس الزماں نے بھی اس کا ترجمہ کیا تھا۔ اس میں 1901 کا لکھا ہوا ان کا دیباچہ بھی شامل ہے۔ یہ ترجمہ بھی چار سے زیادہ مرتبہ یعنی 1901، 1902، 1911، 1956 وغیرہ میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

ز - افسانہ

قصہ یا Short story کے لیے "افسانہ" کی اصطلاح نے رواج پایا۔ افسانہ کی خصوصیات اس طرح بیان کی گئی ہیں کہ اسے اتنا طویل نہیں ہونا چاہیے کہ قاری اکتا جائے۔ طوالت اتنی ہونی چاہیے کہ اسے ایک نشست میں پڑھا جا سکے۔ افسانے کو دلچسپ اور معنی خیز ہونا چاہیے۔ اس میں قاری کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جانا چاہیے اور اس کا حل تلاش کرنا خود قاری کا کام ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ افسانہ سنایا نہیں جاتا، لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ موضوع اور پلاٹ کی مناسبت سے اور کبھی کرداروں کے تعلق سے بھی افسانہ کے لیے عنوان مقرر کیا جاتا ہے۔

اردو میں حکایتوں، لطیفوں اور نقلوں وغیرہ کا چلن تو پہلے سے تھا لیکن انسانی زندگی کے معمولات سے متعلق افسانوں کا رواج 1857 کے بعد ہوا تھا۔ افسانے بھی عموماً انگریزی سے اردو میں اخذ کیے گئے تھے چنانچہ انگریزی کی Short stories ہی کو عموماً نمونہ اور معیار کا درجہ حاصل رہا ہے۔ بیشتر افسانے انگریزی سے ترجمہ ہو کر اردو میں آئے تھے، اور ابتدائی زمانے کے تقریباً سبھی افسانہ نویس انگریزی خواں تھے۔ یہاں صرف بعض کا احوال مجملاً درج کیا جاتا ہے۔

1- احمد حسین

خان احمد حسین خاں بی اے ابن خان بہادر ڈاکٹر محمد حسین خاں بنیادی طور پر شاعر تھے۔1 احمد تخلص کرتے تھے اور مرزا ارشد گورگانی سے اصلاح لیتے تھے۔ سالِ ولادت 1869 اور تاریخ وفات یکم جنوری 1957 ہے۔ دیوان آبِ بقا کے نام سے مرتب ہوا تھا۔ ڈیڑھ درجن کے قریب ان کی نثری تصانیف ہیں جن میں سیرتِ احمدی (سوانح)، مکافاتِ عمل، نظیر بیگم (ناول) کے علاوہ ان کے افسانوں کے مجموعے بھی ہیں :

الف۔ آبشار۔ ولیم شیکسپیئر کے سولہ ڈراموں کے افسانوی روپ کا یہ مجموعہ ہے۔2 یہ ترجمے احمد حسین خاں نے کیے تھے۔ اس مجموعے کو فیروز سنز لمیٹیڈ لاہور نے شائع کیا تھا۔ سالِ طباعت معلوم نہیں ہو سکا۔

ب۔ شیکسپیئر کے افسانے۔3 یہ بھی شیکسپیئر کے سولہ ڈراموں کا افسانہ کی صورت میں خلاصہ ہے۔ اس کے مولف بھی احمد حسین خاں تھے۔ اس مجموعے کو بھی فیروز سنز لمیٹیڈ لاہور نے 446 صفحوں پر چھپوا کر شائع کیا تھا۔ اس مجموعہ کا بھی سالِ طباعت معلوم نہیں۔

ج۔ ارغواں زار چارلس ڈکنس کے افسانوں کے بھی احمد حسین خاں نے اردو میں ترجمے کیے تھے۔4 یہ ان ترجموں کا مجموعہ ہے۔ اسے فیروز سنز لمیٹیڈ لاہور نے شائع کیا تھا۔ اشاعت کا سال معلوم نہیں۔

2- تیرتھ رام فیروز پوری

تیرتھ رام پنجاب کے ضلع فیروز پور کے رہنے والے تھے۔5 انھوں نے اچھی عمر پائی تھی۔ 1950 میں فوت ہوئے۔ یہ اپنے ناولوں اور افسانوں وغیرہ کے لیے مشہور ہوئے۔ زیادہ ترجمے کیے تھے۔ ان کے ابتدائی زمانے کے افسانوں کا ایک مشہور مجموعہ ''افسانۂ بنگال'' ہے۔6 یہ بنگال کے آٹھ معروف افسانہ نگاروں کے آٹھ منتخب افسانوں کے انگریزی کی معرفت اردو ترجمہ کا مجموعہ ہے۔ اس کے ناشر نراین دت سہگل اینڈ سنز لاہور تھے اور سالِ اشاعت 1913 ہے۔

3- پیارے لال آشوب

لالا سری رام نے ان کے حالات میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ اس طرح ہے :

"قبلہ وکعبہ رائے بہادر ماسٹر پیارے لال راقم تذکرہ کے عم نامدار ہیں۔
1838 میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ دہلی کالج اور آگرہ کالج میں تعلیم
پائی۔ 36 سال کی ملازمت کے بعد پنشن لے کر گاہے لاہور، گاہے دہلی
میں رہے۔"7

آشوب اردو کے اولین افسانہ نویسوں میں سے تھے۔ خلیل الرحمٰن داودی مرحوم نے لکھا ہے:

"ماسٹر پیارے لال آشوب نے 1864 میں لاہور پہنچ کر.....رسوم ہند کے
اولین یہ تین باب لکھے: ہندوؤں کی ذاتوں کا بیان، ہندوؤں کی مذہبی باتوں کا
بیان، من سکھی اور سندر سنگھ کا قصہ"8

من سکھی اور سندر سنگھ کے قصہ میں ایک جوگی کے کرتب دکھانے اور لوگوں کو لوٹ لینے کا حال بیان کیا ہے۔ قصہ کے آخر میں کہا ہے :

"بھگوان جانے یہ کون لوگ تھے شاید مینے یا باور یے کی قوم سے ہوں گے۔
سچ کہا ہے پسی ہوئی دوا اور منڈے ہوئے جوگی کا کچھ حال معلوم نہیں
ہوتا۔"9

قطع نظر اس سے کہ قصہ میں ہر جگہ کرداروں کے حسب حال دیہاتی زبان کا استعمال کیا ہے، اس زمانے کے رسم ورواج، کھیل تماشوں اور مشغلوں وغیرہ کا بڑی خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک موقع پر پہیلیاں بوجھانے کا بیان بھی کیا ہے۔

یہ تو صحیح ہے کہ اس قصہ کو موجودہ اصطلاحی معنوں میں افسانہ نہیں کہا جا سکتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس میں افسانے کی بیشتر خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ رسوم ہند میں اس قصہ کے آغاز میں ایک لوح اس طرح شامل کی گئی ہے:

رسوم ہند

قصہ مَن سُکھی اور سندر سنگھ

1869

مطبع سرکاری میں چھپا

اور یہ قصہ 79 صفحوں پر چھپا ہے۔

کتاب رسوم ہند میں درج ذیل قصے بھی شامل کیے گئے ہیں :

الف۔ خوشحال چند اور ہیرا

ب۔ دولت رام اور مونگا

ج۔ کروڑی مل اور گنگی کا قصہ

د۔ جہاں آرا بیگم اور محمد یوسف

ہ۔ گیتی آرا بیگم اور محمد جمیل الدین کا قصہ

ان سب کو اردو افسانہ کے ابتدائی نقوش کی حیثیت حاصل ہے۔

ح - داستان

19ویں صدی عیسوی کے وسط میں ہی لاہور کے علمی اور ادبی ماحول پر بھی انگریزی کے اثرات کم وبیش نمایاں ہونے لگے تھے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اس شہر میں بتدریج داستان نویسی کا چلن کم سے کم ہو چلا تھا۔ داستان کی جگہ اس سے مماثل انگریزی کی نثری اصناف رواج پانے لگی تھیں۔ داستان نویسی کے فن سے دلچسپی رکھنے والے اس شہر میں معدودے چند اشخاص رہ گئے تھے۔ یہاں ان میں سے ایک دو کا احوال مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔

1- سیفی

ان کا زیادہ وقت غالباً مضافات میں گذرا تھا۔ لالا سری رام نے ان کے حالات میں جو لکھا ہے اس طرح ہے:

> "سیفی، سید نادر علی شاہ پہلے ضلع اسکول ہوشیار پور میں مدرّس رہے۔ پھر پٹیالہ اخبار سے تعلق ہوگیا۔ پنجاب کے ابتدائی اخبار نویسی کے دور میں یہ مشہور اہل قلم اور عمدہ مضمون نگار تھے۔ عربی، فارسی میں اچھی لیاقت تھی۔ موزوں طبع لیکن معمولی شاعر تھے۔"1

مضمون نگاری کے ساتھ سیفی نے داستان نویسی سے بھی دلچسپی لی تھی۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے ان کے کیے ہوئے بوستان خیال کے ترجمے کا ذکر کیا ہے۔ لکھا ہے :

"اس داستان کے لکھنوی ترجمے کا ایک اور خلاصہ سید نادر علی سیفی نے اٹھارہ جلدوں میں کیا ہے..... انھوں نے لاہور سے ایک اخبار "رہبرِ ہند" جاری کیا تھا جو ہفتے میں دو بار شائع ہوتا تھا۔ اسی میں یہ تمام جلدیں بالاقساط 1309ھ/ 1891 سے آٹھ نو سال تک مطبع سیفی لاہور میں برابر چھپتی رہیں..... سیفی نے خلاصے کے لیے لکھنوی ترجمے کو سامنے رکھا تھا..... لکھنوی عبارت سے سیفی کی عبارت مختصر ہے لیکن بیان بالکل وہی ہے..... ان کے یہاں وہ سب کچھ موجود ہے جو قاری کے لیے دلچسپی فراہم کر سکتا ہے۔"2

خود سیفی نے اپنے ترجمہ کے بارے میں جو لکھا ہے، اس طرح ہے :

"اما بعد عاصی نادر علی سیفی ولد سیف علی مرحوم موسوی نعمت خانی ساکن لاہور عرض کرتا ہے، میں نے ..... تین مطابع میں اخبار نویسی کی اور آخر اگست 1875 میں اپنا مطبع بنام مطبع سیفی قائم کیا اور اخبار "رہبرہند" جاری کیا..... بستانِ خیال کو بہ وجہ اس کی ضخامت اور قیمت کے ہر ایک شخص خرید نہیں سکتا اور جا بجا خلافِ تہذیب الفاظ و بیانات کے سبب سے عورتوں اور بچوں کے پڑھنے کے قابل نہیں ہے۔ پس میں نے اسے مختصر کیا ہے اور الفاظ و بیاناتِ مذکور کو خارج و تبدیل کر دیا ہے۔"3

اس طرح سیفی کا یہ خلاصہ بقول ڈاکٹر سہیل بخاری اس قابل ہو گیا ہے کہ اس کے نئے ایڈیشن شائع کیے جائیں۔

2- فصیح

ان کی ایک داستان کا ذکر پروفیسر گیان چند جین نے اس طرح کیا ہے :

"فسانہ عجیب الخلقت یا گلیور صاحب کی سیاحت از: منشی غلام قادر فصیح، سبحانی پریس لاہور- انگریزی سے ترجمہ"4

جین صاحب نے اس کو "کم اہم حکایتوں اور داستانوں" میں شمار کیا ہے۔

غلام قادر فصیح کو انگریزی سے ترجمہ کرنے کا شوق معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے جارج ولیم ایم رینالڈس کے ایک انگریزی ناول کا بھی اردو میں "دربار پیرس کے اسرار" کے نام سے ترجمہ کیا تھا۔ یہ ترجمہ بھی لاہور سے لالا رام داس نے 1939 سے پہلے کسی وقت شائع کیا تھا۔5

ط - پہیلیاں

دہلی میں ایک مدت سے منظوم پہیلیاں لکھی جارہی تھیں۔ سودا اور انشا وغیرہ کے کلیات میں متعدد پہیلیاں موجود ہیں۔ سعادت یار خاں رنگین نے پہیلی کو اردو شاعری کی مروجہ اصناف میں شمار کیا ہے۔1 بہ ایں ہمہ معلوم ہوتا ہے کہ عوام فرصت کے اوقات میں اپنی بول چال کی زبان میں بھی پہیلیاں بوجھاتے تھے اور اس طرح اِن کو اردو نثر کی اصناف میں بھی قابلِ ذکر حیثیت حاصل تھی۔

پیارے لال آشوب نے اپنی کتاب "رسوم ہند" (مطبوعہ لاہور 1868) میں ایک موقع پر دو پہیلیاں اس طرح درج کی ہیں :

"من سکھی نے کہا: نہیں بیرن، لے میں ایک پہیلی کہوں۔ بتادے گا؟

موہن نے کہا: کہہ

من سکھی بولی: کھیت میں اُپجے سب کوئی کھائے۔
گھر میں ہوئے تو گھر بہہ جائے۔

موہن نے جواب دیا: بھلی پہیلی کہی۔ یہ تو پھوٹ ہے پھوٹ

پھر من سکھی نے کہا: اچھا یہ بتا

ہری تھی، من بھری تھی، سوالا کھ موتی جڑی تھی۔

راجا جی کے باغ میں دوشالہ اوڑھے کھڑی تھی۔

موہن نے کہا: جی جی، یہ تو نہیں بتائی جائے -تو ہی بتا دے

وہ بولی: کہہ بارا، جھک مارا، کنویں کا پنہارا

موہن نے کہا: یہ تو نہیں کہوں۔

من سکھی نے کہا: اچھا تو بتا ہی دوں؟ کوکڑی ہے۔

اس کے بعد من سکھی نے اور بہت سی پہیلیاں کہیں۔" 2

پہلی پہیلی میں ایک ہی لفظ کے دو مختلف معنی سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ یہاں گویا صنعتِ ایہام سے کام لیا ہے۔ دوسری میں ایک چیز کی صورت اور ساخت کے بیان سے پہیلی بنائی گئی ہے۔ ان مثالوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پہیلیوں کے انداز مختلف اور متنوع ہوتے تھے۔

س - خطوط

نہ تو خدا کا ملک تنگ ہے اور نہ اس کی مخلوق کا شمار ممکن ہے لیکن میر علی اوسط رشک کے بقول حقیقت یہ ہے کہ ع

بڑی تقدیر ہے دنیا میں جس کو نام ملتا ہے

خطوں کے واسطے سے معلوم نہیں کتنے لوگوں نے اپنے دل کی بھڑاس کیسے کیسے نکالی ہوگی لیکن خطوط نویسی کے فن کے لیے شہرت اُسی کو حاصل ہو سکی جس کے لیے مقدر ہو چکی تھی۔ مینیجر مرغوب ایجنسی لاہور نے ''مکتوباتِ آزاد'' کی '' تمہیدِ طبعِ ثانی'' میں لکھا ہے:

> '' شایقین کا دست خریداری ہندوستان کی ہر دلعزیز اور مقبول زبان کے سب سے بڑے ادیب اور مربّی کے کلام بالا کلام کے لیے برابر دراز ہوتا دیکھ کر ہم نے اس مجموعہ کو ...... دوبارہ اس موزوں سائز پر خوب صورت ایڈیشن میں چھاپ دیا ہے۔''[1]

اس مجموعہ میں 1882 سے 1888 تک کے خطوط شامل ہیں۔ زبان ان سب کی نہایت صاف، شستہ اور رواں ہے۔ انگریزی کے طریقہ کے مطابق نامہ نگار نے القاب و آداب کو بہت مختصر کر دیا ہے لیکن مشرقی اسلامی تہذیب کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کیا ہے یعنی کوئی خط

سلام ودعا سے خالی نہیں ہے۔ کوئی خط ایسا نہیں جو خود یہ نہ کہہ رہا ہو کہ اس کا لکھنے والا ایک عالم، فاضل مسلمان ہے۔ مطالب واضح اور بیان قطعی اور دوٹوک ہوتا ہے۔ ہر خط لفاظی اور یاوہ گوئی سے عاری ہے۔ غرض کئی اعتبار سے یہ خطوط مطالعہ اور قدر کے لائق ہیں۔ سید جالب دہلوی نے ان خطوں کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

> ''ان مکتوبات کے ذریعہ سے رسالہ مخزن نے نہ صرف مولانا کی بے تکلفانہ تحریر کا ایک دل آویز نمونہ شائقینِ اردو کو دکھایا ہے بلکہ بالواسطہ ان کی پُر حوادث مگر قیمتی زندگی کے حالات کا وہ دلچسپ حصہ بہم پہنچایا ہے جس کا مہیا ہونا خود حضرت آزاد سے بھی نظر بہ حالاتِ موجودہ سخت دشوار ہے۔'' 2

لاہور کے بعض اور لوگوں کے خطوں کے مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں لیکن بیشتر کا زمانہ بعد کا ہے اس لیے یہاں ان کا ذکر غیر ضروری معلوم ہوا۔

ص - متفرقات

کہا جا چکا ہے کہ لاہور مدّت سے کتابوں کی تجارت کا معروف مرکز تھا۔ پھر انگریزوں کے زمانے میں اس باب میں خوب ترقی ہوئی اور ہر قسم کے موضوعات اور مضامین سے متعلق کتابیں لکھی اور چھاپی جانے لگیں۔ یہاں مثال کے طور پر مختلف عنوانات سے متعلق چند کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1- معلوماتِ شادی

شادی کے بارے میں مختلف قوموں کی رسموں، رواجوں سے متعلق یہ کتاب منشی محبوب عالم کی خادم التعلیم پریس لاہور سے 144 صفحوں پر 1896 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ 1 اس کے مصنف بھی منشی صاحب ہی تھے۔

2- جغرافیۂ مصر

منشی محبوب عالم نے یہ کتاب بھی اپنے پریس سے 108 صفحوں پر چھپوا کر 1902 میں شائع کی تھی۔ 2 ناشر اس کتاب کا بھی دفتر پیسہ اخبار لاہور تھا۔

3- لکنت اور اُس کا علاج

مولف اس کتاب کے منشی محمد دین خلیق تھے۔ 3 اسے بھی خادم التعلیم پریس لاہور میں 50 صفحوں پر 1900 میں چھپوایا گیا تھا۔

4- کتوں کے ہر قسم کے حالات

اس کتاب کے مولف بھی منشی محبوب عالم تھے۔ انھوں نے اس کو 103 صفحوں پر 1901 میں اپنی خادم التعلیم پریس لاہور میں چھپوایا تھا۔4

5- انتخاب بحرِ حکمت

پنجاب کے ایک مشہور ڈاکٹر رحیم خاں تھے جو لاہور سے ایک اخبار ''بحرِ حکمت''5 نکالتے تھے۔ انھوں نے کئی کتابیں بھی لکھی تھیں۔ انہی میں ایک ''انتخاب بحرِ حکمت'' نامی کتاب بھی تھی۔ سبب تالیف اس کا یہ ہوا کہ کسی نے لکھا تھا :

> ''جناب ڈاکٹر رحیم خاں صاحب مہتمم بحرِ حکمت لاہور...... التماس کرتا ہوں کہ ان سوالوں کا جواب شافی درج اخبار فرمادیں تاکہ ہم جیسے نیٹو ڈاکٹروں کی سمجھ میں بھی باتیں آجاویں۔''

یہ کتاب 1280ھ/64-1863 کے بعد کسی وقت 18 صفحوں پر چھپی تھی۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس زمانے کے انگریز ہندستانیوں کو نیٹو (Native) کہتے تھے۔

6- مختصر جغرافیۂ عالم

یہ دراصل ایچ بلاک مین کی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔6 مترجم محمد دین ہے لاہور کی مفید عام پریس میں یہ ترجمہ پہلی مرتبہ 1877 میں 600 صفحوں پر چھپا تھا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن 1883 میں نکلا تھا۔

7- رسالہ انواع حقیقت آراضی ملک پنجاب

یہ بیڈن پال کی مختصر کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ مترجم لالا جیارام ہیں۔7 اس کو منشی گلاب سنگھ نے مطبع مفید عام لاہور میں 77 صفحوں پر چھپوا کر 1886 میں پہلی بار شائع کیا تھا۔ یہ رسالہ اکسٹرا اسسٹنٹی کے مقابلہ کے امتحان کے لیے مقرر تھا۔

ان مثالوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں لوگوں کو عام اور مفید معلومات کے حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ حکومتِ وقت بھی اس معاملہ میں طرح طرح سے تعاون کر رہی تھی۔ مختلف علوم وفنون کی ان کتابوں نے زبانِ اردو کو شعر وافسانہ کی حدوں سے نکال کر علمی اور فنی زبان کی حیثیت دے دی تھی۔

ف - اخبارات ورسائل

چھاپے خانوں کے قیام کے بعد 1857 سے پہلے لاہور شہر سے کئی اخبارات اور رسالے جاری ہو گئے تھے۔ ان میں سے زیادہ قابلِ ذکر یہ تھے۔

1- دریائے نور   ہفتہ وار   1850 میں، پھر 1851 میں نکلا

2- کوہ نور   ہفتہ وار   1850 میں جاری ہوا، پھر 1851 میں دوبار اور کچھ مدت کے بعد تین مرتبہ نکلتا رہا۔ 1883 میں یہ روز آنہ ہو گیا اور آخر میں پھر ہفتہ وار ہو گیا۔

3- ہمائے بے بہا   پندرہ روزہ 1853 میں جاری ہوا۔

4- معلم ہند   ماہنامہ   یہ تعلیمی رسالہ جولائی 1854 میں نکلنا شروع ہوا۔

5- لاہور گزٹ   ہفتہ وار   1855 میں اس کا اجرا ہوا۔

6- معلم العلوم   ماہنامہ   یکم مئی 1856 میں جاری ہوا۔

اس مختصری فہرست سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس شہر میں جتنے بھی اخبار اور رسالے نکلے تھے تقریباً سب علمی، تعلیمی، ادبی، سیاسی اور اخلاقی تھے۔ ان میں سے بہت کم ایسے معلوم ہوتے ہیں جن کا تعلق کسی مخصوص طبقہ فرقہ یا مذہب سے رہا ہو۔

پنجاب پر انگریزوں کے تسلط کے بعد اخبارات وغیرہ کی تعداد زیادہ ہوگئی اور بعض کسی شہر یا علاقے کے ساتھ مخصوص تھے مثلاً :

1- دہلی پنچ ہفتہ وار یکم جون 1880 سے نکلنا شروع ہوا

2- خیر خواہ کشمیر ہفتہ وار یکم اکتوبر 1884 کو جاری ہوا

3- آفتاب پنجاب ہفت روزہ 1885 سے دس بارہ برس پہلے نکلنا شروع ہوا تھا

4- پنجاب سماچار ہفتہ وار سال اجرا 1891 ہے۔

وہ زمانہ تھا جب ملک میں نیا تعلیمی نظام جاری ہوا تھا۔ اس کی مناسبت سے بھی لاہور میں حصۂ داخبارات اور رسالے نکلنے شروع ہو گئے تھے۔ بعض یہ ہیں :

1- انوار الشمس ہفتہ وار اجرا 1867 سرکاری قوانین و احکام سے متعلق

2- کلید قوانین ماہنامہ یکم جنوری 1883 میں جاری ہوا
عدالت کے فیصلوں وغیرہ پر یہ مشتمل ہوتا تھا۔

3- طب حیوانات ماہنامہ جولائی 1884 میں نکلنا شروع ہوا

4- انجینئرنگ گائیڈ ماہ وار یکم جنوری 1885 کو پہلا شمارہ نکلا

5- انڈین آرکیٹکٹ ماہانہ 1885 میں جاری ہوا
پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ کے کالجوں، اسکولوں
محکموں کے لیے

6- باغبان ماہنامہ اجرا یکم دسمبر 1886

7- بچوں کا اخبار ماہ وار مئی 1902 میں جاری ہوا۔
بچوں کی تعلیم و تربیت سے متعلق

شعر و ادب اور متعلق مضامین و موضوعات کے لیے بھی لاہور شہر میں کئی اچھے اور مفید اخبار اور رسالے نکلتے تھے۔ ذیل میں صرف ایک دو کے نام درج کیے جاتے ہیں۔

1- انجمن اشاعتِ مطالب مفیدۂ پنجاب ہفتہ وار 1865 میں جاری ہوا۔
اس کے ایڈیٹر محمد حسین آزاد تھے۔ بعد میں اس کا نام رسالہ انجمن پنجاب ہوگیا تھا۔

2- اردو اخبار   ہفتہ وار   اجرا1904 ایڈیٹر منشی محمد دین فوق

انگریزوں کے زمانے میں مختلف مذہبوں، فرقوں اور قوموں کو ترقی دینے کی شعوری کوشش کی گئی تھی۔ ہر طبقہ کے افراد نے خود کو متحد اور منظم کرنے کی سعی کی۔ اسی سلسلے میں ہر ایک کے مفید مطلب اخبار اور رسالے جاری ہوئے۔ کچھ یہ ہیں :

الف- ہندو

1- گیاودنی پتر کا	ماہنامہ	یکم جون1865 سے جاری ہوا اردو ہندی دونوں زبانوں میں چھپتا تھا
2- ہادی حقیقت	پندرہ روزہ	اجرا1873 برہمو سماج تحریک کا ترجمان اردو ہندی دونوں میں شائع ہوتا تھا
3- ہندو باندھو	ماہنامہ	یکم اپریل1875 سے نکلنا شروع ہوا
4- برادر ہند		بعد میں ماہنامہ ہو گیا تھا 1880 میں جاری ہوا تھا
5- دھرم جیون قومی ستیاس دھرم کا ترجمان	پندرہ روزہ	13/ جنوری1883 سے نکلنا شروع ہوا اور راجا رام موہن رائے کی تحریک کا حامی
6- کھتری سماچار	ہفتہ وار	اجرا1890 کھتری برادری کی اصلاح و ترقی کا خواہاں
7- کائستھ متر	ماہنامہ	کائستھ قوم کا سماجی اصلاحی رسالہ 1891 میں نکلتا تھا۔
8- آریہ گزٹ	ہفتہ وار	1896 میں جاری ہوا

اس مختصر سی فہرست سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انگریزوں کے ابتدائی زمانے سے ہی ہندو مذہب کی تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ہندوؤں کی مختلف ذاتوں اور فرقوں کے علاوہ ان کے الگ الگ عقیدوں کی ترویج و تلقین کے لیے رسالے اور اخبار شائع ہو رہے تھے اور ان کی ادارت اور اشاعت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں تھی جن کی رسائی حکامِ بالا تک تھی۔

ب- سکھ

1- خالصہ ہفتہ وار اجرا اپریل1913

2- خالصہ گزٹ ہفتہ وار 16/جون1886 کو جاری ہوا

اس کے بانی بھائی نند گوپال سکریٹری خالصہ مینجنگ کمیٹی لاہور تھے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ اُنیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں بھی سکھ منظم طور پر اپنی قوم کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ حکومت وقت بھی ان کی قدر شناس تھی چنانچہ اکثر موقعوں پر ان کو ''اہل'' بھی کہا گیا ہے۔

ج- قادیانی

وہ زمانہ تھا جب قادیانی تحریک ابتدائی مدارج میں تھی۔ قادیان سے باہر نکل کر پنجاب کے اور بھی بعض مقاموں سے ان کے اخبار وغیرہ نکلنے لگے تھے مثلاً :

پیغامِ صلح ہفتہ وار اجرا1913 ایڈیٹر-محمد اعظم علوی

اسلامی اور اتحاد بین المسلمین کا داعی، احمدی خیالات کا ترجمان احمدی ما

د- عیسائی

جیسا کہ مذکور ہوا صوبہ شمال مغربی میں لاہور کو صدر مقام کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ اِس شہر میں انگریز حکام اور مبلغین بھی خاصی تعداد میں جمع ہو گئے تھے۔ ان حالات میں اِس شہر سے مسیحی عقائد سے متعلق کئی رسالے نکلنے لگے تھے۔ بعض یہ ہیں :

1- ترقی ماہنامہ اجرا جنوری1902

یہ مسیحی تبلیغی رسالہ تھا اس کے ناشر سکریٹری پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، لاہور تھے۔

2- حقائق عرفان ماہنامہ جنوری1868 میں جاری ہوا تھا

ایڈیٹر پادری عمادالدین تھے۔ یہ رسالہ مطبع آفتاب پنجاب لاہور میں چھپتا تھا۔ لیکن اس کی اشاعت امرتسر سے ہوتی تھی۔

3- تجلی ماہنامہ اجرا جنوری 1906

ریلیجس بک سوسائٹی لاہور کا ترجمان

عیسائی تبلیغی رسالہ

ہ- مسلمان

1- ناصر الایمان ماہنامہ اجرا 1875

اس رسالے کے مالک اور ایڈیٹر سید نادر علی شاہ سیفی تھے جن کا حال ''داستان'' کے سلسلے میں لکھا جا چکا ہے۔ ان کا یہ رسالہ ان کے مطبع سیفی لاہور میں چھپ کر شائع ہوتا تھا۔

2- اشاعۃ السنۃ ماہنامہ اجرا 1878 سے کچھ قبل

مسلک اہل حدیث کا ترجمان

3- رسالہ مدرسہ علوم اسلامیہ - 1306ھ/1888ء دینی، تعلیمی اور علمی رسالہ

4- رسالہ انجمن حمایت الاسلام ماہنامہ رمضان 1302ھ/1884ء میں جاری ہوا

5- اشاعت الاسلام ماہنامہ جولائی 1914 میں نکلنا شروع ہوا۔

بتایا گیا ہے کہ یہ اسلامک ریویو، لندن کا ترجمہ ہوتا تھا۔

6- ککے زئی سوشل رفارمر ماہوار اگست 1899 میں جاری ہوا

7- انوار الصوفیہ ماہنامہ جنوری 1913 میں نکلنا شروع ہوا۔

یہ انجمن خدام المدینہ کا ترجمان تھا۔

اسلام اور مسلمانوں کے مختلف طبقوں اور پیشہ وروں سے متعلق اس زمانے میں کچھ اخبار اور رسالے جاری تو ہو گئے تھے لیکن ان کی تعداد کچھ زیادہ نہیں تھی۔

اخباروں وغیرہ کی جو مختصر سی فہرست اوپر دی گئی ہے اس پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ سب سے پہلے ہندوؤں کے عقائد سے متعلق رسالے جاری ہوئے۔ پھر عیسائی مذہب سے متعلق رسالے نکلنے شروع ہوئے اور پھر اسلامی عقائد کی اشاعت کا آغاز ہوا۔ اس صورت حال سے غالباً اردو کی نظم و نثر کے میلان کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مختلف مذاہب سے متعلق رسالوں وغیرہ کے اشاعت کا بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ موجود ادبی

اور علمی سرمایہ کو بھی اسی نظر سے دیکھا جانے لگا چنانچہ منشی چندو لال شفق نے بھی خم خانۂ جاوید کی تقریظ میں لکھا ہے :

> '' مولانا آزاد کی کتاب آبِ حیات میں بیچارے ہندو شاعروں کو کہیں کہیں فٹ نوٹوں یا حواشی پر جگہ دی گئی ہے اور لالا سری رام صاحب کے تذکروں میں یہ کمی بھی پوری کی گئی ہے۔''1

اس قسم کی تنقیدیں اردو ادب کے روایتی اور مسلمہ مزاج کے خلاف تھیں اس لیے زمانے نے ان کو مسترد کر دیا۔

OOO

حواشی

1-	خم خانۂ جاوید	جلد4 تقاریظ	ص 46
2-	ہندوستان کی تحریک آزادی		ص 351

الف - شاعری

1-	خم خانۂ جاوید	جلد5	ص 203
2-	ایضاً	جلد3	ص 485
3-	ایضاً	جلد3	ص 352
4-	ایضاً	جلد2	ص 294 تا 295
5-	ایضاً	جلد5	ص 56 تا 58
6-	تاریخِ ادبیاتِ مسلمانان	جلد4	ص 311
7-	مجلہ نقوش-لاہور نمبر 2		ص 952
8-	تاریخِ ادبیاتِ مسلمانان	جلد4	ص 308
9-	ایضاً	جلد4	ص 112
10-	نقوش-لاہور نمبر 2		ص 917

11-	خم خانۂ جاوید	جلد 1	ص 80 تا 84
12-	رسوم ہند		ص 81

ب ۔ عروض

1-	مقدمہ شعروشاعری		ص 32 تا 33
2-	مقدمہ شعروشاعری		ص 32 تا 33
3-	نقوش۔لاہور نمبر	حصہ 2	ص 920
4-	منتہی العروض		ص 3 تا 4

ج ۔ تذکرے

1-	خزینۃ الاصفیا	جلد 1	ص 1 تا 4
2-	آب حیات کا تنقیدی مطالعہ		ص 13
3-	آب حیات		ص 404 تا 405
4-	دیوان ذوق		ص 11 تا 12
5-	آب حیات کا تنقیدی مطالعہ		ص 11
6-	ایضاً		ص 10
7-	نقوش۔لاہور نمبر	حصہ 1	ص 536

د ۔ سوانحات

1-	تاریخ ادبیات مسلمانان	جلد 4	ص 449
2-	قاموس الکتب	جلد 2	ص 172
3 ، 4-	کتابی دنیا		ص 90
5-	قاموس الکتب	جلد 2	ص 302
6-	ایضاً	جلد 2	ص 172
7-	ایضاً	جلد 2	ص 269
8-	ایضاً	جلد 2	ص 241

9-	تحقیق نامہ		ص 353
10-	کتابیات تراجم	حصہ 2	ص 128
11-	تاریخ ادبیات مسلمانان	جلد 4	ص 452 تا 453
12-	مخطوطات اردو گنج بخش		ص 126
13-	ایضا		ص 100
14-	تحقیق نامہ		ص 355 تا 356
15-	ایضاً		ص 353
16-	ایضاً		ص 354
17-	ایضاً		ص 340 تا 342
18-	ایضاً		ص 342 تا349
19-	ایضاً		ص 356
20-	ایضاً		ص 357
21 ،	قاموس الکتب	جلد2	ص 150
22-			
23-	کتابیات پاکستان کے اخبارات		ص 31
24،25-	قاموس الکتب	جلد2	ص 297
26-	مجلہ نقوش لاہور نمبر	حصہ 2	ص 942
27-	کتابیات تراجم	حصہ 2	ص 137
28-	کتابیات پاکستان کے اخبارات		ص 67
29-	قاموس الکتب	جلد2	ص 309
30-	ایضاً	جلد2	ص 289
31-	ایضاً	جلد2	ص 284
32-	ایضاً	جلد2	ص 145

-33	کتابیات تراجم	حصہ 2	ص 141
-34	ایضاً	حصہ 2	ص 142
-35	قاموس الکتب	جلد 2	ص 295
-36	کتابیات تراجم	حصہ 2	ص 172
-37	قاموس الکتب	جلد 2	ص 296
-38	ایضاً	جلد 2	ص 291
-39	تاریخ لاہور		ص 40
-40	تاریخ ادبیات مسلمانان	جلد 4	ص 449
-41	غالب ببلیوگرافی		ص 10
-42	مخطوطات اردو گنج بخش		ص 89
-43	ایضاً		ص 93
-44	قاموس الکتب	جلد 2	ص 133
-45	کتابیات پاکستان کے اخبارات ورسائل		ص 148

ہ - ڈراما

-1	اردو اسٹیج ڈراما		ص 234
-2	ناٹک ساگر		ص 390
-3	تاریخ ادبیات مسلمانان	جلد 4	ص 443
-4	اردو اسٹیج ڈراما		ص 170
-5	نقوش-لاہور نمبر	حصہ 2	ص 771
-6	ناٹک ساگر		ص 372
-7	ایضاً		ص 387
-8	نقوش-لاہور نمبر	حصہ 2	ص 914 تا 915

-9	کتابیات پاکستان کے اخبارات		ص 512
-10	تاریخ ادبیات مسلمانان	جلد4	ص421
-11	کتابیات تراجم	حصہ2	ص 82
-12	نقوش-لاہور نمبر	حصہ2	ص 771
-13	ناٹک ساگر		ص 391
-14	کتابیات تراجم	حصہ2	ص 75
-15	ایضاً	حصہ2	ص 76
-17،16	ایضاً	حصہ2	ص 78
-18	ایضاً	حصہ2	ص 84
-19	ایضاً	حصہ2	ص 78
-20	ایضاً	حصہ2	ص 88
-21	ایضاً	حصہ2	ص 92
-22	ایضاً	حصہ2	ص 95
-23	ایضاً	حصہ2	ص 99
-24	تاریخ ادبیات مسلمانان	جلد4	ص 430 تا431
-25	ناٹک ساگر		ص 372
-26	ایضاً		ص 390
-27	ایضاً		ص 396

و - ناول

-1	کتابیات تراجم	حصہ2	ص 190
-2	ایضاً	حصہ2	ص 240 تا241
-3	ایضاً	حصہ2	ص 249
-4	ایضاً	حصہ2	ص 231

ز - افسانہ

-1	وفیات مشاہیر اردو		ص 32
-2	کتابیات تراجم	حصہ 2	ص 73
-3	ایضاً	حصہ 2	ص 93
-4	ایضاً	حصہ 2	ص 73
-5	وفیات مشاہیر اردو		ص 174 تا 175
-6	کتابیات تراجم	حصہ 2	ص 168
-7	خم خانہ جاوید	جلد 1	ص 80 تا 84
-8	رسوم ہند		ص(ر =) 5
9	ایضاً		ص 80

ح - داستان

-1	خم خانہ جاوید	جلد 4	ص 324
-3،2	اردو داستان		ص 266 تا 271
-4	نثری داستانیں		ص 881
-5	کتابیات تراجم	حصہ 2	ص 209

ط - پہیلیاں

-1	سعادت یار خاں رنگین		ص 346 تا 347
-2	رسوم ہند		ص 43 تا 44

س - خطوط

-1	مکتوبات آزاد		ص-الف
-2	ایضاً		ص 26 تا 27

ص - متفرقات

-1	قاموس الکتب	جلد 2	ص 19

-2	ایضاً	جلد2	ص 83
-3	اردو میں سائنسی ادب		ص 70
-4	ایضاً		ص 123
-5	اردو مخطوطات آصفیہ	جلد 1	ص 303
-6	کتابیات تراجم	حصہ 1	ص 108
-7	اردو میں زرعی کتب		ص 56

ف - اخبارات ورسائل

اس جز کے لیے ذیل کی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے:

الف- کتابیات پاکستان کے اخبارات ورسائل-1947 تک

ب- پاکستان کے اردو اخبارات اور رسائل- کتابیات جلد اول، دوم

1- خم خانۂ جاوید جلد سوم- تقاریظ ص 36

6-بہاولپور

		بہاولپور	235
		الف - شاعری	237
-1	فرید-	خواجہ غلام فرید	237
-2	نیازی-	نیازی	237
-3	کلیم-	کلیم	239
-4	زار-	میر واجد علی	239
		ب - قصے اور ناول	241
-1	قصہ شہزادہ اسحاق		241
-2	گلزارِ شجاعت		242
-3	بن باسی		242
		ج - تواریخ	243
-1	بہاولپور کا جغرافیہ		243
-2	تاریخِ جھجھر		243
-3	تاریخ مراد		244
-4	صادق التواریخ		244
-5	صبحِ صادق		244

د - مطبع اور اخبار		247
-1	صادق الانوار و صادق الاخبار	247
-2	غمزۂ یار	248
-3	گلستان ادب	248
ہ - ادبی انجمنیں		251
حواشی		253

بہاولپور

بہاولپور کی ریاست 1727 میں قائم ہوئی تھی اور 1164ھ/1748 میں شہر بہاولپور کی بنیاد رکھی گئی۔[1] 1866 میں نواب صادق محمد خاں رابع ساڑھے چار سال کی عمر میں مسند نشین ہوئے تو امرا کی درخواست کے مطابق سرکار انگریزی نے ریاست کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ نومبر 1879 کو نواب صاحب کو اختیاراتِ حکومت ملے اور انھوں نے 1899 تک حکمرانی کی۔ پھر نواب بہاول خاں خامس چار برس حکومت کر کے فوت ہو گئے۔ ان کے بیٹے نواب صادق محمد خاں خامس کم سن تھے اس لیے ریاست پھر انگریزوں کے انتظام میں چلی گئی۔

ریاست بہاولپور میں اعلیٰ عہدوں پر ہندو حضرات فائز رہے تھے چنانچہ منشی دولت رائے، منشی چوکس رائے اور پنڈت لعل جی پرشاد وغیرہ نے نام پایا تھا۔ آخر الذکر 1877 میں وزارت کے عہدے پر مامور ہوئے تھے۔ وہ فارسی میں شعر کہتے تھے۔

الف - شاعری

جناب مسعود حسن شہاب نے مولوی محمد اعظم کو بہاولپور کا اوّلین اردو شاعر تسلیم کیا ہے۔ان کے بعد مخدوم شمس الدین سید کا نام آتا ہے جن کا فارسی، اردو اور سرائیکی کا مشترک دیوان 1864 میں مکمل ہو گیا تھا۔ان کے بعد دو ایک شاعر اور بھی ہوئے۔

1- فرید- خواجہ غلام فرید

فرید تخلص خواجہ غلام فرید نام 1261ھ میں پیدا ہوئے اور 1319ھ میں فوت ہوئے۔2 شہزادہ مرزا احمد اختر نے ان کے حالات میں ایک کتاب ''مناقب فریدی'' لکھی ہے۔کلام کا نمونہ یہ ہے۔

اللہ رے فرطِ حُسن کہ اس کی نگاہِ ناز جادو کہیں ہے، سحر کہیں، معجزہ کہیں
کمالِ عشق دیکھو جب کہ جاتا ہوں گلستاں میں زبانِ برگِ گل سے صد مبارکباد آتی ہے
ایسا بیدار سراپا دل ودیں کا دشمن شوخ دبدمست وستم گار نہ دیکھا نہ سُنا
وہ مسیحا دش مجھے جلاد سے کچھ کم نہیں نزع کی حالت میں مجھ کو چھوڑ کر جاتا رہا

2- نیازی- نیازی

سید زماں شاہ نام سید محمد ہاشم ہمدانی کے بیٹے جو خیر پور ٹامیوالی کے رہنے والے تھے۔3

اُن کے دیوان میں بھی فارسی، اردو اور سرائیکی تینوں زبانوں کا کلام ملتا ہے۔ ان کو تاریخ گوئی کا شوق تھا۔ دیوانِ غیر مطبوعہ کے علاوہ ان کی ایک منظوم کتاب ''عمدۃ المناقب'' بھی ہے جس میں حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے مناقب ہیں۔ یہ مطبع صادق الانوار بہاولپور میں 1308ھ میں چھپ گئی تھی۔ اِس میں حاشیہ پر منظومِ مناقب کی اردو نثر میں تشریح بھی درج کی ہے۔ یہ نثر صاف اور رواں ہے۔ نظم کے دو بند یہ ہیں ؎

آپ کا حضرت کے قدموں پر قدم تھا مبدم
گردنِ ہر یک ولی پر اس لیے رکھا قدم
ذاتِ والا احمدی کے آپ ہیں مظہر اتم
آپ ہیں آئینہ روئے مصطفیؐ کے واسطے

زائد از حدِّ بیاں ہے آپ کا جاہ وجلال
کب گنے جاتے ہیں اوصاف آپ کے ہے یہ محال
آپ میں سب مجتمع ہیں نو اماموں کے کمال
فخر ہو آلِ حسن ذوالا جتبا کے واسطے

اس کی تشریح میں لکھا ہے :

''مروی ہے کہ ایک روز امیر المومنین امام حسنؓ نے کشفِ باطن سے لوحِ محفوظ کا مطالعہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ اولادِ شریف سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ میں سے نو امام کرام ہوں گے اور میری اولاد میں سے صرف ایک ہی امام ذی الاحترام (یعنی حضرت محبوب سبحانی) ہوگا۔ جناب الٰہی میں عرض کیا کہ اے حکیم خبیر اس بات میں جو مستتر ہے اس سے آگاہ فرمایئے۔ ارشاد ہوا کہ جس قدر مراتب وکمالات ان سب کے ہوں گے وہ سب فقط ایک ذات اور وجود میں جمع کیے جاویں گے۔''

نیازی کی ایک نعت کے دو شعر یہ ہیں ؎

حور و ملک وانس ہیں شیدائے محمدؐ
دلکش ہے حقیقت میں سراپائے محمدؐ
موسیٰ بھی اگر دیکھے تو ہوجائیگا حیراں
وہ نورِ مجسم یدِ بیضائے محمدؐ

اور ایک غزل کے دو شعر یہ ہیں ؎

موتیوں سے اشک برساتے ہیں ہم
ان کو جوہر اپنا دکھلاتے ہیں ہم
یاد میں اُس آتشیں رخسار کے
ہر گھڑی اس دل کو سلگاتے ہیں ہم

ان شعروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ نیازی کو زبان دبیان پر قدرت حاصل تھی اور انھیں رعایتِ لفظی اور محاورہ بندی کا بہت شوق تھا۔

بے شک ان کی زبان میں قدامت کا اثر نمایاں ہے۔

3- کلیم- کلیم

لالا سری رام کی یادداشتوں میں ہے۔

''مولوی عبدالکریم صاحب بہاولپوری تلمیذ حضرت امیر مینائی لکھنوی۔''4

افسوس ہے کہ ان کے حالات بالکل معلوم نہیں ہو سکے۔ یہاں صرف ایک شعر نمونہ کے طور پر لکھا جاتا ہے ۔

زلفِ شبگوں پر نظر کی تھی کہ شامت آگئی نام قامت کا لیا تھا بس قیامت آگئی

4- زار- میر واجد علی

زار تخلص، میر واجد علی نام، بلگرام کے رہنے والے، 19ویں صدی عیسوی کے اواخر میں بہاولپور گئے تھے۔ وہیں 1929 میں وفات پائی۔ نواب بہاولپور نے ان کو شاعر دربار کا منصب عطا کر دیا تھا۔ کئی مقامی شاعروں کو اصلاح دیتے تھے گویا اس جوار میں انھوں نے شاگردی استادی کی روایت شروع کی تھی۔ غزل اور نظمیں تو معمولاً کہتے تھے لیکن ان کو نعت گوئی کے لیے زیادہ شہرت حاصل تھی۔ ایک نعت کے دو شعر یہ ہیں ۔

کسی کی شان کب شانِ محمدؐ کے برابر ہو کلام پاک میں جس کا ثناخواں ربِ اکبر ہو
شرف جس کو غلامی کا پیمبر کی، میسر ہو جہاں میں اس کا ہم رتبہ نہ کسریٰ ہو نہ قیصر ہو

زار کے بیٹے میر ناصر علی بھی شاعر تھے اور وجدی تخلص کرتے تھے۔

اس زمانے کے بہاولپور کے شاعروں میں ماسٹر ہیرالال فدا اور منشی بھگوان داس ذہین بھی قابلِ ذکر تھے۔

ب - قصّے اور ناول

نواب محمد بہاول خاں خامس کی حکمرانی کی مدت مختصر تھی لیکن اس مختصر سی مدت میں بھی اپنے عمل سے انھوں نے زبان اردو کو خوب ترقی دی۔ قطع نظر اس سے کہ انھوں نے بہاولپور میں بہاول کلب قائم کیا تھا اور اپنے زمانے میں موجود علمی، ادبی انجمنوں کی سرپرستی کی تھی، ان کی ایما پر کئی قابل ذکر تصنیفی کام بھی کیے گئے تھے۔

بتایا گیا ہے کہ نواب صاحب کو قصے سننے کا شوق تھا اور انھوں نے اپنے عملے میں بعض قصہ خواں ملازم رکھے تھے۔ اس صورت حال کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ بہاولپور میں قصہ خوانی کے فن نے ترقی کرنی شروع کی۔ یہی نہیں بلکہ کچھ عرصہ کے بعد خود نواب صاحب کو قصہ لکھنے کا شوق ہوا۔ اس سلسلے کی ان کی بعض تصانیف یہ ہیں :

1- قصہ شہزادہ اسحاق

نواب محمد بہاول خاں خامس کا تصنیف کردہ یہ پہلا قصہ (داستان) ہے۔ 1 یہ صادق الانوار پریس بہاولپور میں 1904 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اس میں مذہب آتش پرستی اور اسلام کے اصول اور معتقدات سے متعلق مدلل بحث کی گئی ہے۔ اس سے ان دونوں مذاہب سے متعلق نواب صاحب کی نہایت مفصل معلومات کا پتہ چلتا ہے۔ ساتھ ہی اس قصے میں اس زمانے کے درباروں کے آداب اور

آئین وضوابط کا بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ اس قصہ سے بہاولپور کے علاقے میں بولی جانے والی زبان بھی سامنے آجاتی ہے۔ قصہ کے آغاز کے دو تین جملے یہاں نمونے کے طور پر نقل کیے جاتے ہیں :

مہر خدا اور نعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کہتے ہیں کہ ایک ملک سرسبز خوشگوار تھا، جس کو "ہمیشہ بہار" کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کا بادشاہ نوشیروان زماں، سکندر دوراں، فریدوں حشم منصور شاہ نام تھا جس کے ماتحت کئی سو تاجداران و پہلوانان زبردست و فیل پیکر تھے۔ لوگ خوش وخرم، آسودہ حال اس کے زیرسایہ آرام سے رہتے تھے لیکن نقص یہ تھا کہ اس کا مذہب آتش پرست تھا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ بادشاہ دربار کر رہا تھا......"

2- گلزارِ شجاعت

کہنے کو یہ ایک کتاب ہے اور اس کے تین حصے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر حصہ گویا ایک الگ کتاب ہے۔

پہلا حصہ - فیروز نامہ - اس میں شہزادہ فیروز کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ سارے ہی واقعات خیالی لیکن معرکۃ الآرا ہیں۔

دوسرا حصہ (دفتر) نورالزماں نامہ - اس میں شہزادہ نورالزماں کے بیٹوں شہزادہ خورشید، وشہزادہ عین الزماں اور شہزادہ فیروز کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ قصہ شہزادہ اسحاق کو بھی اسی کتاب گلزار شجاعت کے ایک دفتر کے طور پر اس میں شامل کر لیا گیا تھا یا شاید تیسرا دفتر لکھا نہ جاسکا تھا۔ کہا گیا ہے کہ نواب صاحب نے ایک اور بہت طویل داستان لکھنی شروع کی تھی لیکن وہ بھی مکمل نہ ہو سکی۔

3- بن باسی

بَن باسی یعنی جنگل کا رہنے والا میرزا محمد اشرف گورگانی کا لکھا ہوا ایک ناول ہے۔ 2ے بتایا گیا ہے کہ یہ غالبًا 1901 میں طبع ہوا تھا۔

ج - تواریخ

بہاولپور کے نوابین نے بھی اپنے اپنے زمانے میں تاریخ نویسی کے کام کی سرپرستی کی تھی۔ فائدہ اس کا یہ ہوا کہ تھوڑی سی مدت میں تاریخ اور جغرافیہ کی کئی کتابیں وجود میں آ گئی تھیں۔

1- بہاولپور کا جغرافیہ

جناب مسعود حسن شاب نے لکھا ہے کہ میر اشرف علی 1866 میں بہاولپور آئے تھے۔ نواب صاحب نے حکمرانی کے اختیارات حاصل ہونے کے بعد 1881 میں انھیں ''مشیر حاضر باش'' کا عہدہ عطا کیا۔ ان کے بیٹے میر ناصر علی نے ''سب سے پہلے بہاولپور کا جغرافیہ لکھا جو مدت تک یہاں کے مدارس میں داخل نصاب رہا۔''[1]

2- تاریخ جھجھر

خان بہادر منشی غلام نبی میرٹھ کے رہنے والے، 1882 میں چیف جج کی حیثیت سے بہاولپور میں آئے تھے۔[2] انھوں نے قانون سے متعلق متعدد کتابوں کے علاوہ ''تاریخ جھجھر'' بھی لکھی تھی۔[3] یہ کتاب 1866 میں 320 صفحوں پر چھپی تھی۔ اس میں ریاست جھجھر ضلع رہتک کے تاریخی اور جغرافیائی حالات درج ہیں۔

3- تاریخ مراد

مسعود حسن شاب کا کہنا ہے کہ اردو میں ریاست بہاولپور میں لکھی جانے والی پہلی کتاب یہی ہے۔ اس کے مصنف سید مراد شاہ تھے۔ 4یہ کتاب چار جلدوں میں ہے۔ اس کے عنوانات فارسی میں اور متن اردو میں ہے۔ یہ 1867 اور 1875 کے درمیان لکھی گئی تھی۔ اس کے بارے میں منور علی خاں نے بتایا ہے کہ "کتاب میں بے ربطی پائی جاتی ہے اور تسلسل کا فقدان ہے۔"5

4- صادق التواریخ

اس وقیع کتاب کے مولف شہزادہ مرزا محمد اشرف گورگانی دہلوی پروفیسر تواریخ وانگلش لٹریچر اور مولوی محمد دین پروفیسر انگلش وفلسفہ صادق ایجرٹن کالج بہاولپور تھے۔ 6یہ کتاب حکومت کی ایما سے لکھی گئی تھی اور 1899 / 1317ھ میں مطبع صادق الانوار بہاولپور میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اس کی زبان نہایت صاف، سلیس اور شستہ تھی۔ منور علی خاں نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

> "صادق التواریخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عباسؓ کے واقعات سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں اُموی خاندان کی تاریخ بھی بیان کی گئی ہے۔ پھر بنو عباس کی تاریخ لکھی ہے۔ عربوں کے سندھ میں آنے اور سامانیوں وغزنویوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ خلافت مصر کے آغاز اور سندھ میں امیر سلطان احمد ثانی سے لے کر بہاول خاں رابع تک کے واقعات صحت وسند کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔"7

5- صبح صادق

اس کتاب کے مصنف مولوی عزیز الرحمٰن تھے۔ 8اس میں انھوں نے شاہان عباسیہ سے لے کر نواب صادق محمد خاں خامس تک کے حالات لکھے تھے۔ اس کا سال تصنیف 1900 ہے اور یہ پہلی بار حالی پرنٹنگ پریس پانی پت میں چھپی تھی۔ اضافوں اور ترمیموں کے ساتھ دوسری مرتبہ یہ کتاب 1943 میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے دیباچے میں مولوی صاحب نے لکھا ہے:

> "حضور ممدوح (نواب بہاولپور) کے عہد زریں میں ایک خاص صیغہ "تالیفات" کے نام سے موسوم ہے۔ راقم ناچیز کو اس سررشتہ عالیہ کی نظامت کا

فخر حاصل ہے۔ سررشتہ تالیفات بہاولپور سے ایک بہت بڑی مفصل تاریخ
خاندان عباسی کی لکھی جارہی ہے جو کئی ایک جلدوں میں پوری ہوگی اور جب یہ
تاریخ جدید اصول تاریخ نویسی کے مطابق مرتب ہوکر اشاعت پذیر ہوگی اس
وقت ملک دیکھے گا کہ اس سررشتہ نے ملک اور آقائے محترم کی کس قدر عظیم
باالشان خدمت انجام دی ہے۔''[8]

اس کتاب کی زبان جیسا کہ اقتباس بالا سے بھی ظاہر ہے صاف، بامحاورہ اور رواں ہے۔
مولوی عزیز الرحمٰن نے اس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی کتابیں اپنے ''سررشتہ تالیفات سے''
شائع کی تھیں۔

د - مطبع اور اخبار

1- صادق الانوار و صادق الاخبار

ڈاکٹر نادر علی خاں نے بہاولپور کے مطبع صادق الانوار کا سالِ اجرا 1880 لکھا ہے۔1
اس کی بنیاد یہ معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے آزاد لائبریری علی گڑھ میں اس سال کی چھپی ہوئی کوئی کتاب دیکھ لی تھی۔ صحیح یہ ہے کہ 1866 میں نواب صادق محمد خاں رابع ساڑھے چار سال کی عمر میں مسند نشین ہوئے تو حکومتِ انگریزی نے ریاست کے انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لیے اور رعایا کی فلاح کے لیے کئی اچھے کام کیے مثلاً انڈس ویلی اسٹیٹ ریلوے جاری کی۔ نہری نظام کو جدید خطوط پر استوار کیا اور 1866 میں ایک سرکاری پریس نواب صاحب کے نام پر قائم کیا۔ بتایا گیا ہے کہ سوائے سرکاری نوعیت کے احکام وغیرہ کے اس پریس میں عام کتابیں وغیرہ نہیں چھپتی تھیں۔

مطبع صادق الانوار کے اجرا کے ساتھ ہی ''صادق الاخبار'' کے نام ایک سرکاری اخبار بھی جاری کیا گیا۔ اس کا بھی وہی معاملہ تھا یعنی اس میں علمی، ادبی نظم و نثر نہیں چھپتی تھی۔ 1879 میں نواب صاحب کو حکومت کے اختیارات حاصل ہوئے تو حافظ عبدالقدوس قدسی صادق الاخبار کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ انھوں نے ایک کتاب ''جشن جمشیدی'' مرتب کر کے مطبع صادق الانوار میں

1297ھ/ 1880 میں چھپوا کر شائع کی۔ اس میں جشن متعلق نثر و نظم اور قصیدے وغیرہ جمع کیے گئے تھے۔ اسی وقت سے اخبار کا مزاج بھی بدل گیا تھا چنانچہ 24/ نومبر 1879 کے شمارے میں یہ قطعہ شائع ہوا تھا۔

صادق الاخبار کچھ پستی میں تھا2 — اب ہوا ہے اس کا عمدہ انتظام
کیوں نہ ہو سرکار عالی نامور — رات دن ہیں جن کے ایسے ایسے کام
یمن فیضانِ حضوری ہے کہ آج — صادق الاخبار کا چرچا ہے عام
مہتمم فیض الحسن صاحب ہوئے — اب چھپے گا خوب قدسی کا کلام
ہو بہاولپوریوں کو اس سے فیض — حظ اٹھائیں اس سے یارب خاص و عام
ہو چکا مطبع کا پورا بندوبست — چاہیے لاریب سال انصرام

فکر کیا قدسی ابھی لکھ دیجیے
اے لو مطبع کا ہوا خوب اہتمام

1296

اس مضمون کی مزید توضیح اور تصریح کے لیے اسی کے ساتھ نثر میں بھی ایک ادارتی نوٹ چھپا تھا۔ اس وقت سے یہ اخبار سرکاری خبروں اور احکام کے ساتھ ساتھ بہاولپور کے صاحبانِ قلم کی نظم و نثر کی اشاعت کا بھی ذریعہ بن گیا تھا۔

2- غمزۂ یار

دبیرالملک مولوی عزیزالرحمٰن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔3 ان کے بڑے بھائی حاجی عبدالرحمٰن آزاد نے 1898 میں ''غمزۂ یار'' کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا تھا۔ جناب مسعود حسن شہاب کا کہنا ہے کہ بہاولپور کی کسی لائبریری میں اس کا کوئی شمارہ بھی نہیں مل سکا ہے۔

3- نخلستانِ ادب

ہمارے پاس اس مجلّہ کا ''جشن صد سالہ نمبر'' ہے اس کے سرورق کا اندراج اس طرح ہے :

''گورنمنٹ صادق ایجرٹن کالج بہاولپور کا علمی و ادبی مجلہ نخلستانِ ادب
(پاکستان کا قدیم ترین کالج میگزین) شمارۂ خصوصی بہ سلسلۂ جشن صد سالہ
''(1886-1986)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کالج 1886 میں قائم کیا گیا تھا۔ کالج نے 1912 میں یہ مجلہ ''نخلستانِ ادب'' کے نام سے 1912 میں شروع کیا تھا۔ دستور کے مطابق اس میں کالج کے استادوں اور طالب علموں کے مضامینِ نظم و نثر شائع ہوتے ہیں۔

۵ - ادبی انجمنیں

1- 19ویں صدی عیسوی کے 8ویں عشرے کے آغاز میں اہل بہاولپور کے مل بیٹھ کر ایک دوسرے کی نظم ونثر کے سننے سُناتے کا پتہ چلتا ہے۔ یہی نشستیں نویں عشرے کے شروع میں ادبی انجمنوں کی صورت اختیار کر گئیں چنانچہ لکھا ہے :

> ''تحقیق سے یہ معلوم ہو سکا ہے کہ بہاولپور کی پہلی ادبی انجمن مارچ 1881 میں حافظ عبدالقدوس قدسی مدیر صادق الاخبار نے قائم کی تھی جس کا پہلا اجلاس 8/ مارچ 1881 کو لالا دیشن داس دہلوی کے مکان پر منعقد ہوا تھا۔ اجلاس کے لیے مصرع طرح بھی دیا گیا تھا اور نثر کے مضامین کے لیے ایک موضوع۔ '' نخوت اور خودداری جائز کا فرق بھی مقرر کیا گیا تھا۔''1

2- حاجی عبدالرحمٰن آزاد کے زیر اہتمام 1890 میں مشاعرہ کا ایک سلسلہ شروع ہوا جو ہر ہفتے منعقد ہوتا تھا اور مولوی عزیز الرحمٰن ان میں میر مشاعرہ کے فرائض انجام دیتے تھے۔

3- انجمن مویّد الاسلام کے نام سے 1891 میں ایک انجمن بنی جس کے سکریٹری میر ناصر علی تھے۔ اس انجمن کے اجلاس مختلف مقاموں پر ہوتے تھے۔ ایک اجلاس میں خود

نواب صاحب نے بھی شرکت کی تھی۔ یہ انجمن بالواسطہ طور پر نئی نسل میں علم وادب کا شوق پیدا کرتی تھی۔

4- بتایا گیا ہے کہ اسی زمانہ میں ایک انجمن اور بھی تھی جس میں میر ناصر علی اور محسن خانپوری اپنی ریختی سنایا کرتے تھے۔

ooo

حواشی

الف- شاعری

-1	بہاولپور میں اردو		ص 186 تا 187
-2	ایضاً		ص 213 تا 215
-3	ایضاً		ص 218 تا 220
-4	خم خانہ جاوید	جلد 6	ص 82

ب - قصے اور ناول

-1	بہاولپور میں اردو		ص 125 تا 128
-2	ایضاً		ص 132

ج - تواریخ

-2،1	بہاولپور میں اردو		ص 51
-3	قاموس الکتب	جلد 2	ص 474
-4	بہاولپور میں اردو		ص 114 تا 115
-5	نخلستان ادب صد سالہ نمبر		ص 31

نواب صاحب نے بھی شرکت کی تھی۔ یہ انجمن بالواسطہ طور پر نئی نسل میں علم وادب کا شوق پیدا کرتی تھی۔

4- بتایا گیا ہے کہ اسی زمانہ میں ایک انجمن اور بھی تھی جس میں میر ناصر علی اور محسن خانپوری اپنی ریختی سنایا کرتے تھے۔

ooo

حواشی

الف۔ شاعری

1-	بہاولپور میں اردو		ص 186 تا 187
2-	ایضاً		ص 213 تا 215
3-	ایضاً		ص 218 تا 220
4-	خم خانۂ جاوید	جلد 6	ص 82

ب - قصے اور ناول

1-	بہاولپور میں اردو		ص 125 تا 128
2-	ایضاً		ص 132

ج - تواریخ

1، 2-	بہاولپور میں اردو		ص 51
3-	قاموس الکتب	جلد 2	ص 474
4-	بہاولپور میں اردو		ص 114 تا 115
5-	نخلستان ادب صد سالہ نمبر		ص 31

6-	بہاولپور میں اردو	ص 131 تا 132
7-	گلستان ادب صد سالہ نمبر	ص 31
8-	بہاولپور میں اردو	ص 133 تا 134

ج - مطبع اور اخبار

1-	ہندستانی پریس	ص 119
2-	بہاولپور میں اردو	ص 142 تا 144، 123 وغیرہ
3-	ایضاً	ص 147

د - ادبی انجمنیں

1-	بہاولپور میں اردو	ص 161 تا 162

7-سیالکوٹ

	سیال کوٹ	257
	الف - شاعری	259
-1	ولی- شیخ ولی محمد	259
-2	طور- پروفیسر غلام محمد	259
	ب - جغرافیہ	261
-1	جغرافیہ عرب	261
-2	جغرافیہ ضلع سیال کوٹ	261
-3	حالات چین	261
-4	سرزمین ظفروال	262
-5	زمستان حصار	262
	ج - رسائل واخبارات	263
-1	انوارالاسلام	263
-2	الہادی	263
-3	محمڈن نیشنل میگزین	264
	حواشی	265

سیالکوٹ

سیالکوٹ صوبہ پنجاب کے بڑے شہروں میں سے ہے۔ اِس شہر میں صاحبانِ علم وادب خاصی تعداد میں رہتے تھے۔ ان میں کم وبیش نصف تعداد اُن کی تھی جو نظم ونثر دونوں لکھتے تھے لیکن شاعر کی حیثیت سے شہرت کم لوگوں کو حاصل ہو سکی تھی۔

الف - شاعری

1- ولی- شیخ ولی محمد

''ولی تخلص، شیخ ولی محمد خلف شیخ منگلو، وطنِ اصلی اِس کا سیال کوٹ اور مولد اِس کا شاہجہاں آباد، والد ماجد اس کا نواب نجابت علی خاں مرحوم والیِ جھجھر کی سرکار میں عہدہ کرنیلی سے سرفراز اور یہ بزرگ منش عہد طفولیت سے اب تک نواب بہادر جنگ خان بہادر والیِ بہادر گڑھ کی سرکار میں اعتبار و جاہ سے بسر کرتا ہے۔ کبھی عہدہ کوتوالی، کبھی ندیمی اور مصاحبت سے...... وقار رکھتا ہے۔ عمر پینتالیس چالیس برس کی ہے اور فکرِ سخن ہنوز جوان ہے۔ سخن کی مشق شاہ نصیر سے کی......ترتیب دیوان ہنوز صورت پذیر نہیں ہوئی۔''

کیونکہ بتلاؤں نشاں تجھ کو ستمگر اپنا — عالم خانہ بدوشی میں کہاں گھر اپنا
رتبہ تھا کیا قمر کا جو کرتا وہ ہمسری — جب آفتاب رخ کے برابر نہ ہوسکا
کشتہ جو تری نرگس فتاں کا ہے اے شوخ — زندہ وہ کبھی عیسی مریم سے نہ ہوگا

2- طور- پروفیسر غلام محمد

''طور تخلص، پروفیسر غلام محمد ایم اے ولد غلام محی الدین سابق وزیر ریاست کشمیر آپ

جولائی 1866 میں پیدا ہوئے......ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد سیال کوٹ کے مشن کالج میں تواریخ کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ پھر علی گڑھ کالج میں چلے گئے...... طبیعت کو شاعری سے مناسبت تھی۔ کشمیر کے نظارہ کو آنکھوں سے دیکھا تھا۔ کوہسار شملہ کی فضا کا لطف اٹھا چکے تھے۔ اس لیے نظموں میں عشق و محبت کے علاوہ قدرت کی رنگین کی نقاشی بھی موجود ہے۔ استادی شاگردی کے قائل نہ تھے۔ نومبر 1898 کو 32 سال کی عمر میں انتقال کیا۔ غزلیات کم کہتے تھے۔ نظمیں زیادہ لکھتے تھے۔''

ان کی غزل کے کچھ شعر یہ ہیں ؎

رہے گلشن میں ہم جب تک رہے گلشن کی جاں ہو کر ہنسی گُل کی، چٹک غنچے کی، بلبل کی فغاں ہو کر

جدا ہونے کو مل کر بزم میں سب یار بیٹھے ہیں ابھی آئے تھے، جانے کو ابھی تیار بیٹھے ہیں

عدم کے رہنے والو جان لے کر تم تو بھاگے ہو ہمارا حوصلہ دیکھو تہِ افلاک رہتے ہیں

نقش باطل دلوں سے محو ہوئے نقش ایسا جمادیا تو نے

سیالکوٹ لاہور سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ انجمن پنجاب کے مشاعروں کے اس شہر میں اثرات کا پہنچ جانا کچھ بعید نہیں تھا۔ ویسے بھی طور صاحب مشن کالج سیال کوٹ اور علی گڑھ کالج سے وابستہ تھے۔ اس زمانے کے جدید ادبی اور شعری نظریات سے متاثر تھے۔ انھوں نے انگریزی کی بعض مشہور نظموں کے اردو میں منظوم ترجمے بھی کیے ہیں۔ ان کی ایسی دو نظموں کے دو دو شعر درج کیے جاتے ہیں :

1- کوئل To the cuckoo

خوش خبر، طائرِ نووارد زیبا کوئل تو نے بچپن سے مجھے کوکو سنایا کوئل

تجھ کو طائر کہے اے میرے دل آرا کوئل یا کہ آوازِ پریشاں ترا شیدا کوئل

2- فلسفۂ محبت Love's philosophy

چشموں کو ہے اشتیاق دریا دریاؤں کو بحر کا ہے سودا

امواج ہوائے دہر ہردم چاہت سے ہیں ہم کنار باہم

پہلی نظم اپریل 1909 کی اور دوسری جولائی 1911 کی ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ دونوں نظموں میں قافیہ کی رعایت موجود ہے۔ یعنی یہ پوری طرح آزاد نظم نہیں کہی جا سکتی ہیں۔

ب - جغرافیہ

معلوم ہوتا ہے کہ شعر گوئی کے ساتھ ساتھ سیال کوٹ کے شاعروں کو علم جغرافیہ سے بھی دلچسپی تھی چنانچہ انھوں نے اس سلسلے کی کئی کتابیں لکھی تھیں۔

1- جغرافیہ عرب

یہ 45 صفحہ کا ایک کتابچہ ہے، جو پنجاب پریس سیال کوٹ میں 1899 میں چھپا تھا۔ یہ مطبع 1890 میں یا اس سے پہلے کسی وقت لگایا گیا تھا۔ جغرافیہ عرب کے مصنف غلام قادر متخلص بہ فصیح تھے۔ فصیح کے حالات اور ان کا کلام دستیاب نہیں ہوسکا۔

2- جغرافیہ ضلع سیال کوٹ

اس کے مصنف کا حال معلوم نہیں۔ 2 پنجاب یونیورسٹی لاہور نے اسے 1894 میں مفید عام پریس لاہور میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔ ضخامت اس کی 63 صفحہ کی تھی۔

3- حالاتِ چین

اِس کتابچہ کے مصنف بھی غلام قادر فصیح تھے۔ 3 اس میں چین کی تہذیب و معاشرت کا بیان کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ 56 صفحوں پر "باتصویر" چھپا تھا۔ اس کی طباعت 1890 میں پنجاب پریس سیال کوٹ میں عمل میں آئی تھی۔

4- سرزمین ظفروال

یہ کوئی 400 صفحوں کی ایک ضخیم کتاب ہے اس کے مصنف آتش کاشمیری ہیں۔[4] مرزا محمد شفیع اینڈ سنز بک سیلرز ظفروال (سیالکوٹ) نے اس کو چھپوا کر شائع کیا تھا۔ سال اشاعت معلوم نہیں۔

5- زمستانِ حصار

اس مبسوط کتاب کا پورا نام ''زمستانِ حصار معروف بہ تاریخِ سیالکوٹ'' ہے۔[5] مصنف اس کے عبدالصمد غلام محمد تھے۔ یہ کتاب کوئی سوا دو سو صفحوں کی ہے۔ سالِ اشاعت 1304ھ/1886-87 ہے، اور یہ مطبع راجا منڈی سیالکوٹ میں چھپی تھی۔ اس میں زمانہ قدیم سے عہد مغلیہ تک کی سیالکوٹ کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔

ج - رسائل واخبارات

سیالکوٹ میں 1857 سے پہلے ہی پریس کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔شدہ شدہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔مطبعوں کے قیام کے ساتھ ہی اخبارات اور رسالے وغیرہ بھی نکلنے شروع ہو گئے تھے۔کچھ یہ ہیں :

1- انوارالاسلام

1903 میں انوارالاسلام کے نام سے ایک پندرہ روزہ رسالہ کی صورت میں ایک مسلسل اسلامی تبلیغی کتاب ''برقِ اسلام بہ جواب ترکِ اسلام شائع ہوتی رہی ''1

پھر منشی کریم رحیم بخش نے انوارالاسلام ہی کے نام سے 1908 میں ایک ماہنامہ جاری کیا۔اس کے مشمولات کا اندازہ اس کے نام سے کیا جا سکتا ہے۔

2- الہادی

اس نام کا ایک ماہنامہ 1905 میں جاری ہوا تھا۔2 اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔

3- محمڈن نیشنل میگزین

یہ میگزین 1893 میں شائع ہوئی تھی۔3 جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ۔ یہ انگریزی داں مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے لکھے گئے مضامین پر مشتمل تھی۔

ان کے علاوہ دو اور اخباروں کا بھی ذکر ملتا ہے۔4

الف- رفاہِ عام ہفتہ وار 1873 میں اِسی نام کے مطبع میں چھپ کر شائع ہوتا تھا۔ مالک اِس کے منشی دیوان چند تھے۔

ب- وکٹوریہ پیپر روزانہ اخبار وکٹوریہ پریس سے 1880 میں نکلنا شروع ہوا۔ اس کے مالک منشی گیان چند تھے۔

ooo

حواشی

الف ۔ شاعری

-1	گلستان سخن	جلد2	ص 472
-2	خم خانہ جاوید	جلد5	ص 452
-3	ساز مغرب		ص 62
-4	ایضاً		ص 78

ب ۔ جغرافیہ

-1	قاموس الکتب	جلد2	ص 83
-2	ایضاً	جلد2	ص 86
-3	ایضاً	جلد2	ص 394،24
-4	ایضاً	جلد2	ص 493
-5	ایضاً	جلد2	ص 494

ج ۔ رسائل واخبارات

-1	پاکستان میں اردو اخبارات ورسائل	جلد2	ص 18

2- ایضاً جلد2 ص 108

3- ایضاً جلد2 ص 122

4- ہندستان پریس ص 192

8-جالندھر

	جالندھر		269
	الف - شاعری		271
1-	برق-	پریم کمار	271
2-	رقت-	سید علی محمد	271
3-	شمیم-	پنڈت شیونراین رینہ	272
4-	فقیر-	عنایت اللہ	272
5-	گرامی-	غلام قادر	273
6-	کیول کشن-	کیول کشن	273
	ب - نثر		275
1-	یسوع مسیح کی نامعلوم زندگی کے حالات		275
2-	ناول		275
3-	جوہر تہذیب		276
	ج - اخبار اور رسالے		277
	حواشی		280

جالندھر

جالندھر پنجاب کے مشہور شہروں میں سے ہے۔ اس شہر کی مجموعی فضا مذہب پسندی کی رہی ہے۔ یہاں شروع زمانے میں جو اخبار اور رسالے نکلتے تھے، بیشتر مذہب سے متعلق تھے۔ طبیعتیں جب شعر و ادب کی طرف مائل ہوئیں تو ان میں بھی مذہب کا اثر نمایاں تھا۔

الف - شاعری

جالندھر شہر میں شعر وسخن اور علم وادب کی کوئی قدیمی اور مسلسل روایت معلوم نہیں ہوتی ہے۔ شعر گوئی کا سلسلہ شروع ہوا تو اس نے بھی مذہب کا سہارا لیا یعنی عملاً شاعری کی حیثیت ثانوی تھی۔ غالباً یہی وجہ رہی ہوگی کہ اس شہر کے شاعروں کو زیادہ شہرت حاصل نہیں ہوئی۔ کم لوگ ایسے ہوئے جن کا نام اور کلام معروف تذکروں میں درج کیا گیا ہو۔

1- برق- پریم کمار

برق تخلص پریم کمار نام، جالندھر کے رہنے والے تھے۔ 1 عمر 25 برس کی تھی ان کا صرف یہ ایک شعر مل سکا ہے ۔

کی حکومت خدائی پر اُس نے جس نے خود اپنا انتظام کیا

2- رقت- سید علی محمد

رقت تخلص، سید علی محمد نام، سید غلام محمد کے بیٹے تھے باشندۂ جالندھر، شروع سے طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی۔ 2 سید شیر علی اسد کے شاگرد ہوئے۔ گورنمنٹ پریس شملہ میں کلرک تھے۔ چوبیس پچیس برس کی عمر تھی۔ نوعمری اور نومشقی کے باوجود اچھا کہتے تھے۔ ان کے چار شعر یہ ہیں۔

چھوئی حور میں نے خواب میں، اللہ رے نازکی — بیکل رہی صنم کی کلائی تمام رات
جذبۂ شوق تو ہی کھینچ کے لادے اُن کو — ورنہ مرجائیں گے ہم ان کو خبر ہونے تک
چھپ کر کدھر کو جاؤ گے میدانِ حشر میں — پہچان لوں گا تم کو تو سو کیا، ہزار میں
کیونکر نہ اشتیاق ہو ابرو کی دید کا — رمضان کے بعد چاند یہ نکلا ہے عید کا

ان شعروں سے معلوم ہوتا ہے کہ رقت مقامی بول چال کی زبان میں شعر کہتے تھے اور ان کا کلام حشو وزوائد سے خالی نہیں ہوتا ہے۔

3- شمیم- پنڈت شیونراین رینہ

شمیم تخلص رائے بہادر پنڈت شیونراین رینہ خلف پنڈت اندرنراین رینہ، 1859 میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ 3 1881 میں قانون کا امتحان پاس کیا۔ اس وقت سے جالندھر میں وکالت کرتے ہیں۔ مولانا محمد حسین آزاد کے شاگرد ہیں۔ آپ کے کئی ناول شائع ہو چکے ہیں۔ کلام کا نمونہ یہ ہے ۔

جمع ضدین ہے خلاف اصول — ان میں شوخی بھی ہے حیا بھی ہے
کتابیں ہوں نیچے کتابیں ہوں اوپر — یہی ان دنوں زندگی کا مزا ہے
شمیم قومی عروج و پستی کے سارے ساماں ہیں اپنے بس میں — کرے گی وہ قوم کیا ترقی جو خود نہ بدلے گی اپنی رسمیں
نہیں دیراگ بھاتا زندہ دل رندوں کے کانوں کو — کرو کچھ تذکرہ عیش وطرب کا بادہ خواروں میں
یہ سب نیچر کی مایا ہے لبھاتی ہے طبیعت کو — عجب نصرت نے مقناطیس بھر دی گلعذاروں میں

شمیم یوگ کی مشہور اصطلاحوں اور ہندی کے لفظوں کو اپنے کلام میں بے تکلف صرف کرتے ہیں۔

4- فقیر- عنایت اللہ

فقیر تخلص عنایت اللہ ولد نور اللہ، کرتار پور ضلع جالندھر کے رہنے والے ہیں۔ 4 کلام کا نمونہ یہ ہے ۔

مہندی کے باندھنے کی کشاکش یہ کون اٹھائے — فرمایا میرے خون سے آلودہ کرکے ہاتھ

5- گرامی- غلام قادر

گرامی تخلص شیخ غلام قادر نام، باشندۂ جالندھر، اسی شہر میں 1856 میں پیدا ہوئے تھے۔5 مئی 1927 میں حیدر آباد دکن میں فوت ہوئے۔ یہ نظام حیدر آباد کے استاد تھے۔

6- کیول کشن- کیول کشن

ان کے حالات تو معلوم نہیں البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس علاقے کے آریہ سماجی مصنفین میں سے تھے۔ ان کی ایک کتاب ''سندھیا مترجم منظوم'' تھی جو ست دھرم پرچارک پریس جالندھر میں 40 صفحوں پر 1902 میں چھپی تھی۔6

ب - نثر

جالندھر شہر میں اردو نثر کے لکھنے کا زیادہ رواج نہیں معلوم ہوتا ہے۔ صرف بعض لوگوں نے کچھ کچھ کتابیں لکھی تھیں۔ ان میں بیشتر مذہب اور قومی اصلاح کے مسائل سے متعلق تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِس علاقے میں آریہ سماج کا زور زیادہ تھا۔

1- یسوع مسیح کی نامعلوم زندگی کے حالات

یہ کتاب عیسائی مشنری کی مطبوعات میں سے ہے۔ یہ نکوس نوٹووچ کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے مترجم کا نام معلوم نہیں ہے۔[1] ترجمہ کے بارے میں اتنا معلوم ہے کہ یہ 1897 میں ست دھرم پرچارک پریس جالندھر میں چھپا ہے۔ ضخامت 66 ورق کی ہے۔

2- ناول

رائے بہادر پنڈت شیونراین رینہ شمیم تخلص کے حالات میں لالا سری رام نے تحریر کیا ہے :

'' آپ کے کئی ناول شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ آپ کتب ذیل کے مصنف ہیں۔

چاند - تاریخی ناول ، ایم اے - ناول جس میں موجودہ طریقہ تعلیم سے بحث کی گئی ہے۔

کشمیری پنڈت- رسوم کشمیریاں سے بحث کی گئی ہے۔
مختصر قصہ جات- کشمیری سوسائٹی کے رفارم کے متعلق
شانتی بابا- دولت کے حاصل کرنے کے ذرائع اور صرف کرنے کے طریقے
حیاتِ گوتم بدھ، ترجمہ مسلکِ بدھ
موسیقی ہندوانگریزی"[2]

3- جوہرتہذیب

کتاب "جوہرتہذیب" کے مصنف مہاشے وزیر چند تھے۔[3] اس میں کل 84 صفحے ہیں اور یہ ست دھرم پرچارک پریس جالندھر میں 1905 میں چھپی تھی۔

ج - اخبار اور رسالے

کہا جا چکا ہے کہ جالندھر شہر کے باشندے عموماً مذہب پسند ہوتے تھے۔ اس شہر سے جو اخبار اور رسالے نکلتے تھے، بیشتر کا تعلق کسی نہ کسی عقیدے سے ہوتا تھا۔ بعض رسالے جو ادبی اور علمی ہوتے تھے ان پر بھی تھوڑی بہت مذہب کی چھاپ معلوم ہوتی تھی۔

1- آفتاب ہند

جالندھر سے نکلنے والا بہ گمان غالب یہ پہلا ہفت روزہ اخبار تھا۔ منشی سلطان علی صولت اس کے مہتمم تھے۔[1] اس کا سالِ اجرا 1881 تھا اور یہ مطبع قیصری جالندھر میں چھپتا تھا۔ اس میں عام مضامین اور خبریں وغیرہ شائع ہوتی تھیں۔

2- اخبار قیصری

یہ بھی ایک ہفتہ وار اخبار ہے۔ اس میں بھی عام مضامین اور خبریں شائع ہوتی تھیں، یہ مئی 1885 میں جاری ہوا تھا اور اس کے ایڈیٹر مفتی احمد بخش تھے۔[2] یہ بھی مطبع قیصری جالندھر میں چھپتا تھا۔ یہ 6 ورقی اخبار تھا اور ہر جمعہ کو شائع ہوتا تھا۔

مطبع قیصری جالندھر جیسا کہ سطور بالا سے ظاہر ہے 1881 میں جاری ہوا تھا اور کم سے کم 1898 تک ضرور کام کر رہا تھا۔[3]

3- ست دھرم پرچارک

یہ بھی شہر جالندھر سے نکلنے والا ایک ہفت روزہ اخبار تھا۔4 اس کے مالک لالا منشی رام پلیڈر تھے۔اس اخبار کا سال اجرا1890 تھا اور یہ ست دھرم پرچارک پریس جالندھر میں چھپتا تھا۔ اخبار اور پریس دونوں کے نام میں دھرم کے ساتھ توصیفی کلمہ ''ست'' کی شمولیت دوسرے سبھی مذاہب کے لیے گویا ایک چیلنج تھا۔اس صورت حال نے شہر جالندھر کی فکری ہی نہیں، عملی فضا کو بھی کم وبیش ضرور متاثر کیا تھا۔

ڈاکٹر نادر علی خان نے ست دھرم پرچارک پریس جالندھر کا سال اجرا1898 لکھ دیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔5 یہ پریس1890 میں یا اس سے کچھ پہلے کام کرنے لگا تھا۔آریہ سماج کی اس علاقے کی تقریباً سبھی کتابیں اسی پریس میں چھپتی تھیں۔ یہ پریس بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں بھی خوب کام کررہا تھا۔

4- آریہ مسافر

یہ ایک ماہوار رسالہ تھا جو ''بہ یادگار پنڈت میگھ رام جی آریہ مسافر'' اکتوبر 1899 میں جاری ہوا تھا۔آریہ سبھا پنجاب اس کی ناشر تھی، مہاشے وزیر چند (مصنف جوہر تہذیب) اس کے مہتمم تھے۔پرنٹر اس کے ویدک دھرم پرچارک پریس جالندھر تھے۔یہ آریہ سماج کا ''مذہبی تبلیغی اور اصلاحی'' رسالہ تھا۔6

5- اسلام

مذکورہ حالات میں ایک مدت تک خاموش رہنے کے بعد جالندھر کے مسلمانوں نے بھی اپنے مذہب کی تعلیم، تبلیغ اور اشاعت کی فکر کی۔اگست1905 میں انھوں نے ''اسلام'' کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا گویا بے کم وکاست قارئین کے سامنے اسلام کو پیش کیا۔7 دوسرے مذاہب سے بظاہر کوئی سروکار نہیں رکھا۔ایک مقامی منشی عبدالقیوم جالندھری اس کے مہتمم مقرر ہوئے۔

6- گنگا

لالا کرم چند ہتیشی جالندھر کے ایک ہردلعزیز شخص تھے۔اکتوبر1908 میں انھوں نے

''گنگا'' کے نام سے ایک ماہوار رسالہ نکالنا شروع کیا۔ 8 امر سنگھ کو ایڈیٹر مقرر کیا۔ کہا گیا ہے کہ یہ ''سیاسی اور ادبی رسالہ'' تھا۔ گنگا کے نام سے ہندوستان کے اکثریتی طبقہ کے دلوں میں جو عقیدت عام ہے، اس کا اثر اس رسالہ میں بھی کم وبیش دیکھا جا سکتا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ لالا کرم چند ہومیو پیتھ تھے۔ کئی سال کے مطالعہ اور تجربہ کے حصول کے بعد انھوں نے لاہور سے ''ہومیا پیتھی'' کے نام سے ایک ماہوار رسالہ نکالنا شروع کر دیا تھا۔ 9 ڈاکٹر کرم چند کے مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

7- اردو

مولوی فتح محمد خاں جالندھری اپنے زمانے کے مشہور عالموں میں سے تھے۔ دسمبر 1911 میں انھوں نے شہر جالندھر سے ایک ماہوار رسالہ ''اردو'' کے نام سے نکالنا شروع کیا۔ 10 اس کے مشمولات کا اندازہ اس کے نام سے کیا جا سکتا ہے۔ مولوی صاحب خود ہی اس رسالے کے مالک اور ایڈیٹر تھے۔ ان کی بڑی مشکل یہ تھی کہ رسالہ کو امرتسر میں روز بازار اسٹیم پریس میں چھپواتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت حال کو مولوی صاحب زیادہ مدت تک برداشت نہ کر سکے۔

اکتوبر 1913 میں مولوی فتح محمد خاں اپنے رسالے کو لاہور لے آئے اور یہاں سے ان کا رسالہ نکلتا رہا۔

8- مفتاح الاسرار

حکیم محمد بخش نامی ایک شخص نے جالندھر شہر میں ''مفتاح الاسرار'' نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا۔ 11 اس کے اجرا کا زمانہ اپریل 1913 ہے۔ رسالہ آریہ مشن پریس جالندھر میں چھپتا تھا۔

ooo

حواشی

الف - شاعری

-1	ہندو شعرا		ص 132
-2	خم خانۂ جاوید	جلد3	ص 493
-3	ایضاً	جلد5	ص 56 تا 58
-4	ہندو شعرا		ص 57
-5	ارمغان گوکل		ص 66
-6	وفیات مشاہیر اردو		ص 513
-7	اسلام کے علاوہ مذاہب		ص 361

ب - نثر

-1	قاموس الکتب	جلد2	ص 151
-2	خم خانۂ جاوید	جلد5	ص 57 تا 58
-3	اسلام کے علاوہ مذاہب		ص 360

ج - اخبار اور رسالے

-1	کتابیات پاکستان کے اخبارات و رسائل		ص 19
-2	ایضاً		ص 26
-3	ہندستانی پریس		ص 130
-4	کتابیات پاکستان کے اخبارات		ص 142
-5	ہندستانی پریس		ص 130
-6	کتابیات پاکستان کے اخبارات		ص 16
-7	ایضاً		ص 33
-8	ایضاً		ص 191
-9	پاکستان کے اردو اخبارات	جلد2	ص 101
-10	کتابیات پاکستان کے اخبارات		ص 30
-11	ایضاً		ص 207

9-امرتسر

		امرتسر	287
		الف - شاعری	289
1-	بسمل-	مولوی عبید اللہ	289
2-	سردار-	منشی اودھم سنگھ	289
3-	شاطر-	منشی بیلی رام	290
4-	شکستہ-	مرزا امراد بیگ	290
		ب - نثر	291
1-	سیاحت ہند		291
2-	تاریخ کبوہان		291
3-	اکسیر صمدیہ		291
4-	دمشق		292
5-	عربی بول چال		292
		ج - سوانحات	293
1-	سچا ملی دان		293
2-	تواریخ المسیح		293
3-	حضرت زید		293

4-	تذکرۂ آسی	294
5-	مشاہیر ہنود	294
	و - ڈراما	295
1-	مارِ آستین	295
2-	جہیل کی معشوقہ	295
3-	آئینۂ عصمت	296
	حواشی	297

امرتسر

امرتسر سکھوں کا سب سے بڑا اور نہایت اہم شہر ہے چنانچہ اس کو اکثر ''سری امرتسر جی'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس شہر کی اہمیت کے خیال سے ہی عیسائی مشنریوں نے بھی اسے ایک مرکزی حیثیت دی تھی۔ پادری رجب علی شاہ [1] نے انیسویں صدی عیسوی کے عشرۂ ہشتم میں یکے بعد دیگرے دو پریس قائم کیے تھے۔ دونوں سے پریس کے نام کی مناسبت سے ایک ایک ہفتہ وار اخبار ''وکیل ہند'' اور ''سفیر ہند'' نکلتے تھے۔ امرتسر سے ہندو اور مسلمانوں کے بھی الگ الگ اخبار نکلتے تھے۔ اخبار ''ہندو پرکاش'' 1874 میں جاری ہوا تھا اور وہ ہفت روزہ تھا۔ اس کی مالک ''دھرم سبھا'' تھی، اس کے ایک مدت کے بعد اخبار [2] ''مسلم راجپوت'' جاری ہوا تھا۔ منشی عبدالرحمٰن خاں عاصی اس اخبار میں اپنا کلام چھپواتے تھے۔ اس تفصیل سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس علاقے میں ہر فرقے کے لوگ اپنے اپنے نقطۂ نظر سے نظم و نثر لکھتے اور پڑھتے تھے۔ بظاہر اس عمل میں مسلمان دوسروں سے پیچھے تھے اور عیسائی سب سے پیش پیش تھے۔

الف - شاعری

زبان اردو امرتسر کے ہر فرقہ اور ہر طبقہ میں مقبول و مروّج تھی۔ ہر عقیدہ اور مسلک کے لوگ اس زبان میں تصنیف و تالیف کا کام کرتے رہتے تھے۔ ہر ذات پات کے افراد شعر بھی کہتے تھے لیکن ان کی نظم و نثر کے موضوعات میں تنوع نہیں تھا۔ نقطۂ نظر بھی عموماً متعین اور محدود تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی تخلیقات کا معیار بلند نہیں ہو سکا۔ طباعت اور اشاعت کی سہولتوں کے باوجود امرتسر کے ارباب قلم کو شہرت حاصل نہیں ہو سکی۔

1- بسمل- مولوی عبیداللہ

مولوی عبیداللہ نام، بسمل تخلص خواجہ مظہر جمال قادیانی کے بیٹے، امرتسر کے رہنے والے تھے انھوں نے کوئی سو برس کی عمر پائی تھی۔ [1] ستمبر 1938 میں بمقام قادیان فوت ہوئے۔ ان کا کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔ اغلب ہے کہ اپنے عقیدے کے مطابق ہی کہتے ہوں گے۔

2- سردار- منشی اودھم سنگھ

سردار تخلص، منشی اودھم سنگھ، ساکن امرت سر [2] آپ کا بیان ہے کہ:

''میرے پردادا کرپا سنگھ مہاراجا رنجیت سنگھ کے گرو تھے اور دس ہزار روپیہ کے قریب جاگیر تھی۔'' آپ کے والد سردار بشن سنگھ محکمۂ نہر میں ضلع دار تھے.....امرتسر میں شعر و سخن کا چرچا

زیادہ تر آپ کے دم سے ہے۔ رسالہ آفتاب اور کشتہ ناز کے ایڈیٹر و منیجر رہے ہیں۔ حضرت جلال کے شاگرد ہیں۔ پنجاب کے رسالوں میں آپ کی اخلاقی نظمیں نکلتی رہتی ہیں، بھجن بھی کہتے ہیں۔ آپ کی نظموں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پنجاب میں اردو نے کہاں تک ترقی کی ہے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

مرنے والا وہ مجھ کو کہتے ہیں   جیتے جی اس خطاب نے مارا
چھوٹے نہ ہم سے یارب باغِ جناں ہمارا   ہندوستاں کے ہم ہیں، ہندوستاں ہمارا
قدرت نے چشمِ شوق کو یہ معجزہ دیا   جلوہ خدا کا حسنِ بتاں میں دکھا دیا
کیا لے کے جائیں ہم کسی گل پیرہن کے پاس   جُز داغِ ہجر کیا ہے غریب الوطن کے پاس

3- شاطر- منشی بیلی رام

شاطر تخلص 3 منشی بیلی رام خلف لالا متھر اداس، یہ دیوان کروڑی مَل امرتسری کی اولاد میں سے تھے۔ خود راولپنڈی میں جا کر مقیم ہو گئے تھے۔ حکیم کریم بخش نادر قنوجی اور خواجہ عشرت لکھنوی سے کسب فیض کیا تھا۔ عشرت نے لکھا ہے:

> "شاطر منشی بیلی رام صاحب امرتسری سب انسپکٹر آف ورکس پشاور، اردو، فارسی، انگریزی میں کافی قابلیت رکھتے ہیں۔ علم عروض سے واقف ہیں۔ بمبئی کی انجمن ادب نے "تاج الشعرا" کا خطاب عطا کیا تھا۔ 1922 میں عمر چھتیس سال کی تھی۔" 4

ان کے دو شعر یہ ہیں۔

کس قدر سخت عدم کا بھی سفر ہوتا ہے   پہلی منزل میں ہر اک خاک بہ سر ہوتا ہے
بے ثباتی جہاں آنکھ میں پھر جاتی ہے   طرفِ گورِ غریباں جو گزر ہوتا ہے

4- شکستہ- مرزا مراد بیگ

شکستہ تخلص، مرزا مراد بیگ نام 5 امرت سر کے رئیسوں میں سے تھے۔ افسوس ہے کہ ان کا نہ احوال معلوم ہوا اور نہ کلام ہی دستیاب ہوا۔

ب ۔ نثر

معلوماتِ عامہ سے متعلق بھی امرتسر میں کئی کتابیں لکھی گئی تھیں۔ سیاحت اور تاریخ وغیرہ موضوعات سے متعلق اس زمانے کی بعض کتابیں یہ ہیں۔

1- سیاحتِ ہند

حافظ عبدالرحمٰن امرتسری نے ہندوستان کے مختلف مقامات کی سیر کی تھی۔ انھوں نے اپنے تجربات اور مشاہدات وغیرہ کو[1] "سیاحتِ ہند" کے نام سے ایک کتاب کی صورت میں قلمبند کردیا تھا۔ اس کتاب کو وکیل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ امرتسر نے مطبع رفاہِ عام لاہور سے 1909 میں چھپوا کر شائع کردیا تھا۔ یہ کتاب 448 صفحوں پر مشتمل ہے۔

2- تاریخ کمبوہان

قوم کنبوہ کی یہ تاریخ[2] اسی قوم کے ایک ذی علم شخص چودھری وہاب الدین کمبوہ امرتسری نے لکھی تھی۔ اس کتاب کو انجمن تاریخ کمبوہان لاہور نے حجازی پریس لاہور سے 1335ھ/17-1916 میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔ ضخامت اس کی 348 صفحات ہے۔

3- اکسیر صمدیہ

دین محمد[3] ابنِ قاضی عبدالرحیم کانی جعفرآبادی ساکن تحصیل رعیہ ضلع امرتسر نے اپنے

دوست مولوی حسن محمد بن بہادر علی ساکن چک کھوکھر تحصیل ظفروال ضلع سیالکوٹ کی فرمائش پر جو چالیس سال سے موضع بھاگیان تحصیل رعیہ میں رہائش پذیر تھے یہ کتاب تصنیف کی تھی۔ بعد میں حسن محمد مذکور نے اس پر کئی اضافے کیے۔ یہ کتاب پانچ ابواب میں، کشتے بنانے کی ترکیبوں پر مشتمل ہے۔ مصنف نے فارسی اور اردو ملی جلی استعمال کی ہے۔

اس کے ابواب یہ ہیں:

کشتہ جات فلزات	احتراق قسم پروازندہ
کشتہ جات مرکبہ	مصطلحات ہر یک کشتہ جات
نسخہ جات عملیہ برائے ہر مرض	

اس نسخہ کی کتابت حسن محمد مذکور نے 10-کاتک 1955 بکری (1898) میں 471 صفحوں پر کی تھی۔

4- دمشق

یہ عہدِ قدیم سے زمانۂ تصنیفِ کتاب تک شہر دمشق کی تاریخ ہے۔ 4 مصنف اس کے خواجہ محمد عباداللہ اختر امرتسری تھے۔ اختر مورخ کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے۔ ان کی یہ کتاب تین سو دس صفحوں کی ہے اور روز بازار اسٹیم پریس امرتسر میں 1911 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

5- عربی بول چال

حافظ عبدالرحمٰن امرتسری اس کتاب کے مصنف ہیں 5۔ اس میں جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے عربی زبان کے محاورات جمع کیے گئے ہیں۔

ج - سوانحات

امرتسر میں جو سوانحات لکھی گئی تھیں ان کا معاملہ بھی وہی تھا یعنی وہ بھی مذہب سے متعلق تھیں اور ان کا معیار بھی کچھ بلند نہیں تھا۔

1- سچا بلی دان

یہ ایک مختصر سا کتابچہ ہے۔ [1] مصنف اس کے گوپال سنگھ ہیں۔ یہ 1895ء میں آنند پرکاش پریس امرتسر میں چھتیس صفحوں میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اس کی زبان کا مزاج بھی کسی قدر بدلا ہوا ہے۔

2- تواریخ المسیح

پادری عماد الدین اپنے وقت کے معروف لوگوں میں سے تھے۔ انھوں نے اپنے عقیدے سے متعلق خاصا تصنیفی کام کیا تھا۔ ان کی ایک ضخیم کتاب کا یہ [2] "تواریخ المسیح" ساتواں حصہ ہے اور اس کا تعلق سوانح سے ہے۔ اس میں کل چوہتر صفحے ہیں اور یہ مشن پریس امرتسر سے 1900 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

3- حضرت زید

اس کتاب کے مصنف خواجہ م۔ عباد اللہ اختر تھے۔ بعد کے زمانے میں اختر نے تاریخ اسلام

سے متعلق چھوٹی بڑی کئی کتابیں لکھ کر شائع کی تھیں۔ 3 حضرت زید نامی یہ کتابچہ مصنف کی ابتدائی تالیفات میں سے ہے۔ یہ ستر صفحوں پر محیط ہے اور روز بازار اسٹیم پریس امرتسر سے 1911 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

حضرت زید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام بر آوردہ صحابیوں میں سے تھے جن کو آپ نے گود لے لیا تھا۔ یہ کتاب ان کے حالات پر مشتمل ہے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت زید کی سوانح عمری اردو میں زیادہ نہیں لکھی گئی ہیں۔

4- تذکرۂ آسی

حکیم غلام قادر امرتسری کی یہ تصنیف ہے۔ 4 اس میں مولانا محمد عالم آسی امرتسری کے حالات زندگی قلمبند کیے گئے ہیں۔ یہ صرف بتیس صفحوں کا کتابچہ ہے اور 1957 میں شائع ہوا تھا۔

آسی امرتسری کئی کتابوں کے مصنف تھے مثلاً ''چودھویں صدی ہجری کے مدعیان نبوت وغیرہ۔''

5- مشاہیر ہنود

لالا دینا ناتھ اپنے وقت کے صاحب علم شخص تھے۔ ڈراما سے خصوصی دلچسپی کے لیے معروف تھے۔ انھوں نے قومی محبت کے جذبہ سے یہ کتاب 5 ''مشاہیر ہنود'' بھی لکھی تھی، اس میں انھوں نے ہندوؤں میں مشہور شخصیتوں کے حالات قلمبند کیے تھے، یہ کتاب ہندستان اسٹیم پریس لاہور میں 1906 میں چھپی تھی۔ یہ ایک سو بانوے صفحوں پر محیط ہے۔

د - ڈراما

امرتسر میں غالباً عیسائی مشنریوں کی کوششوں سے ہندستانیوں میں نہ صرف انگریزی زبان کے سیکھنے کا شوق پیدا ہوا تھا بلکہ ان کے تہذیبی اور معاشرتی معاملات سے بھی دلچسپی پیدا ہونے لگی تھی۔ بعض لوگ جو انگریزی جانتے تھے، انھوں نے مشہور ڈراموں کو اردو میں منتقل بھی کیا۔

1- مارِ آستین

یہ ولیم شیکسپیر کے مشہور ڈرامہ 1 ''اوتھیلو'' کا اردو ترجمہ ہے، اس کے مترجم لالا دینا ناتھ فتح آبادی تھے۔ یہ ترجمہ پہلی بار 1903 میں چھپا تھا اور اردو جاننے والوں میں بہت مقبول ہوا تھا، چنانچہ اسی سال میں اسے دوسری بار چھپوایا گیا۔ اس کا تیسرا ایڈیشن بھی 1904 میں شائع ہوا تھا۔

2- جھیل کی معشوقہ

یہ ایم جارج ولیم کے ناول 2 ''فشر مین'' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کے مترجم بھی لالا دینا ناتھ ہی تھے۔ اس ترجمے کا سال معلوم نہیں ہو سکا ہے۔

3- آئینہ عصمت

یہ بھی لالا دینا ناتھ کا کیا ہوا ایک ترجمہ ہے۔ اصل ڈرامہ کا tم3ۃ Cymbeline ہے اور مصنف اس کا ولیم شیکسپیر ہی تھا۔ لاہور کے حکیم رام کرشن نے اس ترجمہ کو 1914 میں چھپوایا تھا۔ یہ کل سینتیس صفحوں پر محیط ہے۔ گمان غالب ہے کہ لالا صاحب نے اردو میں اور بھی بعض ترجمے کیے ہوں گے۔ کچھ شک نہیں کہ اس کام کے لیے لالا صاحب کے شخصیت اپنے زمانے میں معروف تھی۔

اوپر جن کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے سلسلے میں ضمناً امرتسر کے مطابق اور بعض معروف اخبارات ورسائل کا نام بھی آ گیا ہے۔

ooo

حواشی

-1	ہندستانی پریس		ص 65
-2	خم خانۂ جاوید	جلد5	ص 544
	الف - شاعری		
-1	وفیات مشاہیر		ص 133
-2	خم خانۂ جاوید	جلد4	ص 154 تا 155
-3	ایضاً	جلد4	ص 392
-4	ہندو شعرا		ص 78
-5	ارمغان گوکل		ص 51
	خم خانۂ جاوید	جلد5	ص 544
	ب - نثر		
-1	قاموس الکتب	جلد2	ص 71
-2	ایضاً	جلد2	ص 374
-3	مخطوطات اردو گنج بخش		ص 69 تا 70

4-	قاموس الکتاب	جلد2	ص 503
5-	کتابی دنیا		ص 106

ج - سوانحات

1-	قاموس الکتب	جلد1	ص 1098
2-	اسلام کے علاوہ مذاہب		ص 365
3-	قاموس الکتب	جلد2	ص 190
4-	ایضاً	جلد2	ص 276
5-	ایضاً	جلد2	ص 155

د - ڈراما

1-	کتابیات تراجم	حصہ2	ص
2-	ایضاً	حصہ2	ص 195
3-	ایضاً	حصہ2	ص 74

10-لُدھیانہ

303	لدھیانہ		
305	الف - شاعری		
305	پیارے لال	آنند-	1-
306	میر یحیٰ	ناظم-	2-
307	رچھپال سنگھ	شیدا-	3-
307	احسان اللہ خاں	تاجور-	4-
309	ب - سوانحات۔		
309		احوال مسیح	1-
309		وفات مسیح	2-
309		پولوس کا قصہ	3-
310		قصہ پطرس	4-
310		عیسیٰ کی سیرت	5-
310		ولادت مسیح	6-
311	ج - قصے		
311		تجربہ دوراں	1-
311		عمرو عیار کی عیاریاں	2-

3-	موت کا درخت	312
	و - متفرقات	313
1-	اصلاحِ اخلاق	313
2-	سحر گاہ در انگلستان	313
3-	اردو کی تیسری کتاب	313
4-	جغرافیہ ضلع لدھیانہ	314
5-	کلید ممالکِ اسلامی	314
	ہ - اخبار و رسائل	315
1-	انجمن رفاہِ عام	315
2-	سول اینڈ ملٹری گزٹ	315
3-	گل دستۂ سخن	316
4-	خادم تجار	316
5-	آرمی نیوز	316
6-	آفتابِ اردو	316
7-	نظام	317
	حواشی	318

لُدھیانہ

انگریزوں نے سیاسی ضرورتوں سے شہر لدھیانہ کا بہت پہلے انتخاب کرلیا تھا۔ اکبر شاہ ثانی بادشاہِ دہلی کے زمانے میں ہی انھوں نے یہاں چھاپہ خانہ قائم کرلیا تھا۔ نادر علی خاں نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

> ''پادری جان نیوٹن نے 1835 میں لکڑی کا ایک پریس قائم کیا۔ یہی پنجاب کا سب سے پہلا پریس تھا جو بعد میں لدھیانہ مشن پریس کے نام سے مشہور ہوا۔ اس میں پنجاب کی تمام مروّجہ زبانوں میں طباعت ہوتی تھی خصوصاً مسیحیت کی تبلیغ کے لیے''1

عیسائی مذہب کی تبلیغ واشاعت کے مرکز کی حیثیت کے علاوہ سرکارِ انگریزی نے لدھیانہ کو فوجی چھاونی کی حیثیت بھی دے دی تھی۔ یہاں سے ''آرمی نیوز'' اور ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' جیسے اہم اخبار بھی جاری ہوگئے تھے۔ اس ماحول میں علم وادب کے سلسلے جاری تو رہے لیکن نظم ونثر کا علمی معیار کچھ زیادہ بلند نہیں ہوسکا تھا۔

الف - شاعری

لدھیانہ میں شاعروں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں تھی۔ بعض نے اپنے علاقے میں استادی کا درجہ بھی، پالیا تھا لیکن ان میں سے کسی کو بھی ملکی سطح پر امتیاز حاصل نہیں ہوا۔ ان کا قابلِ توجہ کارنامہ یہی ہے کہ انھوں نے اس علاقے میں اردو شعروادب کی شمع کو بجھنے سے بچالیا، یہ بات بھی لائقِ ذکر ہے کہ لدھیانہ کے شاعروں کے یہاں نظم ونثر کی مروّجہ تقریباً سبھی اصناف میں طبع آزمائی کا ثبوت مل جاتا ہے۔

1- آنند- پیارے لال

آنند تخلص 1 پیارے لال نام، منشی گینڈا رام کے بیٹے، قوم کے برہمن تھے۔ منشی صاحب فارسی کے عالم اور مولانا محمد حسین آزاد کے دوستوں میں تھے۔ آنند 1889 میں پیدا ہوئے تھے۔ خواجہ عشرت نے ان کی عمر اکتالیس برس بتائی ہے۔ ان کا مولد ومسکن مقام کھنہ ضلع لدھیانہ ہے۔ یہ سرور جہان آبادی کے شاگرد تھے اور تجارتِ کتب اور پبلشری کا کام کرتے تھے۔ ان کی ایک غزل کے دو شعر یہ ہیں ۔

سرورِ بادۂ ہستی کا رنگ دیکھ چکے — عروسِ مرگ کا اب انتظار دیکھیں گے
نسیم لے کے نہ آئی پیامِ آزادی — اسیرِ کنجِ قفس کیا بہار دیکھیں گے

آنند قادرالکلام شاعر تھے اور اپنے وقت کے استادوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے ایک شاگرد ماسٹر ست دیوار انھور صابر تخلص 2 کا احوال لالا سری رام کے تذکرے میں تعریف کے ساتھ درج ہے۔

2- ناظم- میر یحییٰ

مرزا قادر بخش صابر نے ناظم کے حالات کسی قدر تفصیل سے تحریر کیے ہیں۔ ان کا اختصار س طرح ہے۔

"ناظم تخلص میر یحییٰ نام، اس کا پدر بزرگوار شجاع الملک کے بعد ..... افغان ناعاقبت اندیش کے ہنگامے میں کام آیا۔ ان اوقات میں یہ نیک نہاد بیس بائیس برس کی عمر میں سراسیمہ ہوکر ... ہندوستان کی طرف چلا آیا .... کچھ عرصہ صوبہ اودھ میں بسر کی، دس بارہ برس سے اقامت شاہجہاں آباد میں ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ ہنگامہ گیرودار کابل میں کچھ ایسا ذخیرہ اشرفی اور جواہر گراں بہا کی قسم سے ہاتھ لگ گیا..... یہ بھی گمان ہے کہ دوسری دفعہ ہند کو آیا اور لدھیانہ سے تلاشِ معاش میں مصروف ہوا.... کسی جوگی نے کچھ اکسیر اس کے حوالے کی بہر کیف .... وہ اپنی وجہ معاش سے فارغ البال ہے۔ خامہ اس کا زمین سخن میں جہاں پیا اور فکر اس کی اس تلاش میں رسا ہے۔ یہ چند شعر اس کے فرزند سید محمد جان ظہیر تخلص کی زبان سے مسموع ہوئے"۔ 3

ناظم نے لدھیانہ میں سکونت اختیار نہیں کی تھی۔ صرف وقتی طور پر مقیم رہا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کی استادانہ شخصیت سے لدھیانہ کے نومشقوں نے کسی قدر کسبِ فیض کیا تھا۔ ناظم کا بیٹا ظہیر بھی اس کا شاگرد تھا۔ صابر نے اپنے تذکرے میں ظہیر کے حالات بھی 4 اچھی طرح لکھے ہیں۔ ناظم کے صرف دو شعر درج کیے جاتے ہیں:

رشک نے کب مجھے جیتا چھوڑا اُس کے پیکاں نے اگر چھوڑ دیا
ناظم بتوں سے ملیو تو انجام دیکھ کر انساں کو چاہیے کہ کرے کام دیکھ کر

3- شیدا- رچھپال سنگھ

''شیدا تخلص 5 بابو رچھپال سنگھ، دہلوی، قوم کھتری، زندہ دل، ظرافت پسند اور شوخ مزاج ہیں۔ ذہن رسا، فکرِ فلک پیا، نظم ونثر دونوں میں یکتا، پڑھنے کا انداز نرالا..... 1995 میں آپ اخبار'' سول اینڈ ملٹری نیوز لدھیانہ'' کے ایڈیٹر رہے.....آپ غالب سے عقیدت رکھتے ہیں۔ خود کہتے ہیں۔

نہیں پسند کسی کا کلام اے شیدا سوائے غالب شیریں سخن سرا کے مجھے

اپنے کلام میں مرزا کا رنگ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں مگر ایڈیٹری کی مصروفیت شعر کہنے کا موقع نہیں دیتی۔ اس وقت ستر برس کے قریب عمر ہے''۔

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے

شیدا وطن میں چین، نہ غربت میں منزلت اے ننگِ خانماں تری مٹی خراب ہے
بہارِ حسنِ بتِ گلعذار دیکھیں گے ہم آج صنعتِ پرور دگار دیکھیں گے
دیکھا عدو کو اس نے تو بسمل کیا کیا بات میرے شوخ کی ترچھی نظر کی ہے

لالا سری رام نے شیدا کو'' سول اینڈ ملٹری نیوز'' کا ایڈیٹر بتایا ہے۔ اس سلسلے کی تفصیل اس کے موقع پر درج کی جائے گی۔

4- تاجور- احسان اللہ خاں

تاجور تخلص 6 مولانا احسان اللہ نام، اصلاً نجیب آباد کے رہنے والے تھے، نینی تال میں پیدا ہوئے۔ سال ولادت 1894 لکھا ہے لیکن یہ مشتبہ ہے۔ جنوری 1951 میں بمقام لاہور فوت ہوئے جہاں دیال سنگھ کالج میں وہ استاد تھے۔ بتایا گیا ہے کہ شمس العلما اور بلیغ الملک کے خطابات سے سرفراز تھے۔ نظم ونثر میں کئی کتابیں یادگار ہیں۔ روحِ انتخاب اور روحِ نظم ان کے کلام کے مجموعے ہیں۔

ب - سوانحات

لدھیانہ کو تادیر عیسائی مشنری کے ایک اہم مرکز کی حیثیت حاصل رہی تھی۔ اس شہر میں ایسی کئی کتابیں لکھی گئی تھیں جو "سوانح" کے تحت آتی ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ جتنی کتابیں ہمارے علم میں آسکی ہیں بیشتر عیسائی مذہب سے متعلق ہیں۔ ان میں بھی زیادہ پر مترجم یا مصنف کا نام درج نہیں ہے۔

1- احوال مسیح

اس کتاب میں 1 حضرت عیسیٰ کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب لدھیانہ میں 1865 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اس میں کل تریسٹھ صفحے ہیں۔ اس کے مصنف یا مترجم اور مطبع کا نام معلوم نہیں ہو سکا ہے۔

2- وفات مسیح

اس کتابچہ کے مصنف کا نام "فورمین" 2 بتایا گیا ہے۔ یہ لدھیانہ میں 1867 میں چھپی تھی۔ اس میں کل اٹھارہ صفحے ہیں۔ پریس کا نام معلوم نہیں۔ اس کا موضوع البتہ نام سے ظاہر ہے۔

3- پولوس کا قصہ

اس کتابچہ کے مصنف کا نام 3 "پول" لکھا ہے۔ یہ صرف تیس صفحوں پر محیط ہے۔ یہ کتابچہ لدھیانہ میں 1867 میں چھپا تھا۔ اس پر مطبع کا نام درج نہیں ہے۔

4- قصۂ پطرس

یہ سینٹ پطرس کی 4 سوانح عمری ہے۔ اس کتابچہ کے مصنف وغیرہ کا احوال معلوم نہیں ہے۔ یہ کتابچہ لدھیانہ میں 1867 میں زیور طبع سے آراستہ ہوا تھا۔ اس میں کل بائیس صفحے ہیں۔ مذکور ہے کہ یہ کتابچہ 5 لدھیانہ ہی میں 1868 میں بھی چھپ کر شائع ہوا تھا۔

5- عیسیٰ کی سیرت

اس کتابچہ کے مترجم کا نام 6 ''پادری ویک فیلڈ'' لکھا ہے۔ اصل کتاب انگریزی زبان میں ہے۔ یہ ترجمہ ساٹھ صفحوں میں سمایا ہے، اور لدھیانہ میں 1876 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

6- ولادتِ مسیح

اس کتاب میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے متعلق واقعات تحریر کیے گئے ہیں۔ اس کے مصنف کا نام 7 محمد حسین ہے۔ یہ شخص اردو نثر میں کئی کتابوں کا مصنف ہے۔ ان میں سے بعض کا ذکر ان کے موقع پر آئیگا۔ یہ کتاب ''ولادتِ مسیح'' لدھیانہ میں 1891 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اس پر بھی مطبع کا نام درج نہیں کیا گیا ہے۔

محمد حسین خاں 1851 سے 8 ایک ہفتہ وار اخبار ''نورٌ علیٰ نور'' کے نام سے نکالتے تھے۔ اسی نام کا ان کا اپنا پریس بھی تھا جس میں 9 فارسی، اردو اور پنجابی وغیرہ زبانوں کی مذہبی علمی اور ادبی غرض ہر قسم کی کتابیں چھپتی تھیں۔ بخوبی ممکن ہے ''ولادتِ مسیح'' بھی اسی پریس میں چھپی ہو اور وہ اسلامی عقائد کے مطابق رہی ہو۔

ج - قصے

لدھیانہ میں قصے وغیرہ بھی لکھے گئے تھے لیکن وہ مشہور نہیں ہو سکے۔ وجہ شاید یہی ہو کہ ان کا معیار کچھ بلند نہیں تھا۔

1- تجربۂ دوراں

پروفیسر گیان چند نے اس داستان کے بارے میں جو اطلاع قلمبند کی ہے اس طرح ہے کہ اس کا[1] مصنف جیون رام نارنولی تھا۔ یہ داستان لدھیانہ میں 1873 میں چھپی تھی۔ یہ فارسی کتاب ''گنج حکمت'' کے ساتویں باب اور طوطی نامۂ قادری کا ترجمہ ہے اور اس کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔

2- عمرو عیار کی عیاریاں

تاجور نجیب آبادی[2] جن کا احوال لکھا جا چکا ہے اس داستان کے مصنف تھے۔ یہ داستان چار حصوں میں مکمل ہوئی تھی۔ اس کا سال تصنیف معلوم نہیں ہو سکا۔ تعجب ہے کہ متعلق کتابوں میں اس کا مذکور نہیں ہے۔

تاجور نجیب آبادی کی تصانیف میں ایک پیامِ زندگی بھی ہے جو تیرہ جلدوں میں پوری ہوئی ہے۔ اس کا بھی وہی معاملہ ہے۔

3- موت کا درخت

یہ کسی 3 انگریزی ناول کا اردو ترجمہ ہے۔ مترجم اس کے غلام محی الدین تھے اور یہ ترجمہ ہاشمی بک ڈپو لاہور سے شائع ہوا تھا۔ سال اشاعت معلوم نہیں ہے۔

د - متفرقات

ان کتابوں کا بھی وہی معاملہ ہے جو مذکورہ سوانحات کا ہے، یعنی بیشتر کا تعلق عیسائی مذہب سے ہے۔

1- اصلاحِ اخلاق

اس کتاب کے مصنف کا نام معلوم نہیں 1 البتہ کتابچہ کے نام سے اس کے موضوع اور مباحث کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، یہ کتابچہ ساٹھ صفحوں پر 1908 میں لدھیانہ مشن پریس لدھیانہ میں چھپا تھا۔

2- سحر گاہ در انگلستان

یہ کتاب 2 اٹھاسی صفحوں میں مکمل ہوئی ہے۔ یہ بھی لدھیانہ مشن پریس میں 1870 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اس کے مصنف کا احوال معلوم نہیں ہے۔ کتاب مذہب سے متعلق ہونے کے باوجود دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔

3- اردو کی تیسری کتاب

یہ درسی کتابوں کا ایک مفید اور اہم سلسلہ ہے۔ 3 پہلی کتاب لاہور میں، دوسری الہ آباد میں، اور تیسری لدھیانہ میں دوسو چالیس صفحوں پر مشن پریس لدھیانہ میں 1890 میں چھپی تھی۔ کتابوں کے اس سلسلے کی ناشر پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی تھی۔

اس قسم کے کاموں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عیسائی مشنری اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کس قدر منصوبہ بند انداز سے کر رہے تھے۔

4- جغرافیہ ضلع لدھیانہ

یہ خاصا مفصل جغرافیہ ہے۔اس کے مصنف کا نام معلوم نہیں البتہ ناشر اس کا سررشتہ تعلیم پنجاب ہے۔ یہ 1894 میں ایک سواڑتالیس صفحوں پر مفید عام پریس لاہور میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

5- کلید ممالکِ اسلامی

یہ رسالہ بھی محمد حسین خاں لدھیانوی کا تصنیف کردہ ہے۔ اس میں انھوں نے مسلمانوں کے مختلف ممالک کے حالات اختصار کے ساتھ تحریر کیے ہیں۔ باون صفحوں کا یہ رسالہ 1908 میں سول اینڈ ملٹری آرگن پریس لدھیانہ میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

ہ - اخبار ورسائل

کہا جا چکا کہ لدھیانہ میں چھاپے خانے بہت جلدی قائم کر لیے گئے تھے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ یہاں سے اخباروں کا سلسلہ بھی جلدی شروع ہو گیا تھا۔ اس شہر سے نکلنے والا1 پہلا اخبار فارسی زبان میں ''لدھیانہ اخبار'' کے نام سے 1836 میں جاری ہوا تھا۔ پھر یکے بعد دیگرے اور بھی کئی اخبار اور رسالے نکلے تھے۔

1- انجمن رفاہِ عام

لدھیانہ صوبۂ پنجاب کے صنعتی شہروں میں سے تھا۔ وہاں 2 ''انجمن کارخانہ حرفت وصنعت دری وقالین'' قائم تھی۔ اس انجمن نے اپنے مقاصد کے مطابق ایک ماہانہ رسالہ ''انجمن رفاہِ عام'' کے نام سے جنوری 1884 میں جاری کیا۔ اس کے ایڈیٹر مرزا عبداللہ تھے اور رسالہ ''امریکن مشن پریس، لدھیانہ'' میں چھپتا تھا۔ پریس کے نام سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس شہر کو بین الاقوامی شہرت حاصل تھی۔ 3 یہ پریس 1873 میں قائم ہوا تھا۔

2- سول اینڈ ملٹری گزٹ

اُنیسویں صدی عیسوی کے عشرۂ نہم میں لدھیانہ میں ''سول اینڈ ملٹری آرگن'' کے نام سے ایک تنظیم وجود میں آئی۔ اس نے اپنا پریس غالباً 1889 میں یا اس سے کچھ پہلے قائم کیا۔ پھر اپنی

ضرورتوں کے مطابق 4 ایک ہفتہ وار اخبار مئی 1893 میں جاری کیا۔ ماسٹر غلام محی الدین ایڈیٹر بنائے گئے۔ کچھ مدت کے بعد ان کی جگہ مولوی مصباح الدین ایڈیٹر ہوئے۔ اس میں اخبار فوجی اور سماجی خبریں شائع ہوتی تھیں۔

مولوی مصباح الدین احمد کے حالات معلوم نہیں، البتہ ان کی ایک تصنیف 5 ''الہارون'' کے نام سے موجود ہے جس میں ہارون الرشید اور اس کی سلطنت کے حالات لکھے گئے ہیں دوسو تینتالیس صفحوں کی یہ کتاب رحمانی پریس دہلی میں چھپی تھی۔ سال طباعت معلوم نہیں ہے۔

3- گل دستۂ سخن

اللہ بخش مولا بخش تاجران کتب لدھیانہ نے ایک ماہانہ رسالہ 6 ''گل دستۂ سخن'' کے نام سے مئی 1895 میں جاری کیا۔ اس کے مرتب اور مہتمم خلیفہ بخت بہادر بخت تھے اور یہ حقانی پریس لدھیانہ میں چھپتا تھا۔ بخت کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

4- خادم تجار

بتایا گیا ہے کہ مطبع قیصر ہند لدھیانہ سے ایک اخبار ''خادم 7 تجار'' کے نام سے 1900 میں جاری ہوا تھا۔ اس کے بارے میں اور کوئی مفید مطلب بات معلوم نہیں ہو سکی۔

5- آرمی نیوز

یہ ایک ہفتہ وار اخبار تھا 8 جو لدھیانہ سے جون 1903 میں جاری ہوا تھا۔ فوجی حکام اس کے نگراں تھے اور اس میں ہندوستان کے علاوہ برما، عدن اور بلوچستان میں مقیم انگریزی افواج سے متعلق خبریں شائع ہوتی تھیں۔ اس کے ایڈیٹر منشی رام رچھپال شیدا 9 تھے۔ شیدا اس سے پہلے ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' سے بھی متعلق رہ چکے تھے۔

6- آفتاب اردو

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ 10 ایک خالص ادبی اور علمی رسالہ تھا۔ اس کے مالک اور ایڈیٹر مولانا محمد احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادی تھے۔ یہ رسالہ 1911 میں لدھیانہ سے نکلنا شروع ہوا تھا۔

ایک برس بعد یعنی 1912 میں مولانا تاجور کی نگرانی میں 11 ایک شعری گل دستہ ''نالۂ بلبل''

کے نام سے جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر خواجہ غلام احمد لدھیانوی تھے اور یہ سول اینڈ ملٹری آرگن پریس لدھیانہ میں چھپتا تھا۔ غلام احمد کے حالات بھی معلوم نہیں ہو سکے۔

7- نظام

یہ بھی ایک 12 ماہانہ رسالہ تھا۔ 1913 میں لدھیانہ سے نکلنا شروع ہوا تھا۔ ایڈیٹر اس کے آزاد لدھیانوی تھے۔

ooo

حواشی

-1	ہندستانی پریس		ص 300

الف - شاعری

-1	ہندو شعرا		ص 12
-2	خم خانۂ جاوید	جلد5	ص 229
-3	گلستانِ سخن	جلد2	ص 419
-4	ایضاً	جلد2	ص 163 تا 164
-5	خم خانۂ جاوید	جلد5	ص 136 تا 138
-6	وفیاتِ مشاہیرِ اردو		ص 162

ب - سوانحات

-1	قاموس الکتب	جلد1	ص 1089
-2	ایضاً	جلد1	ص 1099
-3	ایضاً	جلد1	ص 1100
-4	ایضاً	جلد2	ص 151

-5	ایضاً	جلد 1	ص 1100
-6	کتابیات تراجم	حصہ 2	ص 136
-7	قاموس الکتب	جلد 1	ص 1099
-8	کتابیات پاکستان کے اخبارات ورسائل		ص 221
-9	ہندستانی پریس		ص 303

ج ۔ قصے

-1	اردو کی نثری داستانیں		ص 880
-2	وفیات مشاہیر اردو		ص 162
-3	کتابیات تراجم	حصہ 2	ص 269

د ۔ متفرقات

-1،2،3	اسلام کے علاوہ مذاہب		ص 371
-4	قاموس الکتب	جلد 2	ص 85
-5	ایضاً	جلد 2	ص 55

ہ ۔ اخبار ورسائل

-1	ہندستانی پریس		ص 302
-2	کتابیات پاکستان کے اخبارات		ص 55
-3	ہندستانی پریس		ص 304
-4	کتابیات پاکستان کے اخبارات		ص 148
-5	قاموس الکتب	جلد 2	ص 304
-6	کتابیات پاکستان کے اخبارات		ص 189
-7	ہندستانی پریس		ص 305
-8	کتابیات پاکستان کے اخبارات		ص 15

-9 خم خانہ جاوید جلد5 ص 137

-10 کتابیات پاکستان کے اخبارات ص 18

-11 ایضاً ص 213

-12 کتابیات پاکستان کے اخبارات ص 216

11- کرنال

		کرنال	323
		الف - شاعری	325
1-	تاب-	میر حیدر قوال	325
2-	قاسم-	میر قاسم علی	325
3-	زیرک-	حافظ قلندر بخش	326
4-	صفدر-	صفدر بیگ	326
5-	تحسین-	قاضی عبدالرحمٰن	327
6-	حالی-	خواجہ الطاف حسین	327
7-	مجروح-	میر مہدی حسن	328
		ب - نثر	329
1-	غلام الثقلین		329
2-	غلام حسین		329
3-	غوث علی		330
4-	سید وحید الدین		330
	حواشی		331

کرنال

صوبہ پنجاب کے ضلع کرنال کو اس کے قصبہ پانی پت کی وجہ سے ہندوستان کی تاریخ میں شہرت حاصل ہے۔ اس ضلع میں بھی شاہی کے زمانے سے شعروسخن کا چرچا رہا ہے۔ قصبہ پانی پت میں بھی کئی ایسے شاعر موجود تھے جن کو تذکرہ نویسوں نے قابل ذکر تسلیم کیا تھا۔ ان میں بعض نام تو ایسے ہیں جن کو اردو شعروادب کا کوئی مورّخ نظرانداز نہیں کرسکتا۔

الف - شاعری

1- تاب- میر حیدر قوال

مرزا قادر بخش صابر نے تاب کی زبان سے ان کا اردو کلام سنا تھا۔ انھوں نے ان کے بارے میں جو لکھا ہے، لالا سری رام نے اپنے لفظوں میں اسے اس طرح نقل کیا ہے :

"تاب تخلص، میر حیدر قوال ولد میر محبت علی ساکن قدیم پانی پت دہلی میں آئے تھے۔ فن موسیقی کو عالم شباب میں ایک درویش کامل دھرم داس نامی سے حاصل کیا تھا۔ یہ نہایت خوش گلو اور خوش لہجہ تھے۔ آواز میں غضب کا درد تھا۔ شعر گوئی کی طرف بھی کبھی توجہ ہو جاتی تھی۔" 1

ان کے دو شعر یہ ہیں ؎

میں تو تھا عاقل زمانے کا پر الفت کے طفیل　　کوئی سودائی کہے ہے، کوئی دیوانہ مجھے
کثرتِ دل ہر شکن میں دیکھ، غیرت سے موا　　آفتِ جاں ہو گیا، زلفوں کا سلجھانا مجھے

ان کی زبان پر قدامت کا اثر غالب ہے۔ یہ شاید اس لیے ہے کہ انھوں نے عمر کا ابتدائی زمانہ دہلی کے باہر یعنی پانی پت میں بسر کیا تھا۔

2- قاسم- میر قاسم علی

"قاسم تخلص، میر قاسم علی منصف شہر پانی پت، شیوۂ عدل و انصاف میں مشہور

زمانہ اور کمالات کسبی اور وہبی میں یگانہ۔ گاہ گاہ شعر فارسی اس یکتائے عصر کی
زبان قلم سے آشنا......ہوتے ہیں'' 2

صابر نے ان کا صرف ایک فارسی کا شعر نقل کیا ہے۔ علی گڑھ کی مولانا آزاد لائبریری میں میر قاسم علی کی ایک مناجات موجود ہے جس کی کتابت 1278ھ/62-1861 میں خورشید عالم نے کی تھی۔ یہ اردو زبان میں ہے۔ امکان ہے کہ 1857 کے بعد جب ملک کے حالات بدل گئے تھے، میر قاسم علی نے اردو میں یہ مناجات لکھی تھی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ میر قاسم علی کوئی اور شخص ہو۔ واللہ اعلم۔

3- زیرک- حافظ قلندر بخش

مرزا قادر بخش صابر ان سے واقف تھے۔ انھوں نے ان کے بارے میں لکھا ہے :

''زیرک تخلص، مولوی حافظ قلندر بخش، ساکن پانی پت، تحصیل علم شاہجہاں آباد ولکھنؤ میں کی۔ اشعار ریختہ وفارسی دونوں اس کے باغ طبع کے ثمر زود رس ہیں۔ قصائد عربی میں عالم تخلص کرتا ہے۔ اوائل میں اشعار اردو میں بیدم تخلص کرتا تھا اور غرور علم وفضل سے دماغ اس کا آسمان بریں سے ورے نہیں ٹھہرتا ہے۔ یہ شعر اس کا بہم پہنچا۔'' 4

زیرک شباب ہی میں ہے کچھ لطف زندگی یہ عیش پھر کہاں، جو جوانی گذر گئی

لالا سری رام نے ان کے حالات میں اتنا اضافہ کیا ہے :

''شاگرد منشی کرامت علی مرحوم شہیدی، تحصیل علمی دہلی ولکھنو میں کی۔'' 5

اور ان کی مذکورہ غزل کے علاوہ چار شعر کا ایک قطعہ بھی درج کیا ہے۔

4- صفدر- صفدر بیگ

مرزا قادر بخش صابر نے ان کی نومشقی کے زمانے کا حال اس طرح قلمبند کیا ہے :

''صفدر تخلص، صفدر بیگ ولد حیدر بیگ، ساکن قدیم کرنال، کتخدائی کی تقریب سے چند سال ہوئے کہ خاک پاک شاہجہاں آباد میں مقیم اور مشق سخن میں سرگرم ہے۔ باوصف نومشقی کے استعداد کا رنگ اس کے کلام سے جھلکتا ہے۔ یہ شعر اسی کی زبان سے مسموع ہوئے۔

کیوں لگی ہے دیر یارب اب تلک آیا نہیں — حال قاصد کا مرے کیا جانئے واں کیا ہوا

دل نہ کی جو تو حسرتیں برباد — عمر بھر کی مری کمائی ہے'' 6

اردو شاعری کی قدیمی روایتوں کو نباہنے اور استادان کہنہ مشق کی روش کے مطابق شعر کہنے والے اس زمانے میں ضلع کرنال میں اور بھی کئی شاعر تھے مثلاً

بدر، میر بدرالدین، ساکن قدیم کرنال

ثواب، میر سعادت علی دہلوی، مقیم کرنال

حسرت، حافظ عبدالرحمٰن، ساکن پانی پت

یہ سب وہ لوگ تھے جن سے ضلع کرنال کا شعری اور علمی ماحول عبارت تھا۔ اسی ماحول میں مرزا اسد اللہ خان غالب کے چند شاگرد بھی رہ رہے تھے۔ ان کے معاملات اور کارکردگی کی کیفیت مختصراً اس طرح تھی۔

5- تحسین۔ قاضی عبدالرحمٰن

تحسین تخلص، قاضی عبدالرحمٰن نام، قاضی ثناء اللہ کے بیٹے اور پانی پت کے رہنے والے، حافظ قرآن ہونے کے ساتھ زاہد، متقی اور قانع شخص تھے۔ معمولاً فارسی میں شعر کہتے تھے اسی لیے شعرائے اردو کے اکثر تذکرے ان کے ذکر سے خالی ہیں۔ 1294ھ/1877 میں فوت ہوئے۔

6- حالی۔ خواجہ الطاف حسین

خواجہ الطاف حسین، پانی پت کے رہنے والے، خواجہ ایزد بخش کے بیٹے تھے۔ 1837 کے قریب پیدا ہوئے تھے۔ نوعمری میں دہلی پہنچے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے بیٹوں کی تعلیم کا کام ان کے سپرد ہوا۔ 1857 کے بعد لاہور، دہلی اور علی گڑھ وغیرہ مقامات پر رہے۔ 1896 سے کچھ پہلے پانی پت میں واپس آ گئے۔ وہیں 31/دسمبر 1914 کو وفات پائی۔ حالی کی علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر حکومت نے 1904 میں ان کو شمس العلما کے خطاب سے سرفراز کیا تھا۔

خواجہ الطاف حسین نے شعر کہنا شروع کیا تو خستہ تخلص اختیار کیا تھا۔ بعد میں دہلی پہنچ کر انھوں نے حالی تخلص رکھا اور اسی تخلص سے مشہور ہوئے۔ آخر زمانے میں جب وہ پانی پت میں مقیم ہو گئے تھے تو ان کی زیادہ توجہ نثر کی طرف تھی۔ انھوں نے 1897 میں یادگار غالب اور

پھر 1901 میں حیات جاوید لکھ کر شائع کی تھیں۔ لالا سری رام نے لکھا ہے :

''مولانا حالی کچھ عرصے سے نواب فصیح الملک مرزا داغ کے کلام کا انتخاب فرما رہے ہیں جس کے شائع ہونے کا ہر ایک مشتاقِ سخن کو نہایت اشتیاق سے انتظار ہے۔'' 8

نثر کے ساتھ شعر گوئی کا سلسلہ بھی جاری رہا تھا۔ اس زمانے کی ان کی بعض مشہور نظمیں یہ ہیں :

مناجاتِ بیوہ، چپ کی داد، چہار گلزار (چار نظموں کا مجموعہ۔ نشاط امید، کلمۃ الحق، تعصب وانصاف، ترکیب بند)

حالی فارسی اور عربی زبانوں میں بھی اچھی مہارت رکھتے تھے۔ ان دونوں زبانوں میں بھی ان کا کلام اور خطوط وغیرہ موجود ہیں۔

7- مجروح- میر مہدی حسن

عبدالغفور خاں نساخ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے مجروح کو دیکھا تھا۔ اپنے تذکرے میں انھوں نے لکھا ہے :

''مجروح تخلص، میر مہدی حسین خلف میر حسین نگار، باشندہ دہلی، شاگرد مرزا نوشہ غالب، ان کو دہلی کے مشاعرے میں دیکھا ہے۔ اشعار ان کے بامزہ ہوتے ہیں۔'' 9

مجروح کے والد کا نام میر حسین ہے۔ اس کی مناسبت سے مجروح کا نام بھی ایک لفظی یعنی ''میر مہدی'' (لفظ میر اصل نام کا جز نہیں ہے) ہونا چاہیے چنانچہ اکثر تذکروں میں اور غالب کے خطوط میں بھی ایسا ہے۔ ان کو ''مہدی حسین'' کہنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی ہے۔

مجروح قیاساً 1830 کے آس پاس کسی سال میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ انھوں نے 1321ھ/1903 میں وفات پائی تھی۔ 1857 کے ہنگاموں سے پریشان ہو کر مجروح اپنے اہل وعیال کے ساتھ دہلی سے نکلے اور پانی پت میں جا کر مقیم ہو گئے۔ پانی پت میں مجروح 1863 تک رہے لیکن اس مدت میں وہ سکون سے نہ رہ سکے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اس مدت میں وہ کوئی کتاب یا قابل ذکر رسالہ چھپوا نہیں سکے۔ تذکروں میں پانی پت کے رہنے والے مجروح کے کسی شاگرد کا بھی ذکر نہیں ملتا ہے۔

ب - نثر

ضلع کرنال میں نثرنویسی کی طرف بھی کماحقہ توجہ کی گئی تھی۔ مذہبی، اخلاقی، اصلاحی اور لسانی وغیرہ ہر قسم کے موضوعات سے متعلق کتابیں اور رسالے لکھے گئے تھے۔ خاص بات یہ تھی کہ بیشتر کا معیار بلند اور لائق ستائش تھا۔

1- غلام الثقلین

خواجہ غلام الثقلین پانی پت ضلع کرنال کے رہنے والے، رسالہ عصر جدید، میرٹھ کے ایڈیٹر تھے، وحید الدین سلیم کے رسالہ معارف کے ممتاز مضمون نگاروں میں سے تھے۔ 1872 میں پانی پت میں پیدا ہوئے اور وہیں دسمبر 1915 میں وفات پائی۔ ان کی دو تصانیف مشہور ہیں۔

روزنامچۂ سیاحت، خواجہ صاحب کا لکھا ہوا مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک کا یہ سیاحت نامہ 482 صفحات پر محیط ہے۔ 1330ھ/ 1912 میں تجارتی پریس میرٹھ میں چھپا تھا۔ ناشر اس کے شمس الانوار میرٹھ تھے۔ ان کی دوسری کتاب ''اسلام اور اصلاح معاشرت'' بتائی گئی ہے۔ کتاب کے نام سے اس کے مباحث کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

2- غلام حسین

ان کا نام خواجہ غلام حسین تھا اور یہ بھی پانی پت کے رہنے والے تھے۔ ان کے مضامین بھی وحید الدین

سلیم کے معارف میں چھپتے تھے۔ ان کی کتاب ''معیارِ اخلاق'' مشہور ہے۔ اخلاقیات کے موضوع سے متعلق چھپن صفحہ کا یہ کتابچہ اختر دکن پریس حیدرآباد میں 1324ھ/ 1906 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

3- غوث علی

ان کا پورا نام ابوالحسن خورشید علی غوث علی شاہ قلندر تھا۔ بہار کے ایک قصبہ استھاواں ضلع مونگیر میں رمضان 1219ھ/ دسمبر 1804 میں پیدا ہوئے اور پانی پت میں 1297ھ/1880 میں وفات پائی۔ ان کی صرف ایک کتاب کا نام معلوم ہوا یعنی ''میں اور میرے اللہ میاں۔''

4- سید وحید الدین

سلیم تخلص، سید وحید الدین نام تھا، سید فرید الدین کے بیٹے، پانی پت کے رہنے والے، 1865 میں پیدا ہوئے تھے۔ ایک استانی سے قرآن پاک کو حفظ کیا تھا۔ کچھ مدت تک بہاولپور اور رامپور وغیرہ میں ملازمت کرنے کے بعد پانی پت میں آئے۔ پھر علی گڑھ اور حیدرآباد گئے اور جولائی 1928 میں لیح آباد میں رحلت کی۔

مولوی وحید الدین سلیم نے بعض انگریزی نظموں کے منظوم ترجمے بھی کیے تھے مثلاً

الف- گوشہ قناعت اور ب- آریوں کی پہلی آمد ہندوستان میں

یہاں ثانی الذکر کے ابتدائی صرف دو بند نمونہ کے طور پر نقل کیے جاتے ہیں۔

وہ دیکھ کہ موجیں رقص کناں ہیں سطح زمیں پر گنگا کی — نو وارد آریا حیرت میں ہیں دیکھ کے شان اس دریا کی
گنگوتری سے آتی ہے چلی اٹکھیلیاں کرتی دھارا اس کی — آزادی ہے تیور سے عیاں متوالی ہے رفتار اس کی
اُتر کی طرف جب اٹھتی ہے اس قافلہ مغرب کی نظر — پڑتی ہوئی کرنیں سورج کی ہیں دیکھتے برف کے تودوں پر
پر قلہ کوہ ہمالہ پر عظمت کے ہیں بادل چھائے ہوئے — سینوں کو ہیں تانے ابر سے سروں کو ملائے ہوئے

اس قسم کی نظموں سے وحید الدین سلیم نے بھی عملاً نظم جدید کی تحریک کو تقویت پہنچائی تھی۔

وحید الدین سلیم کو ان کی نثری تحریروں کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی تھی لیکن اس سلسلے کے جتنے قابل قدر کام انھوں نے انجام دیے تھے، سب پانی پت سے نکلنے کے بعد کے ہیں۔

کرنال اور پانی پت میں تحریری کام نسبتاً کم ہوئے تھے۔ وہاں طباعت کو بھی کم سے کم رواج ہوا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس علاقے میں چھاپے خانے بھی ایک دو سے زیادہ نہیں لگائے گئے۔ ○○○

حواشی

الف - شاعری

-1	خم خانۂ جاوید	جلد2	ص 14
-2	گلستانِ سخن	حصہ1	ص 328تا329
-3	گلستانِ سخن	حصہ2	ص 298
-4	علی گڑھ کے اردو مخطوطات		ص 380
-5	گلستانِ سخن	حصہ1	ص 532
-6	خم خانۂ جاوید	جلد3	ص 649
-7	گلستانِ سخن	حصہ2	ص 139
-8	حالی		ص 14
-9	خم خانۂ جاوید	حصہ2	ص 358
-10	سخن شعرا		ص 412
-11	میر مہدی مجروح		ص 58
-12	ایضاً		ص 135تا137

ب ۔ نثر

1-	وفیات مشاہیر اردو		ص
2-	قاموس الکتب	جلد 2	ص 69
3-	ایضاً	جلد 3	ص 59
4-	تذکرۂ غوثیہ		ص 9، 15
5-	وفیات مشاہیر اردو		ص 459
6-	تاریخ ادبیات مسلمانان	جلد 4	ص 229 تا 230

12-صوبہ ہریانہ

		ہریانہ	337
		الف - شاعری	339
-1	خستہ-	منشی ہربلّب	340
-2	مشرقی-	سردار گنڈا سنگھ	340
-3	تمیز-	نواب احمد علی خاں	340
-4	فائق-	مرزا عبدالقادر بیگ	341
-5	جعفری-	شیخ جعفر علی	341
-6	ظہور-	مولوی محمد ظہور علی	341
-7	خنجر-	محمد عبداللہ خاں	343
-8	عاصی-	عبدالرحمٰن	343
-9	فضل-	فضل الرحمٰن	343
-10	متین-	رائے کانجی سہائے	344
-11	رخشاں-	نواب ضیاء الدین احمد خاں	344
-12	اعظم-	نواب اعزالدین احمد خاں	345
		ب - سوانحات	347
-1	سیرت فاروق		347

-2	حیات صلاح الدین ایوبی	347
-3	الخالد	348
-4	خالدؓ بن ولید	348
-5	گورودت ودیارتھی کا جیون چرتر	348
	ج - تاریخ و جغرافیہ	349
-1	جغرافیہ ضلع انبالہ	349
-2	تاریخِ ضلع انبالہ	349
-3	جغرافیہ ضلع حصار	349
-4	جغرافیہ ضلع روہتک	350
-5	جغرافیہ ضلع فیروز پور	350
-6	جغرافیہ ضلع گوڑگاؤں	350
-7	تاریخِ جھجھر	350
-8	تاریخ عجیب	350
	د - ڈراما	351
	ہ - متفرقات	353
-1	معین الطب	353
-2	رموزِ حکمت	354
-3	رسالہ علم قیافہ	354
	حواشی	355

ہریانہ

حافظ محمود خاں شیرانی نے ہریانہ کی جغرافیائی اور لسانی حدود کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے :

> '' ہریانہ بہر حال مسلمانی عہد سے قبل کا نام معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ طبقات ناصری میں ایک موقع پر یہ نام ملتا ہے.... مشرق میں حد فاصل دریائے جمنا ہے..... شمال میں ضلع انبالہ، جنوب میں ضلع گوڑگاؤں، مغرب میں ریاست پٹیالہ اور جنوب میں ضلع حصار....... ''[1]

بعض وقتی اور سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر مذکورہ حدوں میں ردو بدل کر کے 1966 میں ہریانہ کو ایک علاحدہ صوبہ کی حیثیت دے دی گئی تھی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس خطہ میں پنجابی، ہریانی اور برج وغیرہ مادری زبان کی حیثیت رکھتی تھیں۔ دہلی بھی اسی خطہ میں تھی چنانچہ اس کے آس پاس کے مقاموں میں تحریری اور علمی زبان کے طور پر اردو ہی رائج رہی۔

اس صوبے کی مختلف ریاستوں میں حکمراں طبقہ کا تعلق براہِ راست اور بالواسطہ طور پر دہلی اور اہل دہلی سے رہا ہے۔ یہاں کی معاشرت پر بھی دہلی کے اثرات خاصے مستحکم تھے۔ اس صورت حال کے نتیجہ میں اس علاقے میں اردو نے اختیاری اور اکتسابی زبان کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔

الف - شاعری

ہریانہ میں شعری اور علمی روایتیں بھی عموماً ویسی ہی تھیں جیسی دہلی میں تھیں۔ بول چال کے روزمرّہ اور لفظیات وغیرہ میں بھی دہلی کا اثر دیکھا جاسکتا ہے۔ شاعری کے مضامین اور موضوعات اور فکر و خیال کے معاملے میں بھی کم و بیش ویسے ہی تھے۔ استادی شاگردی کا بھی یہاں چلن موجود تھا۔

انگریزوں کے اقتدار کے دور اول میں لاہور کو مرکزی حیثیت دے کر دہلی کو اس کے ماتحت کردیا گیا تھا۔ اس زمانے میں ہریانہ کے علاقے پر وہاں کے اثرات مرتب ہوئے۔ انجمن پنجاب کے مشاعروں کے تتبع میں ہریانہ کے بعض شاعروں نے انگریزی کی نظموں کے اردو میں منظوم ترجمے کیے مثلاً 1۔ نذیر حسین احمد انبالوی نے ایک مختصر سی نظم لکھی۔

ایذائے حیوانات

احباب میں اپنے اُسے شامل نہ کروں گا　　اطوار خجستہ ہوں کہ فہمید نہیں ہوں
بہ اس کی ضرورت کوئی مجبور کرے جو　　روندے کسی کیڑے کو جو رہگذر میں
غفلت کا قدم ایک کچل سکتا ہے جھینگر　　جو وقت پگہ رہگذر عام ۔ہیں گے
یہ ہوگی شرافت جسے وہ آگہی پاکر　　ٹک ہٹ کے چلے گا اسے مرجانے نہ دیگا

یہ ایک انگریزی نظم کا ترجمہ ہے اس کا ہر مصرع موزوں اور دوسرے کا ہم وزن ہے لیکن غیر مقفّی ہے گویا یہ ''بلینک ورس'' کی طرف ایک شعوری اقدام ہے اس ابتدائی زمانے میں حالی کی وکالت کے باوجود یہ صورت حال ملک گیر سطح پر تو کیا، خود ہریانہ کے علاقے میں بھی مقبول و مروج نہیں ہو سکی اردو شاعری کی جو روش چلی آتی تھی یہ اسی پر بدستور قائم رہی۔

1- خستہ- منشی ہربلب

منشی ہربلب نام تھا اور خستہ تخلص کرتے تھے۔ 2 روپڑ ضلع انبالہ کے رہنے والے تھے۔ اس سے زیادہ ان کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ ان کا ایک شعر یہ ہے ؎

ستارے ہیں کہ موتی ہیں کہ یہ شبنم کے قطرے ہیں دکھاتا ہے فلک نیرنگیاں گوہر فشاں ہو کر

2- مشرقی- سردار گنڈا سنگھ

مشرقی تخلص 3 سردار گنڈا سنگھ خلف بشن سنگھ، روپڑ ضلع انبالہ کے رہنے والے، اسی قصبہ میں اگست 1857 میں پیدا ہوئے تھے اور دو اپریل 1909 میں فوت ہوئے۔ نواب مرزا خاں داغ کے شاگرد تھے۔ اردو کے ساتھ پنجابی میں بھی شعر کہتے تھے۔ نظم و نثر میں کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں مثلاً:

بگا بھگت نامہ، پنجابی کویتا، دیوان مشرقی، آزاد فقیر کی گفتگو ، اور دو شہید صاحبزادے، شوکت خالصہ، مرقع خیالات، مراۃ الاسرار

3- تمیز- نواب احمد علی خاں

''تمیز تخلص نواب احمد علی خاں، خوش خلق اور نیک نہاد، فکر سخن میں اکثر امثال واقران سے بہتر بہ نسبت غزل کے سلام و مرثیہ کا فکر بیشتر دامنگیر رہتا ہے۔ پہلے ریاست اور حکومت بہادر گڑھ اور اس کے مضافات کی جو شاہجہاں آباد سے بارہ کوس کے فاصلے پر اور بالفعل تحت حکومت نواب بہادر جنگ خان بہادر ہے..... نواب امیر علی خاں مرحوم کی بعض بعض ادائے ناخوش سے.....وہ ریاست اس خاندان سے منتقل ہوئی لیکن اب تک کچھ جاگیر بہ قدر مدد معاش معین ہے۔ سکونت ان کی بیشتر شاہجہاں آباد میں اور گاہ گاہ بہادر گڑھ میں ہوتی ہے۔'' 4

مرزا قادر بخش صابر کے تذکرے سے یہی مضمون لالا سری رام5 نے اپنے تذکرے میں نقل کر دیا ہے۔ تمیز کے دو شعر یہ ہیں ۔

اب تو زمیں یہ پکڑی ہے محشر ہی کیوں نہ ہو　　جنبش کریں گے ان کے نہ پر آستاں سے ہم
کس کے زخش گرم سے پامال میری خاک ہے　　آج تک روئیدگی جو قبر پر ہوتی نہیں

4- فائق۔ مرزا عبدالقادر بیگ

''فائق تخلص مرزا عبدالقادر بیگ ابن مرزا احمد بیگ ابن مرزا محمدی بیگ، قوم مغل، اصفہانی الاصل ہے۔ سکونت قدیم سے حویلی اعظم خاں میں صورت پذیر ہے کہ وہ بالفعل ایک محلہ ہے محلات شاہجہاں آباد سے.... مدت سے زمرۂ سوارانِ سرکار نواب بہادر جنگ خان بہادر والی بہادر گڑھ میں منسلک ہے۔ باوجود عمری سالہ کے ......حلم اور بردباری واخلاقِ حمیدہ پیرانِ صد سالہ سے زیادہ اور صفحۂ خاطر نقشِ رعونت سے سادہ ہے۔''6

فائق عبث ہے تجھ کو شکایت سپہر سے　　کون اس کے دور میں نہیں اندوہگیں رہا
پیتا ہے جو محفل رنداں میں تو بنے　　ہم بن اگر پئے تو ہمارا لہو پئے

5- جعفری۔ شیخ جعفر علی

''جعفری تخلص شیخ جعفر علی قاضی زادہ، متوطن پرگنہ دادری، آدمی نیک نہاد اور کریم الاخلاق ہے۔ پینتیس برس کی عمر میں مردم صد سالہ کی متانت بہم پہنچائی ہے۔ بالفعل نواب عبدالرحمٰن خاں والی جھجر کی سرکار میں ملازم ہے۔ شعر ریختہ آب وتاب سے کہتا ہے۔''7

الٰہی گھڑی ہر زخم دل سے خوں ٹپکتا ہے　　شہید ناز ہوں میں آہ کس دست حنائی کا
گم ہوگئے ہم بحر تفکر میں سراپا　　تس پر بھی معمانہ کھلا اس کی کمر کا

6- ظہور۔ مولوی محمد ظہور علی

مرزا قادر بخش صابر نے ان کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ خلاصہ ان کا یہ ہے :

"ظہور تخلص..... مولوی ظہور علی، وطن اصلی ہریانہ اور اب مدت سے مسکن شاہجہاں آباد ہے۔ چھ سو برس ہوئے کہ مولانا شیخ کریم الدین جو اس کے جد امجد تھے، بخارا سے ہندوستان میں تشریف فرما ہو کر چندے قصبہ رہتک میں ......پھر جھجر میں ساکن ہوئے۔ من بعد قصبہ دادری میں توطن اختیار کیا سلسلہ اس کے اجداد کا محمد ابن ابوبکر صدیق تک پہنچتا ہے۔ والدہ اس کی اولاد سید عبدالقادر جیلانی اور بنت مولوی فضل علی مغفور ہے اور یہ سید شیر محمد قادری برہانپوری کی اولاد سے تھے.... فن سخن کو حافظ عبدالرحمٰن احسان، شاہ نصیر اور مومن مرحوم سے کسب کیا ہے۔

تاریخ گوئی کی طرف توجہ تام ہے۔ والد اس کے مولوی فتح علی فن فارسی میں یگانہ روزگار تھے۔"8

اور لالا سری رام نے ان کے مزید حالات اس طرح قلمبند کیے ہیں :

"مولوی محمد ظہور علی دہلوی خلف مولوی فتح علی خان بہادر، 1221ھ/1806 میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ کتب درسیہ مفتی صدرالدین آزردہ سے پڑھیں۔ اوائل مشق میں چند غزلیں شاہ نصیر اور حکیم مومن کو دکھائیں پھر ذوق مرحوم سے تلمذ اختیار کیا..... شمس الشعرا کا خطاب سرکار شاہی سے ملا۔ 1286ھ میں بہ عمر پینسٹھ سال انتقال کیا۔ ان کے والد سرکار انگریزی کے جاگیر دار تھے۔ گورنر جنرل ہند نے بہ مقام دہلی 1822 میں بہ صلۂ مدح گستری انھیں خلعت فاخرہ عنایت کیا تھا..... ظہور مرحوم کو معما میں بڑا کمال تھا۔ ایک رسالے میں معما حل کرنے کے قاعدے لکھے تھے۔ اور اُسے نظم میں مرتب کیا تھا۔ اس کو مرزا قادر بخش گورگانی نے طبع کرایا تھا۔ دیوان مطبوعہ میں بیشتر حصہ غدر کے بعد کی تصنیف ہے۔ قصیدے اور مرثیے بھی خوب کہتے تھے۔ تاریخ گوئی میں بھی اچھا ملکہ تھا۔"9

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے۔

ہُوا برباد کیا اے ہمصفیر و آشیاں اپنا — کہ گلشن میں رہا باقی نہ کچھ نام ونشاں اپنا
تمھارے دوستوں کا تو کلیجہ ہوگیا ٹھنڈا — بلا سے گرجپ غم میں ہمیں جلتا ہوا دیکھا
حیراں ہوں دیکھ کر سرمژگاں پہ اشک کو — کیوں طفلِ بے گناہ کو کھینچا ہے دار پر

دلوں میں جب سے ہے فرق دلبر، ادھر ہمارے اُدھر تمھارے
جہاں میں چرچے بھی ہیں گھر گھر ادھر ہمارے اُدھر تمھارے

ظہور بلاشبہ قادرالکلام شاعر تھے۔ وہ سنگلاخ زمینوں اور لمبی ردیفوں میں بھی اچھے شعر کہہ لیتے تھے۔

7- مخنجر- محمد عبداللہ خاں

خنجر تخلص شیخ محمد عبداللہ خاں نام، پیر بخش فاروقی کے بیٹے، اصلاً اجمیر کے رہنے والے، سرسہ ضلع حصار میں ریلوے میں ٹھیکہ داری کرتے تھے۔ 9 پہلے سیدزماں خاں دہلوی سے پھر غلام عبدالقادر الفی ناگپوری سے اصلاح لیتے تھے۔ ان کا دیوان ''چمنستانِ گفتار'' چھپ گیا ہے لیکن بقول لالا سری رام یہ لکھنؤ کے طرز میں کہتے تھے اور کلام میں کوئی قابل ذکر بات نہیں ہے۔ ان کے دوشعر یہ ہیں ۔

نہ شاکی ظلم کا ہوں، نہ خواہاں ہوں عنایت کا — کیا ہے میں نے جامہ زیب تن صبر وقناعت کا
لکھا تقدیر کا ارے ناداں — کہیں مٹتا بھی ہے مٹانے سے

8- عاصی- عبدالرحمٰن

عاصی تخلص منشی عبدالرحمٰن خلف چودھری نور محمد خاں مال گزار قصبہ ٹنگ تھلہ ضلع حصار، مسلم راجپوت ہیں۔ 10 خواجہ عبدالرؤف عشرت کے شاگرد ہیں۔ 11 کلام خامیوں سے خالی نہیں ہے۔ ان کے دوشعر یہ ہیں ۔

نہ لیں گے نام حوروں کا کبھی اے حضرت زاہد — اگر بیٹھیں کے دودن آپ جا کر گلعذاروں میں
بے خودی تجھ پہ جان ودل سے نثار — دونوں عالم سے بیخبر ہوں میں

9- فضل- فضل الرحمٰن

فضل تخلص فضل الرحمٰن ولد شیخ حامد علی ابن قاضی احمد مرحوم، ساکن قصبہ مہم ضلع رہتک، صوبہ

دارالخلافہ شاہجہاں آباد۔12 پانچ سو برس کا عرصہ ہوا کہ بزرگ اس نیک نہاد کے یمن سے وارد ہند ہوکر قصبہ مذکور میں متوطن ہوئے۔فن شعر میں اول اپنے برادرزادہ محمد رفیع الدین سے استفادہ کرتا تھا۔اب محمد حیات خاں حیات سے مشورہ کرتا ہے۔اس کا یہ ایک شعر سنا گیا ۔

حاجت دام نہیں عاشق بیدل کے لیے گیسو یار ہی کافی ہے سلاسل کے لیے

10- متین- رائے کانجی سہائے

" متین تخلص.....رائے کانجی سہائے ،متوطن قدیم الہ آباد-اس صاحب اقتدار کے والد ماجد جگرولال نے ابتدائی عملداری انگریزی میں مدت ہائے مدید عہدۂ تحصیلداری پرگنہ اہرکھ ضلع بنارس پر مامور ہوکر جاہ واعتبار کے ساتھ بسر کی اور عم بزرگوار.......تحصیلدار بندکی ضلع فتح پور اورفن شعر گوئی میں شاگرد شاہ محمد علیم الہ آبادی تھا۔ یہ والا جاہ اوائل میں عہدۂ منصفی موضع مجھن پور......سے سرفراز ہوااور بالفعل مسند صدرالامینی رہتک پر متمکن ہے.....ہر چند اس فن میں کسی سے مشورے کا اتفاق نہیں ہوا استعداد خداداد سے قدم فکر جادۂ استقامت سے منحرف نہیں ہے۔"13

صابر نے متین کا جو کچھ کلام درج کیا ہے وہ فارسی میں ہے۔ اردو کا اس کا کوئی شعر دستیاب نہیں ہوا۔

11- رخشاں- نواب ضیاءالدین احمد خاں

رخشاں تخلص نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر والی ریاست لوہارو، خلف نواب احمد بخش خاں والی فیروز پور جھرکا،اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔14 اردو میں رخشاں اور فارسی میں نیر تخلص کرتے تھے۔1821 میں 15 فیروز پور جھرکا میں پیدا ہوئے اور جون 1885 میں دہلی میں رحلت کی تھی۔ان کے بیٹے سعیدالدین احمد خاں طالب نے 1915 میں ان کا دیوان مرتب کر کے شائع کر دیا تھا۔

رخشاں مرزا غالب کے شاگرد بلکہ ان کے خلیفۂ اول تھے۔ ان کا شمار دہلی کے ممتاز صاحبان علم میں ہوتا تھا۔ان کے چند شعر نمونہ کے طور پر درج کیے جاتے ہیں۔ ؂

پی کے گرنے کا ہے خیال ہمیں　　ساقیا لی جیو سنبھال ہمیں
شب نہ آئے جو اپنے وعدے پر　　گذرے کیا کیا نہ احتمال ہمیں
پیری و مفلسی میں نہ لو نام مے کہ اب　　لطف ارتکاب میں ہے نہ اجر اجتناب میں
چاک یکسر مرا گریباں ہے　　دل کا محضر مرا گریباں ہے
کیا پہنچے تو، فرشتے کا جس جا گذر نہ ہو　　بیت الصنم ہے شیخ خدا کا یہ گھر نہ ہو

کچھ شبہ نہیں کہ رخشاں مشاق اور قادر الکلام شاعر تھے۔ وہ بہت طویل ردیفوں اور سنگلاخ زمینوں میں بھی بہت صاف اور شگفتہ غزلیں کہہ لیتے تھے۔

خاندان لوہارو میں نسلاً بعد نسلٍ اور بھی کئی اچھے شاعر ہوئے ہیں۔

12- اعظم- نواب اعزالدین احمد خاں

اعظم تخلص 16 نواب اعزالدین احمد خاں نام، نواب سرامیرالدین احمد خاں فرخ مرزا کے بیٹے تھے۔ رئیس لوہارو تھے دسمبر 1885 میں پیدا ہوئے تھے۔ چالیس برس سے زیادہ عمر پا کر اکتوبر 1926 میں فوت ہوئے۔

اعظم نے نوعمری میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ جلدی ہی دیوان بھی مرتب کر لیا تھا۔ پھر ایک مثنوی ''نور جہاں و جہانگیر'' تصنیف کی۔ اس کے بعد حوصلہ زیادہ ہوا اور انھوں نے ایک اور مثنوی ''گلزار اعظم'' کے نام سے لکھی۔ اس میں شاہان مغلیہ کے طور طریق، رسم و رواج، نشست و برخاست، بول چال، معاملات و مشاغل وغیرہ کا بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔

یہاں اعظم کی حمد و نعت اور غزل کے چند اشعار مثال کے طور پر تحریر کیے جاتے ہیں۔

کیا ہو سکے اللہ بیاں تیرے کرم کا　　جھکتا ہے ترے سجدے میں سر میرے قلم کا
شوق نعت مصطفیٰؐ دل میں مرے پیدا ہوا　　کیا منور نور ایماں سے مرا سینہ ہوا
چال میں انداز محشر اور فتنے بات میں　　اک نرالی بات ہے ان کی تو ہر اک بات میں
کنج تنہائی میں ساتھی مرے ارماں ہوں گے　　داغ سینے کے چراغ شب ہجراں ہوں گے

ب - سوانحات

ہریانہ کے علاقے میں سوانح نگاری سے بھی خاصی دلچسپی لی گئی تھی لیکن یہاں جو سوانحات لکھی اور پسند کی گئی تھیں عموماً مذہبی شخصیتوں سے متعلق تھیں۔ یہ سوانحات بہت زیادہ ضخیم نہیں تھیں لیکن عموماً عام پسند تھیں۔ ان کی زبان بول چال کے مطابق اور آسان ہوتی تھی۔

1- سیرت فاروق

مولوی سراج الدین احمد چند سوانحات کے مصنف تھے۔ انہی میں سے ایک یہ[1] ''سیرت فاروق'' بھی ہے۔ فضل الدین ککے زئی، تاجر کتب، لاہور اس کتاب کے ناشر تھے۔ وہ زمانہ تھا جب ہریانہ کے علاقے میں طباعت کی سہولتیں موجود نہیں تھیں اس لیے لاہور وغیرہ مرکزی مقاموں پر کتابیں چھپوائی جاتی تھیں۔ یہ کتاب بھی مصطفائی پریس لاہور میں 1894 میں طبع ہوئی تھی۔ کل 264 صفحوں پر محیط تھی۔

2- حیات صلاح الدین ایوبی

یہ بھی مولوی سراج الدین احمد کی تصنیف ہے۔ کتاب کا پورا نام[2] ''حیات صلاح الدین ایوبی مع مختصر تواریخ جنگ ہائے صلیبی'' اُس زمانے میں انبالہ میں ایک مطبع ''ہلالی اسٹیم پریس'' کے نام سے قائم ہو چکا تھا۔ مالک اس پریس کے غالباً محمد ہلال کریم بخش تھے۔ اسلامیات سے

متعلق بیشتر کتابیں اسی پریس میں چھپتی تھیں۔ یہ کتاب بھی 1905 میں 238 صفحوں پر مطبع ہلالی ساڈھورا ضلع انبالہ میں چھپی تھی۔

3- الخالد

یہ کتاب 3 حضرت خالدؓ بن ولید کی سوانح، سیرت اور ان کے کارناموں کے بیان پر مشتمل ہے۔ یہ کرم الٰہی کی تصنیف کا ترجمہ ہے مترجم کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ کتاب بھی 1320ھ/ 1902 میں ہلالی اسٹیم پریس ساڈھورہ ضلع انبالہ میں چھپی تھی۔ یہ کل پونے دوسو سے کچھ زیادہ صفحوں پر محیط ہے۔

4- خالدؓ بن ولید

اس کتاب کے مصنف 4 سید جیلے شاہ ہیں۔ یہ کل چالیس صفحوں کا کتابچہ ہے۔ یہ بھی اُسی مطبع یعنی ہلالی اسٹیم پریس ساڈھورا ضلع انبالہ میں طبع ہوئی تھی۔ ایک ہی پریس سے حضرت خالدؓ بن ولید کے حالات زندگی سے متعلق دو کتابوں کا چھپ کر شائع ہونا قابل توجہ بات ہے۔

شروع زمانے میں انبالہ میں دو مطبعوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایک تو وہی ہلالی اسٹیم پریس ہے اور دوسری ہری پرکاش پریس ہے، جس میں معمولاً اسلام کے علاوہ مذاہب سے متعلق کتابیں چھپتی تھیں۔

5- پنڈت گورودت وڈیارتھی کا جیون چرتر

پنڈت گرودت وڈیارتھی ایک آریہ سماجی رہنما تھے 5۔ بابو لاجپت رائے ان کے ایک عقیدت مند تھے۔ انھوں نے اسی عقیدت سے پنڈت جی کی زندگی کے حالات اس کتاب میں قلمبند کیے تھے۔ مینیجر آریہ گزٹ کیمپ فیروز پور نے اس ''جیون چرتر'' کو 1891 /09-1308ھ میں گولڈ بری پریس کیمپ فیروز پور میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔ کتاب کی ضخامت دوسو آٹھ صفحوں کی ہے۔

مذکورہ 6 آریہ گزٹ ہفتہ وار اخبار تھا اور یہ بابو لاجپت رائے مذکور، بہ گمانِ غالب لاہور والے لالا لاجپت رائے تاجر کتب سے مختلف شخص تھے۔

ج - تاریخ وجغرافیہ

تواریخ اور جغرافیہ سے متعلق بیشتر کتابیں درسی تقاضوں اور نصابی ضرورتوں سے لکھی گئی تھیں۔ ان کی زبان اور طرز بیان بھی سلیس، آسان اور دلچسپ ہوتا تھا۔ موضوعات بھی طالب علمانہ ہوتے تھے۔ کچھ کتابیں علمی مقاصد سے بھی تصنیف کی گئی تھیں۔ ان کا مزاج اور انداز مختلف ہوتا تھا۔

1- جغرافیہ ضلع انبالہ

شیودیال نامی 1 ایک شخص نے ضلع انبالہ کا جغرافیہ لکھا تھا۔ یہ ساٹھ صفحوں کا کتابچہ ہے اور 1894 میں مطبع مفید عام لاہور میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

2- تاریخ ضلع انبالہ

ذخیرۂ شیرانی میں ایک کتاب 2 ''تاریخ ضلع انبالہ'' ہے جو کرم خوردہ ہے۔ اس کے مصنف کا نام اور احوال معلوم نہیں ہو سکا ہے۔

3- جغرافیہ ضلع حصار

سررشتہ تعلیم پنجاب نے الگ الگ ضلعوں کے جغرافیہ سے متعلق کتابچے مختلف استادوں اور عالموں سے لکھوا کر شائع کیے تھے۔ 3 ''جغرافیہ ضلع حصار'' بھی انہی میں سے ہے۔ اس کے

مولف کا نام معلوم نہیں ۔ یہ کتابچہ اٹھاون صفحوں کا ہے اور 1891 میں مطبع مفید عام لاہور میں چھپا تھا۔

سررشتہ تعلیم نے اسی سلسلے میں 4 ذیل کے کتابچے بھی مطبع مفید عام لاہور میں چھپوا کر شائع کیے تھے۔

4- جغرافیہ ضلع روہتک 60 صفحے سال اشاعت 11-1310ھ/1893

5- جغرافیہ ضلع فیروز پور 68 صفحے سال اشاعت 12-1311ھ/1894

6- جغرافیہ ضلع گوڑگاؤں 62 صفحے سال اشاعت 09-1309ھ/1890

آخرالذکر کو پنجاب یونیورسٹی لاہور نے شائع کیا تھا۔

7- تاریخ جھجر

منشی غلام نبی 5 نے ریاست جھجر ضلع روہتک کے تواریخی اور جغرافیائی حالات ایک مبسوط کتاب کی صورت میں لکھ کر اس کا نام " تاریخ جھجر " رکھا تھا۔ یہ کتاب کوئی سوا تین سو صفحوں پر 1866 میں زیور طباعت سے آراستہ ہوئی تھی۔

8- تاریخ عجیب

اس " تاریخ عجیب " 6 کے مصنف محمد نجف علی خاں ساکن قصبہ جھجر تھے۔ یہ قلمی نسخہ زبان اردو میں خود مصنف کا مسودہ خیال کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں لکھا ہے:

" در ذکر واقعات و محاربات سرداران انگریزان۔"

د ۔ ڈراما

ڈراما لکھنے اور ڈراما دیکھنے سے اہل ہریانہ کو غالباً کچھ زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ اس صوبہ میں ڈراما نویسی کے لیے صرف ایک معروف نام ملتا ہے۔ رام بابو سکسینہ نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے :

"منشی محمد ابراہیم محشر انبالوی حشر کے شاگرد ہیں اور آتشیں ناگ نگاہ ناز اور خود پرست وغیرہ ڈراموں کے مصنف ہیں۔"1

محشر کا زمانہ قدرے بعد کا ہے۔ محشر اور حشر کے تخلص بظاہر بھی دونوں کے مابین عمدہ روابط کے مظہر ہیں۔ محمد عمر نور الٰہی نے محشر کے بارے میں جو معلومات قلمبند کی ہیں مختصراً اس طرح ہیں :

"منشی ابراہیم محشر انبالوی بھی اسی بزم کے اراکین سے ہیں اور تا ایں دم ڈرامے لکھے جاتے ہیں......رحمت اور محشر صرف اردو میں ڈرامے لکھتے ہیں۔ وہ عوام کو خوش کرنے کے ڈھنگ خوب جانتے ہیں..... یہ ہر دو اصحاب بھی حشر کے اسکول سے تعلق رکھتے ہیں۔ اکثر کمپنیاں انھیں کے ڈراموں کی بدولت چل رہی ہیں..... محشر کی تصنیفات کی فہرست طویل ہے۔ چند نام یہ ہیں :

جوشِ توحید	دشمن ایماں	جنگ جرمن	غریب ہندوستان	سنہری خنجر
ہمارا خدا	دوزخی حور	رسیلا جوگی	چمکتی بجلی	شکنتلا

میراں بائی۔''2

محشر جیسا کہ ان کے تخلص سے بھی ظاہر ہے شعر بھی کہتے تھے، اور اس سے وہ اپنے ڈراموں میں فائدہ اٹھاتے تھے۔

نثر میں محشر نے مذہبی تاریخ نویسی سے بھی دلچسپی لی تھی چنانچہ ان کی ایک کتاب کا نام ''آلِ زور عین'' ہے 3 جو دو سو اسّی صفحوں پر محیط ہے اور 1922 میں چھپی تھی۔ اس کتاب میں ان لوگوں کے حالات اور کارناموں کا بیان کیا گیا ہے۔

اوپر رحمت کا ذکر آیا ہے۔ اس شخص کے بارے میں رام بابو سکسینہ نے اتنا لکھا ہے :

> '' منشی رحمت علی مصنف دردِ جگر، باوفا قاتل وغیرہ۔ پہلے البرٹ تھیٹریکل کمپنی کے مینیجر تھے۔ اب پارسی تھیٹریکل کمپنی، کے ڈائرکٹر ہیں۔''4

۵ - متفرقات

ہریانہ کے اضلاع میں بعض متفرق کتابیں مختلف موضوعات سے متعلق بھی لکھی گئی تھیں۔ صرف چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے کہ ان سے اس خطے کے لوگوں کی علمی دلچسپیوں کا اندازہ ہو سکے۔

1- معین الطب

اس کتاب کا پورا نام ہے "معین الطب المعروف بہ تحقیق الاجساد" مصنف اس کے غلام نبی انبالوی ہیں جو پیشے کے اعتبار سے حکیم تھے۔ اس کتاب کا سالِ تصنیف 1339ھ / 21-1920 ہے۔ یہ ایک سواڑسٹھ صفحوں کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں کشتے بنانے کے طریقے اور ان کے فوائد کا بیان کیا گیا ہے۔

> آغازِ کتاب..... "امابعد آنکہ چونکہ امراضِ صعب کے دور کرنے میں کشتوں کو بہت دخل ہے، جن کی تاثیر بہت جلد ظاہر ہوتی ہے اور فائدہ مستقل دیرپا ہوا کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ سادھوسنت اور سنیاسی تارک الدنیا جہاں گردوں کی طرح مایوس العلاج اکثر رجوع کرتے ہیں..... "

اور خاتمہ اس عبارت پر ہوا ہے۔

"دوسیر کی آگ دیں، سفید کشتہ ہے۔ فوائد گٹھیا اور کھانسی کے لیے نہایت مجرب
ہے۔ خوراک بہ قدر دو رتی عرق سونف کے ساتھ۔ "

2- رموزِ حکمت

رموزِ حکمت ایک ضخیم کتاب ہے جو غالباً کئی رسالوں پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ "علم قیافہ"2 سے متعلق ہے۔ مصنف نے اس کو "رسالہ حافظ صحت" بھی کہا ہے۔ یہ کتاب سوال و جواب کی صورت میں لکھی گئی ہے۔ قیافہ شناسی کے مبادیات مثلاً صحت، جسمانی ساخت اور مختلف علامات کی خصوصیات کا بیان کیا گیا ہے۔

یہ کتاب بھی حکیم غلام نبی کی تصانیف میں سے ہے اور یہ انیسویں صدی کے آخر میں لکھی گئی تھی۔ تیسری مرتبہ مطبع زبدۃ المطابع لاہور میں 1901 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عام طور سے پسند کی گئی تھی۔ ضخامت چالیس صفحوں کی تھی۔

3- رسالہ علم قیافہ

اس کا پورا نام3 "رسالہ علم قیافہ وسوال و جواب طبیہ" ہے۔ کل چھپن صفحوں پر محیط ہے۔ اس میں علم قیافہ کا تعارف و ترجمہ فرح الانسان بابت طب بہ طریق سوال و جواب لکھا ہے۔ مصنف اس کے سید محمد پٹیالوی تھے اور یہ رسالہ مطبع رضوی دہلی میں 1893 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

مرزا قادر بخش صابر کے تذکرے میں ایک شاعر کا احوال اس طرح درج ہے :

"معزز تخلص، سید محمد علی، ساکن نکن پور، شاگرد انیس لکھنوی۔ عرصہ کئی مہینے کا ہوا
کہ شاہجہاں آباد میں راجا پٹیالہ کے ہمراہ وارد ہوا اور راقم کو اپنی ملاقات سے
مسرور کیا۔"

اس کا ایک شعر یہ ہے ؎

لکھتے لکھتے اُڑ کے پہنچا ہاتھ پر اُس شوخ کے — شوق نامہ کیا مرا بالی کبوتر ہو گیا

گمان غالب ہے کہ یہی شخص "رسالہ علم قیافہ" کا مصنف تھا۔

ooo

حواشی

1-	مقالات شیرانی	جلد2	ص 351 تا 353
2-	ہریانہ کے مشاہیر		ص 14

الف - شاعری

1-	سازِ مغرب	جلد5	ص 102
2-	ہندو شعرا		ص 52
3-	وفیات مشاہیر اردو		ص 560
4-	گلستانِ سخن	جلد1	ص 353
5-	خمخانۂ جاوید	جلد2	ص 139
6-	گلستانِ سخن	جلد2	ص 268
7-	ایضاً	جلد1	ص 375
8-	ایضاً	جلد2	ص 191 تا 192
9-	خمخانۂ جاوید	جلد5	ص 479
10-	ایضاً	جلد3	ص 54

11-	ایضاً	جلد5	ص 544
12-	گلستان سخن	جلد2	ص 283
13-	ایضاً	جلد2	ص 337
14-	خم خانۂ جاوید	جلد3	ص 377 تا 379
15-	ہریانہ کے مشاہیر		ص 20
16-	خاندان لوہارو کے شعرا		ص 10 تا 11

ب - سوانحات

1-	قاموس الکتب	جلد2	ص 174
2-	ایضاً	جلد2	ص 297
3-	ایضاً	جلد2	ص 187
4-	ایضاً	جلد2	ص 186
5-	ایضاً	جلد2	ص 155
6-	کتابیات پاکستان کے اخبارات		ص 15

ج - تاریخ وجغرافیہ

1-	قاموس الکتب	جلد2	ص 84
2-	ذخیرہ شیرانی		ص 33
4،3-	قاموس الکتب	جلد2	ص 84
5-	قاموس الکتب	جلد2	ص 474
6-	ذخیرہ شیرانی		ص 10

د - ڈراما

1-	تاریخ ادب اردو	حصہ نثر	ص 153
2-	ناٹک ساگر		ص 371، 387
3-	قاموس الکتب	جلد2	ص 370

-4	تاریخ ادب اردو	حصہ نثر	ص 153

ہ - متفرقات

-1	اردو مخطوطات آصفیہ	جلد 1	ص 300
-3،2	قاموس الکتب	جلد 1	ص 657
-4	گلستان سخن	جلد 2	ص 373

13-سہارنپور

		سہارن پور	363
		الف - شاعری	365
-1	حباب-	پنڈت امراؤ سنگھ	365
-2	حسن-	سید امیر حسن	366
-3	خضر-	شیخ محمد یوسف	366
-4	خاک-	میر طالب حسین	366
-5	سوزاں-	منشی حبیب الدین احمد	367
-6	وحشی-	منشی حبیب حسن	367
-7	شرر-	منشی کندن لال	368
-8	خلیل-	شاہ محمد خلیل الرحمٰن	368
-9	فرحت-	مولوی محمد جان	368
		ب - نثر دیوبند	371
-1	حبیب-	مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی	371
-2	رشید-	مولانا رشید احمد	371
-۳	وحید-	وحید الدین عثمانی	372
		ج - نثر نویسانِ رڑکی کالج	373

-1	استعمال لوگارثم	373
-2	بیان لوگارثم	373
-3	رسالہ درباب پیائش	373
-4	فن نجاری	374
-5	رسالے	374
-6	پیائش خسرہ	374
-7	پلوں کا بیان	374
	حواشی	375

سہارنپور

ضلع سہارنپور کو اس کے دو علمی اداروں کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اول دارالعلوم دیوبند جو دنیا کے اسلامی تعلیم کے سب سے بڑے مراکز میں سے ایک ہے۔ دوم رڑکی کالج جسے برصغیر ہند و پاک وغیرہ کے اولین انجینئرنگ کالج ہونے کا شرف حاصل ہے۔ گویا اس ضلع میں دین و دنیا کی علمی دولتیں جمع ہوگئی ہیں۔ اس ضلع کے مذکورہ دونوں اداروں نے اپنے اپنے دائرے، مزاج اور طریقے کے مطابق زبانِ اردو کی توسیع و ترقی میں حصہ لیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ دارالعلوم کے استادوں اور شاگردوں نے اول روز سے جو کام شروع کیا تھا، وقت کے ساتھ اس میں مزید ترقی ہوتی گئی اور رڑکی کالج کے عمل میں کچھ ہی مدت کے بعد ایسی تبدیلی آئی کہ جس کے نتیجہ میں زبانِ اردو سے اس کا رابطہ جاری نہ رہ سکا۔

الف - شاعری

سہارنپور کے علمی حلقوں میں اردو شعر و ادب سے خاصی دلچسپی لی جارہی تھی لیکن غالباً مذکورہ علمی اداروں کے اثر سے یا شاید دہلی سے بُعدِ مکانی کی وجہ سے یہاں میرٹھ والی بات پیدا نہیں ہو سکی تھی۔ یہاں اردو شاعری کا انداز بطور مجموعی روایتی تھا اور اس باب میں مسلمان اور ہندو سب برابر کے شریک تھے۔ وہ غزل کے علاوہ اردو شاعری کی مروجہ سبھی اصناف میں اپنی طبیعت کی جولانی دکھاتے تھے۔

1- حباب- پنڈت امراؤ سنگھ

"ناظم باکمال، ناثر عدیم المثال پنڈت امراؤ سنگھ حباب خوشہ چین خرمن کمال اسداللہ خان غالب.... رڑکی کالج میں بیس پچیس برس تک مدرس سیاق رہے...... آپ کا مذاق نہایت شستہ اور قابل تقلید ہے۔ اب کئی برس سے پنشن پاتے ہیں۔ پینسٹھ برس کی عمر پا کر 1909 میں بمقام لاہور انتقال کیا۔"[1]

گلشن میں گدگدی سے نسیم سحر کی آج   گل ہنس دیا تو غنچہ بھی کچھ مسکرا دیا

غل کرتا ہے مژدۂ آزادی کا   زنداں سے رہا ہو کے اسیر آتا ہے

آزادِ غم جہاں فقیر آتا ہے | ہے ساتھ جو توشۂ توکل بہ خدا
گریباں پھاڑتے گھر سے تمھارے ہم نشیں نکلے | جنوں تعلیم تھی کیا بزمِ شب جو صبح ہوتے ہی

2- حسن- سید امیر حسن

مولوی سید امیر حسن تخلص حسن ابن حاجی سید اکبر علی ساکن سہارنپور، سادات موسوی اثنا عشری سے تھے.... تقریباً پچاس سال تک سرکار انگریزی کی عدالتہائے ضلع میں وکالت کی..... عربی فارسی میں استعداد کامل رکھتے تھے....... لکھنؤ و دہلی کے باکمال سہارنپور میں وارد ہوتے تو انہی کے مہمان ہوتے.... ملک الشعرا مہدی علی خان ذکی مرادآبادی سے تلمذ اختیار کیا...... 1889 میں اُسّی برس کی عمر میں انتقال کیا۔''

جب آسیا کی طرح رات دن رہی گردش | بہ زیرِ چرخ میسر تب ایک دانہ ہوا
زلف و رُخ انتخاب ہیں دونوں | روز و شب کے جواب ہیں دونوں
وصل میں چین ہے نہ فرقت میں | جان کو اک عذاب ہیں دونوں
جہاں کی خاک ہوتی ہے وہیں لے جاکے رہتی ہے | حسن پاؤں میں ہے ہر شخص کے زنجیر مٹی کی

3- خضر- شیخ محمد یوسف

''بابو شیخ محمد یوسف خلف شیخ کریم بخش، مولوی محمد مقیم سہارنپوری کے شاگرد، فارسی میں اچھی استعداد، اور کسی قدر انگریزی کی بھی مہارت تھی۔ سہارنپور میں ایک انگریزی گنا پیلنے کے کارخانہ میں کلرک رہے..... پہلے یوسف، آخر میں خضر تخلص اختیار کیا۔ 1900 میں شیعہ ہوگئے۔ 1908 میں بہ عمر تینتالیس سال انتقال کیا۔''3

جوانی میں جو رہبر تھے ہمارے ولولے ہر دم | وہ پیری میں ہمیں اب دور سے رستہ بتاتے ہیں
کس طرح خو کے وفا تجھ سے ستمگر چھوٹے | غیر ممکن ہے کہ تلوار سے جوہر چھوٹے

4- خاک- میر طالب حسین

''میر طالب حسین خاک ابن سید میر عظیم علی ساکن قصبہ چلکانہ ضلع سہارنپور، اثنا عشری مذہب، قدیم وضع کے پابند، چالیس سال تک ریاست سرمور ناہن

میں معقول عہدوں پر رہے.... غزل کم کہتے تھے۔ طبیعت کا میلان اخلاقی او
رنعتیہ مضامین کی جانب تھا۔ ایک طولانی مثنوی "گل باغ ارم" تیس چالیس
جزو کی جو مستورات کے درس کے لائق ہے 1294ھ/ 1877 میں شائع کی
تھی۔ قصائد اور متفرق کلام بہت سا ہے۔ 1890 میں چھیاسٹھ برس کی عمر میں
ریاست نابھن میں انتقال کیا۔"

ازغزلیات ؎

پھول کی طرح رہوں، بو کی طرح لے جاؤں — بار ہووے نہ کسی پر مرا مرنا جینا
شعلۂ عشق بتاں دل میں چھپا کر رکھا — ہم نے اس آگ کو چھاتی سے لگا کر رکھا

ازقصائد ؎

نہیں مطلع مہ نو مدحتِ ابروئے احمدؐ کا — مِنا ہے مدّ بسم اللہ اونچا ہو کے سرمد کا
بیانِ خوبیِ تصویر بھی وصفِ مصوّر ہے — جو ہے وصفِ محمدؐ، وصف ہے ربِّ محمدؐ کا

5- سوزاں- منشی حبیب الدین احمد

" سوزاں منشی حبیب الدین احمد خلف خواجہ معین الدین انصاری سہارنپوری
.... غالب کی شاگردی اختیار کی بہت سے رسالے مثل تاریخ عجیب درحالات
حکمائے یونان، تریاق سموم، تاثیر القلوب، گنج شایگاں اور دو دیوان تصنیف
کیے۔ 1889 میں شمع حیات خاموش ہوگئی۔ پینسٹھ برس کی عمر پائی۔"5

غالب سے کام تھا سو وہ سوزاں گذر گئے — دہلی میں اب جناب کا کیا کام رہ گیا
تیری نگاہِ مست اثر دل میں کر گئی — ساقی یہ جام لے کہ مرا کام ہوگیا
دھوسکے تو اپنے دل کا داغ دھو — شیخ مُنہ کو ہر گھڑی دھوتا ہے کیا
بس اب عشقِ بتاں کر ترک سوزاں — خدا کا خوف کر، بندے خدا کے

6- وحشی- منشی حبیب حسن

لالا سری رام کی یادداشتوں میں ہے :

"وحشی منشی حبیب حسن صاحب باشندہ دیوبند، مقیم رڑکی"6

ان کے مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

ان کا ایک شعر یہ ہے ؎

انصاف میں کیوں دیر ہے اے داورِ محشر ڈر ہے نہ چلا جائے وہ محشر سے نکل کر

7- شرر- منشی کندن لال

یہ مہتاب رائے بھٹنا گر کے بیٹے تھے۔ لالا سری رام نے لکھا ہے :

" ناظم باکمال، ناثر عدیم المثال منشی کندن لال سہارنپور کے باشندے، گوالیار میں ملازم تھے۔ نظم کے علاوہ ہر قسم کی نثر لکھنے پر قادر تھے۔ بنواری لال شعلہ کے عزیز اور شاگرد تھے..... جوانی میں رحلت کی۔"7

شیخ دیوانہ ہے جنت کی سُنی باتوں پر مر ہی جائیگا اگر کوچۂ جاناں دیکھا

ہائے گھبرا کے کس انداز سے اس نے بس قتل کبھی خنجر پہ نظر کی کبھی داماں دیکھا

شرر نے غزل کے علاوہ کئی اچھی نظمیں بھی لکھی تھیں۔ ان میں نل ودمن، برشکال اور لطف خموشی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ آخر الذکر بطور مسدس ہے۔ اس کا پہلا بند یہ ہے ؎

خموشی خوبیٔ غنچہ دہن ہے سخن آموزِ چشمِ سحر فن ہے
نقابِ روئے رعنائے سخن ہے وفورِ شوقِ اہلِ انجمن ہے
زبانِ حال کی تقریر ہے تو
کہوں کیا بولتی تصویر ہے تو

8- خلیل- شاہ محمد خلیل الرحمٰن

شاہ محمد خلیل الرحمٰن سہارنپوری خلیل تخلص، حاجی شاہ محمد حبیب الرحمٰن کے بیٹے سرساوہ ضلع سہارنپور کے رہنے والے 1855 میں پیدا ہوئے، اپریل 1924 میں فوت ہوئے۔8 نظم ونثر میں کئی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں مثلاً آئینۂ حق نما، تحقیق الحق، مناظرۂ حق اور شجرہ ہائے منظوم۔ ان کا دیوان بھی مرتب ہو چکا تھا۔

9- فرحت- مولوی محمد جان

سہارنپور کے رہنے والے مولوی محمد جان فرحت تخلص9 مولوی سعید الدین کے بیٹے تھے۔

انھوں نے 1315ھ/ 98-1897 میں وفات پائی تھی۔ تصانیف میں صرف ''گلشن شہادت'' کا ذکر ملتا ہے۔

اوپر جو حالات نقل کیے گئے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ سہارنپور کے شاعروں میں قابل توجہ تعداد ایسوں کی تھی جو انگریزی داں تھے۔ بیشتر کی طبیعت مثنوی اور نظم کی طرف مائل تھی۔ اس صورت حال کو سہارنپور کے مخصوص ماحول کا اثر کہا جا سکتا ہے۔ امکان ہے کہ میرٹھ کے شعری ماحول کو بھی اس صورت حال میں کسی قدر دخل رہا ہو۔ سہارنپور میں غالب کے کئی شاگرد موجود تھے۔ بعض کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان کے علاوہ مولوی حبیب الرحمٰن سہارنپوری بیدل تخلص بھی تھے۔ ان کے اثر سے بھی اس خطے کے شعری ماحول میں جان پڑ گئی تھی۔ بیدل حاجی احمد علی محدث سہارنپوری کے بیٹے[10] اور خود بھی جید عالم تھے چنانچہ ان کے کلام کا انداز بھی ایسا ہی تھا۔ ایک شعر یہ ہے ؎

قطرہ میں بحر کا تماشا　　نقشہ ہے خدائی کا بشر میں

ب - نثر

اہلِ دیوبند

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ابن اسد علی نانوتہ ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ جوانی کے کوئی دس گیارہ سال میرٹھ میں بسر ہوئے۔ اس مدت میں وہ اپنے دوست مولوی ہاشم علی کے مطبع ہاشمی میں دینی کتب کی تصحیح کا کام کرتے رہے۔ ساتھ ہی تصنیف وتالیف کا اپنا کام بھی کرتے رہے۔ اسرارِ قرآنی، قصائد قاسمی اور فیوضِ قاسمی وغیرہ کئی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ مولانا کا سب سے بڑا اور مہتم بالشان کارنامہ دارالعلوم دیوبند ہے۔ علم ودانش کے اس عظیم مرکز سے فیض پاکر بے شمار علما اس کرۂ ارض کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ خاص سہارنپور کے تعلق سے صرف ایک دو حضرات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1- حبیب- مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندی 1 یہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے ہیں۔ دسمبر 1929 میں انتقال ہوا۔ ان کی ایک تصنیف یہ ہے: ''اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی۔''

2- رشید- مولانا رشید احمد

مولانا رشید احمد گنگوہی 2 ، جن کا مسکن گنگوہ ضلع سہارنپور ہے اپنے وقت کے ممتاز عالم

تھے۔ 1829 میں پیدا ہوئے اور 1905 میں رحلت کی۔ ان کا سب سے عظیم کارنامہ "تفسیر رشیدی" ہے۔

3- وحید- وحیدالدین عثمانی

وحیدالدین عثمانی دیوبندی (ضلع سہارنپور) نے 1896 میں وفات پائی۔ان کی ایک تصنیف "اقوال الصفا" ہے۔

ج - نثر نویسانِ رڑکی کالج

رڑکی انجینئرنگ کالج کے استادوں میں بعض شاعر او رنثر نویس بھی تھے چنانچہ اوپر پنڈت امراؤ سنگھ حباب کاذکر کیا جاچکا ہے۔کالج کے استادوں اور مترجموں وغیرہ کی کتابوں کی طباعت کے لیے کالج کا الگ ایک مطبع 1855 میں قائم کیا گیا تھا۔یہ مطبع نادیر کام کرتا رہا تھا۔کالج کی بعض کتابیں ضرورت پڑنے پر میرٹھ میں بھی چھپتی تھیں۔یہاں محض مثال کے طور پر چند کاذکر کیا جاتا ہے۔

1- استعال لوگارثم

اس کے مصنف کیپ،مترجم شنبھو داس،طامس انجینئرنگ کالج رڑکی 4 مدرسہ چھاپہ خانہ میں 1857 میں چھپی تھی۔کل 12 صفحے ہیں۔انگریزی سے ترجمہ،انجینئرنگ کی کتاب ہے۔

2- بیان لوگارثم

مصنف کیپ مترجم شنبھو داس،طامس انجینئرنگ کالج رڑکی-5مدرسہ چھاپہ خانہ میں 1875 میں چھپی تھی۔کل 22 صفحے-انگریزی سے ترجمہ،انجینئرنگ کی کتاب ہے۔

3- رسالہ در باب پیائش

اس کے مصنف شنبھو داس ہیں 6یہ 224 صفحوں پر مطبع ضیائی میرٹھ میں 1869 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔اس میں زمین کی پیائش اور بندوبست آراضی کے اصول اور طریقوں کا بیان کیا گیا ہے۔

مطبع ضیائی میرٹھ بہ گمان غالب 1862 میں قائم ہوا تھا۔ امکان ہے کہ اسی زمانے سے رڑکی کالج کے نصابوں سے متعلق کتابیں اس مطبع میں چھپنے لگی ہوں گی۔

4- فن نجاری

یہ لالا بہاری لال 7 کا ایک سو بیس صفحوں کا ایک رسالہ ہے جو رڑکی انجینئر نگ کالج کی پریس میں 1870 میں چھپا تھا۔ یہ رڑکی انجینئر نگ کالج کی درسی ضرورتوں سے متعلق ایک کتابچہ ہے جس میں فن نجاری کے مبادیات کا بیان کیا گیا ہے۔

5- رسالے

یہ بھی بہاری لال کے ترجمہ کیے ہوئے رسالے ہیں 8۔ ان میں رڑکی کالج کے امتحانوں کے پرچوں کے ترجمے ہیں۔ یہ رسالے تھامسن سول انجینئر نگ کالج پریس رڑکی میں 1870 میں چھپے تھے۔

6- پیائش خسرہ

یہ آر آسمتھ کے رسالے کا ترجمہ ہے 9 مترجم بہاری لال ہے۔ یہ ایک سو دس صفحوں پر رڑکی کالج پریس رڑکی میں چھپا تھا۔

7- پلوں کا بیان

یہ بھی لالا بہاری لال کے ترجموں میں سے ہے 10 کل ساٹھ صفحوں پر چھاپہ خانہ رڑکی کالج میں 1886 میں چھپا تھا۔ اس میں ہر قسم کے وقتی (عارضی) اور مستقل پلوں کی تعمیر کے طریقے، اصول وضوابط اور آلات تعمیر کا بیان کیا گیا ہے۔

مذکورہ درسگاہوں کے زیر اثر اُس زمانے میں مختلف علوم وفنون سے متعلق انفرادی طور پر بھی بہت سے کام کیے گئے مثلاً میاں جان پہلوان سہارنپوری نے ایک رسالہ 11 ''فن پہلوانی'' کے عنوان سے لکھا تھا جو چھیاسٹھ صفحوں پر محیط ہے اور انصاری پریس سہارنپور میں چھپا تھا۔ اس طرح زبان کی توسیع کے علاوہ ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس زمانے کے مختلف ہنر، علوم اور فنون نہ صرف محفوظ ہو گئے بلکہ ان کی ترقی اور فروغ کی صورت بھی پیدا ہو گئی۔

ooo

حواشی

الف - شاعری

-1	خم خانۂ جاوید	جلد 2	ص 380
-2	ایضاً	جلد 2	ص 443
-3	ایضاً	جلد 3	ص 26
-4	ایضاً	جلد 3	ص 6
-5	ایضاً	جلد 4	ص 288 تا 289
-6	ایضاً	جلد 6	ص 366
-7	ایضاً	جلد 4	ص 509
-8	وفیات مشاہیر اردو		ص 237
-9	ایضاً		ص 468
-10	تلامذۂ غالب		ص

ب - نثر

-1	وفیات مشاہیر اردو	ص 208

-2	ایضاً		ص 271 تا 272
-3	ایضاً		ص 636
-4	کتابیات تراجم	جلد 1	ص 42
-5	قاموس الکتب	جلد 3	ص 199
-6	ایضاً	جلد 3	ص 159
-7	ایضاً	جلد 3	ص 563 تا 564
-8	اردو میں سائنسی ادب		ص 247
-9	ایضاً		ص 245
10	ایضاً		ص 108

14- میرٹھ، مظفرنگر

		میرٹھ، مظفرنگر	381
		الف - شاعری	383
-1	اسمٰعیل-	مولوی محمد اسمٰعیل	363
-2	قلق-	غلام مولا	387
-3	شور-	جارج پیش	390
-4	رحیم-	مرزا رحیم بیگ	392
-5	جنگ-	منشی جنگ بہادر	395
-6	بیان-	سید محمد مرتضیٰ	397
		ب - تذکرہ	399
		ج - سوانحات	403
-1	تاریخِ بی بی ہاجرہ		403
-2	تذکرۂ غوثیہ		404
-3	لطائف غالب		407
-4	وقائع حیرت افزا		407
-5	روز نامچۂ شور		407
		د - ڈراما	409

1-	بدھ دیو	409
2-	چندر گپت	410
3-	تیغ ستم	410
	ہ - متفرقات	411
	و - اخبار و رسائل	415
1-	اخبار عالم	415
2-	میرٹھ گزٹ	416
3-	جلوۂ طور	416
4-	میور گزٹ	416
5-	لارنس گزٹ	416
6-	محب ہند	417
7-	نجم الاخبار	417
8-	آریا ساچار	417
9-	شحنۂ ہند	417
10-	طوطی ہند	417
11-	میرٹھ پنچ	417
12-	لسان الملک	418
13-	طوفان	418
14-	حواسِ خمسہ	418
15-	جرعۂ جام	418
	حواشی	419

میرٹھ، مظفر نگر

شمالی ہند میں انگریزی افواج کی سب سے بڑی چھاؤنی میرٹھ میں تھی اور لطیفہ یہ ہے کہ 1857 میں اسی چھاونی سے بغاوت کا آغاز ہوا تھا۔ بالآخر اپنی حکمت عملی سے انگریزوں نے فتح حاصل کر لی اور ملک پر ان کا اقتدار قائم ہو گیا۔ حکومتِ وقت نے اس شہر پر خصوصیت سے نظر رکھی اور یہاں حکام انگریزی کی خاصی بڑی تعداد رہنے لگی تھی۔ نتیجہ اس صورت حال کا یہ ہوا کہ انگریزی معاشرت یہاں کے خاص وعام کی زندگی میں اپنی جھلک دکھانے لگی تھی۔ یہ تو صحیح ہے کہ میرٹھ لاہور کی طرح علوم وفنون کا مرکز تو نہیں بن سکا لیکن بتدریج اسے ایک صنعتی شہر کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ یہاں ضروریات زندگی سے متعلق ہر قسم کی اشیاء دستیاب ہو سکتی تھیں۔ اس شہر کے شعری اور علمی معاملات میں بھی ''برائے زندگی'' کا عنصر غالب اور نمایاں تھا۔

الف - شاعری

اس زمانے کے میرٹھ اور اہل میرٹھ کے مزاج کا اندازہ ایک اس واقعہ سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے جو مذہب پسند شخص تھے، اس شہر میں اپنی رہائش کے لیے جو مکان بنوایا تھا، آج تک وہ ''مصطفیٰ کیسل (CASTLE)'' کے نام سے معروف ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کے باشندوں کو انگریزی مصنوعات ہی نہیں انگریزی لفظیات سے بھی دلچسپی معلوم ہوتی ہے۔ اس شہر میں مرزا اسداللہ خان غالب کے کئی شاگرد اور احباب رہتے تھے لیکن یہاں کی شاعری کا جو انداز سب سے زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آیا تھا، وہی تھا جو کسی قدر بعد میں انجمن پنجاب کے مشاعروں کے واسطے سے ملک کے اطراف و جوانب میں شہرت پا رہا تھا۔

1- اسماعیل- مولوی محمد اسماعیل

میرٹھ کے رہنے والے شیخ پیر بخش صدیقی کے بیٹے 1 مولوی محمد اسماعیل 12 نومبر 1844 / 1260ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ اس زمانے کے طریقے کے مطابق تعلیم حاصل کرنے کے بعد محض سولہ سال کی عمر میں محکمہ تعلیم میں ملازم ہو گئے۔ ملازمت کے سلسلے میں وہ سہارنپور، میرٹھ اور آگرے میں رہے تھے۔ 1899 میں پنشن لے کر باقی عمر میرٹھ ہی میں بسر کی۔ یکم نومبر 1917 /14/ محرم 1336ھ کو وفات پائی۔

مولوی اسماعیل حضرت غوث علی شاہ پانی پتی کے مرید تھے چنانچہ ان کے کلام میں تصوف کا اثر اکثر جھلکتا ہے۔ فارسی کی تعلیم انھوں نے مرزا رحیم بیگ سے حاصل کی تھی۔ فن شعر میں مرزا اسد اللہ خان غالب سے کسب فیض کیا تھا۔ بہ ایں ہمہ شاعری کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر مختلف تھا۔ ایک نظم میں انھوں نے کہا ہے ۔

سخنورانِ زماں کی بھی ہے یہی حالت کہ اس قدیم ڈگر کو نہ چھوڑیے زنہار
سوائے عشق نہیں سوجھتا انھیں مضمون سو وہ بھی محض خیالی گھڑت کا اک طومار
نہ لکھتے ہیں کبھی نیرنگ حکمت وقدرت نہ واقعات کے وہ کھینچے ہیں نقش ونگار

اس میں شک نہیں کہ مولوی اسماعیل نے طرزِ قدیم میں بھی ہر قسم کے شعر کہے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ عموماً مثبت اور کارآمد مضامین نہایت سادہ زبان میں اور دلچسپ طرزِ بیان میں نظم کرتے تھے۔ ان کی اکثر نظمیں طالب علموں بلکہ بچوں کی زبانوں پر بھی جاری رہتی تھیں مثلاً "پن چکی" کے بارے میں کہتے ہیں ۔

نہر پر چل رہی ہے پن چکی دھن کی پوری ہے کام کی پکی

اسی طرح "گائے" کے بارے میں انھوں نے کہا ہے ۔

رب کا شکر ادا کر بھائی جس نے ہماری گائے بنائی

اس کلام میں نہ مشکل اور ادق الفاظ کا صرف ہوا ہے، نہ مرزا غالب کی طرح معنی کی تہ داری ہے۔ شاعر نے اپنے مقصود کو بڑی خوبی اور کامیابی کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔

مولوی اسماعیل نے کئی نظمیں ترجیع بند کے طور پر لکھی ہیں۔ ان میں اس نے اپنے مقصود کو طرح طرح کے مدلل انداز سے پیش کیا ہے تا کہ وہ اچھی طرح قاری کے ذہن نشین ہو جائے مثلاً ۔

جو پتھر پہ پانی پڑے متصل تو بے شبہ گھس جائے پتھر کی سل
رہو گے اسی طرح گر مستقل تو اک دن نتیجہ بھی جائے گا مل

کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

اسی طرح ان کی دو مشہور نظمیں یہ بھی ہیں ؎

کیونکہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

اور ؎

اٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

مولوی اسماعیل صاحب اردو کی لفظیات کو ''خالق باری'' کے طور پر ترتیب دینا چاہتے تھے تا کہ بچوں کے لیے ان کو یاد کر لینا آسان ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے حکیم مومن خاں مومن کی زمین اختیار کی۔ ان کے دو شعر یہ ہیں ؎

وہی کارواں، وہی قافلہ، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو — وہی منزل اور وہی مرحلہ تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہی شکر ہے جو سپاس ہے، وہ ملول ہے جو اداس ہے — جسے شکوہ کہتے ہیں ہے گلہ، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مولوی اسماعیل کا کلیات 1901 میں شائع ہو گیا تھا۔ اس میں قدیم اور جدید ہر طرز میں اردو کی مروجہ تقریباً سبھی اصناف مثلاً غزل، قصیدہ، مرثیہ اور سلام وغیرہ میں طبع آزائی کر کے انھوں نے اپنی قدرتِ کلام کا ثبوت پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن واقعہ یہی ہے کہ ان کی طبیعت کی روانی نظم جدید ہی میں نظر آتی ہے۔

میرٹھ کے مخصوص ماحول میں مولوی اسماعیل انگریزی منظومات اور شعر گوئی کے اصول وضوابط سے بہت حد تک متاثر تھے۔ انھوں نے انگریزی کی بکثرت نظموں کا اردو میں منظوم ترجمہ بھی کیا تھا۔ بعض ترجموں کے عنوان یہ ہیں[2] :

فادر ولیم — حبِ وطن — موت کی گھڑی — انسان کی خام خیالی

ایک قانع مفلس — کیڑا — سر جان مور کا جنازہ

یہاں نمونہ کے طور پر ان کی نظم ''کیڑا'' کے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں ؎

تم اس کیڑے کو دیکھو تو لگا تار — تمھاری راہ میں ہے گرم رفتار

چلا کترا کے کیا کیا پیچ و خم سے — جھجکتا ہے یہ آواز قدم سے

کسی سوراخ میں دھن کا نہ ہے — سویرے اٹھ کے شبنم چاٹتا ہے

کرو چشم حقیقت میں سے تمیز — کہ سمجھے ہو جسے تم سخت ناچیز

اسے قدرت نے زرّیں پردے ہیں
کچھ اک سبزی و سرخی بھی لئے ہیں

ترجموں کے علاوہ مولوی اسماعیل نے اسی انداز کی متعدد طبع زاد نظمیں بھی لکھی تھیں۔ ان میں غیر مردّف کے ساتھ ساتھ کئی نظمیں ایسی بھی تھیں جو قافیہ ہی نہیں وزن کی قید سے بھی آزاد تھیں چنانچہ سکسینہ نے لکھا ہے :

"ان کی جدید رنگ کی نظمیں نہایت اعلیٰ درجہ کی ہیں اور زمانۂ موجودہ کی نیچرل نظموں کی پیشرو ہیں۔ اردو میں بلینک ورس یعنی بغیر قافیہ والی نظم یا نثر مرجز میں بھی انھوں نے طبع آزمائی کی اور نہایت دل آویز طریقہ سے خیالات کو ادا کیا۔"

اردو ادب کے مورخین نے انجمن پنجاب کے مشاعروں کو بہت اہمیت دی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کی نظمیں 3 ان سے کافی پہلے میرٹھ والے لکھ رہے تھے۔ ان میں مولوی اسماعیل اور قلق خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ قلق نے 1864 میں انگریزی نظموں کے اردو تراجم کا ایک انتخاب "جواہر منظوم" کے نام سے الہ آباد سے شائع کیا تھا۔ انگریزی نظموں کے تراجم پر مشتمل اردو میں یہ پہلا مجموعہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قلق وغیرہ کے اثر سے میرٹھ کے مضافات میں بھی بعض لوگ انگریزی کی نظموں کے اردو میں ترجمے کرنے لگے تھے۔ ان کے موقع پر بعض کا ذکر کیا جائے گا۔

مولوی اسماعیل کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اردو کی درسی کتابیں بھی مرتب کی تھیں۔ ان کے بارے میں سکسینہ کی رائے یہ ہے :

> "مولوی صاحب نے ممالک متحدہ کے واسطے وہی کیا جو مولانا آزاد نے صوبۂ پنجاب کے واسطے کیا تھا بلکہ ایک معنی میں ان سے بھی زیادہ خدمت انجام دی۔ (ان کی مرتب کی ہوئی اردو ریڈریں اور پرائمر ہیں جو گورنمنٹ کی منظوری سے ایک عرصۂ دراز تک داخل کورس رہیں) سلاست زبان اور عمدگی مضامین کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ درجہ کی ہیں بلکہ سچ پوچھیے تو ان کا جواب سررشتۂ تعلیم کی منظور شدہ کتابوں میں کسی صوبہ میں اب تک نہیں ہوا ہے۔" 4

مولوی صاحب نے امیر خسرو سے متعلق بھی تحقیقی و تنقیدی کام شروع کیا تھا لیکن عمر نے وفا نہ کی۔ ان کی قابلیت اور حسن خدمات کے پیش نظر حکومت نے ان کو خطاب ''خان صاحب'' سے سرفراز کیا تھا۔

2- قلق- غلام مولا

مرزا قادر بخش صابر نے ان کا تعارف اس طرح کرایا ہے :

''قلق تخلص، نو جوان خوش وضع، خندہ پیشانی، غلام مولا عرف مولا بخش، ساکن میرٹھ، طبیعت شعر سے مناسب او رفکر اس فن کے لائق۔ راقم آثم سے رشتۂ اتحاد کو مربوط ......رکھتا ہے۔'' 5

نساخ نے بھی ان کا نام اسی طرح لکھا ہے اور ان کو ''شاگردِ مومن'' بتایا ہے۔ 6 ڈاکٹر راحت ابرار نے ڈاکٹر جلال انجم کے اس بیان پر اعتماد کیا ہے کہ :

''قلق کا تاریخی نام غلام موٰلی بخش تجویز ہوا جس کے اعداد و شمار جمع کرنے سے 1249ھ نکلتا ہے۔'' 7

اول تو اس بات کے لیے کوئی شہادت موجود نہیں ہے کہ ان کا نام ''غلام موٰلی بخش'' تجویز ہوا تھا۔ ثانیاً اس نام سے کسی بھی طرح 1249 کے عدد برآمد نہیں ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر ناظر حسن زیدی نے لکھا ہے :

''حکیم مولا بخش قلق میرٹھی بارہ سال کی عمر میں 1826 کے قریب تحصیل علم کے لیے دہلی آئے۔ فارسی کی تکمیل مولانا امام بخش صہبائی سے کی۔ طب میں حکیم غلام نقشبند خاں کے شاگرد ہوئے۔ شعر گوئی میں حکیم مومن خاں سے تلمذ اختیار کیا..... میرٹھ میں درس و تدریس اور طبابت کا بھی شغل تھا۔'' 8

شروع زمانے میں قلق اپنے استاد کے طرز میں شعر کہتے تھے چنانچہ ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

زور آزمائی کرتے ہیں ناطاقتی سے ہم　　اپنے ہی بار دوش ہیں واماندگی سے ہم
تم ہو نہ اپنے بس میں، نہ ہم اپنے ضبط میں　　مجبور تم ہو غیر سے، ناچار جی سے ہم

وہی شوق راہ ہے رہنما، وہی جلوہ گاہ ہے رخ کشا　　وہی بزم ناز ہے جابجا، وہی ہر قدم پہ مقام ہے
تھے کعبے میں بھی اپنے ہی یارانِ روشناس　　تھا کون سا کہ راندۂ پیر مغاں نہ تھا

میرٹھ کے مخصوص ماحول میں قلق نے بھی انگریزی کی شاعری کی طرف توجہ کی اور متعدد انگریزی کی نظموں کے اردو زبان میں منظوم ترجمے کیے۔ ان کی ترجمہ کی ہوئی بعض نظموں کے عنوان اس طرح ہیں :

داستان اندھے لڑکے کی	حکایت پسر ناخدا	بیان کرمک
لڑکپن کی پہلی مصیبت	خواہش طفل	ذکر ابابیل بدیسی کا
در بیان تمیز حق و باطل	عرضی موش محبوس	بیان جنت
میرا باپ کشتی بان ہے	حکایت ولیم ٹیل	اوصاف و اخلاق شتر
داستان شاہ کیضوث	بیان ہندوستان	

یہاں نمونہ کے طور پر قلق کی ایک نظم ''اوصاف و اخلاق شتر'' کے چند شعر درج کیے جاتے ہیں۔

اونٹ تو کس قدر ہے نیک و حلیم　　مثلِ اطفال تربیت میں سلیم
خلق کو فیض عام ہے تجھ سے　　انتفاع تمام ہے تجھ سے
خلق پاتی ہے تجھ سے جام و ناں　　تیز گامی ہے تیری نفع رساں
ملک گرم عرب کا ریگستاں　　نہ تو سایہ، نہ آب سرد جہاں

انگریزی کی نظموں کے منظوم اردو تراجم کے ایک مجموعہ کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس میں قلق کے کیے ہوئے ترجمے بھی شامل تھے۔ افسوس کی بات ہے کہ اردو ادب کے مورخین نے قلق کے اس قسم کے کاموں کی طرف کما حقہ توجہ نہیں کی ہے۔

شاعری سے قطع نظر منشی مولا بخش قلق اپنے زمانے کے مسلم الثبوت نثر نگاروں میں بھی شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے اپنے استاد حکیم مومن خاں مومن کے دیوان کے لیے فارسی میں تقریظ لکھی تھی۔

مرزا اسد اللہ خان غالب کے خطوں کا پہلا مجموعہ چودھری عبد الغفور سرور مارہروی نے ممتاز علی خاں متوطن میرٹھ کی فرمائش سے ''عود ہندی'' کے نام سے مرتب کیا تو بقول قلق:

'' جمع حضرات کی جانب سے عبارت خاتمہ کے لیے بعد اختتام اس نا تمامی سرانجام سے فرمائش ہوئی۔ اور قلق نے اس کے لیے ''تقریظ'' لکھی۔ یہ کتاب مرزا غالب کی زندگی میں چھپ کر شائع ہوگئی تھی اور اس میں قلق کی تقریظ شامل تھی۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مرزا غالب نے قلق کی تحریر کو نہ صرف پسند کیا تھا بلکہ اس کتاب کے لیے اسے باعثِ عزّ و افتخار سمجھا تھا۔ قلق کی اس تقریظ کو اسی لیے، بہت بعد تک بھی اہل مطبع فخریہ شامل کتاب کرتے آئے ہیں۔ اس تقریظ میں قلق نے لکھا ہے :

> '' گو میں بھی یک زبان صد بیان.... ایک عمر دہلی کے روڑوں میں سنگسار رہا ہوں بلکہ وہاں کی مٹی ہوا ہوں، ان کا نقش پا ہوں..... مگر تم ہی کہو کہ...... مرکز ناز و نیاز مدار سوز و ساز طالب مطلوب طالب اعنی اسد اللہ خان غالؔب دام دوامہ، اقام مقامہ، کس زبان سے سراہا جاوے اور کیا منہ ہے جو اس کی بات لب تک آوے...... لیکن شایان تعریف اور سزاوار توصیف..... منشی محمد ممتاز علی خاں صاحب از رؤسائے میرٹھ دام اللہ اجلالہ، وزید افضالہ، ہے.... کہ اس ستودہ کیش قدر اندیش نے کس عمدہ عنوان سے فضلہ طبیعت میرزا غالب یعنی خطوط ہائے پریشان اردو زبان کو روح رواں اور مغز جاں بنادیا...... جب طالبانِ زبان اس تحریر کو ملاحظہ فرمائیں گے تو دہلی کا روزمرّہ اردو اور محاورہ گفتگو گھر بیٹھے سیکھ جائیں گے۔ بارک اللہ کیا بیساختہ عبارت ہے کہ نثر میں نظم کا مزا آتا ہے اور ہر جملہ نقرۂ معشوق کو شرماتا ہے مگر افسوس اہل مشرق کی جگت بندی نے بگاڑا کہ دہلی سے زیادہ اس کی زبان کو اجاڑا..... شعر
>
> ہائے دہلی کو ہے دشوار بیانِ دہلی   لٹ گئی ساتھ ہی دہلی کے زبان دہلی
>
> اللہ بس ماسوٰی ہوس۔ فقط''10

اس تقریظ کے لیے جو عنوان قائم کیا گیا ہے وہ بھی لائق توجہ ہے۔ اور وہ اس طرح ہے :

> '' تقریظ از فکر سر لمبد روزگار خلاصۂ دودار سرمایۂ بلاغت و پیرایۂ فصاحت مدقق دقائق اوق حکیم غلام سولا صاحب المتخلص بہ قلق ساکن میرٹھ دام فیوضہ''

حکیم فصیح الدین رنج بھی میرٹھ کے رہنے والے تلامذۂ غالب میں سے تھے۔ انھوں نے شاعرات کا ایک تذکرہ ''بہارستانِ ناز'' کے نام سے لکھا تھا جو یکے بعد دیگرے تین مرتبہ چھپا تھا۔ اس کے بھی دوسرے ایڈیشن کے لیے قلق نے تقریظ لکھی تھی۔ اس کی عبارت کا نمونہ یہ ہے :

''سخن عجب جادو ہے کہ سب کے سر پر چڑھ کر بولتا ہے اور ہر دل کی گرہ لب کشائی سے کھولتا ہے۔ یہی افسوں ہے، یہی افسانہ ہے۔ یہی عاقل، یہی دیوانہ ہے۔ کہیں دعائے ماثور، کہیں دوائے مجبور، کبھی ترانۂ انجمن، کبھی فسانۂ انجمن۔ جادو اسی کا نام ہے، معجزہ اسی پر تمام ہے۔ کبھی دشنام بن کر دل میں گھر کرتا ہے، کبھی پیام ہوکر مدنظر رہتا ہے۔ الغرض زمانہ گنبدِ بے صدا ہے، یہی طلسم طلسم نما ہے.......... ''

یہ عبارت مسجع، مقفیٰ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلق کو زبان کے لفظوں اور اُن کے محل استعمال وغیرہ پر پوری قدرت تھی۔ تعجب ہے کہ ایسے باکمال کو زمانے نے فراموش کر دیا ہے۔ قلق نے 15 جولائی 1880 / 7 شعبان 1297ھ کو وفات پائی تھی ان کا کلیات اردو دہلی میں 1883/1300ھ میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ قلق اپنے زمانے کے استادوں میں شمار ہوتے تھے چنانچہ ان کے کچھ شاگردوں کے نام یہ ہیں :

1- تشہیر مرزا مغل بیگ، دہلوی
2- کشتہ شیخ نبی بخش باشندہ میرٹھ
3- وحشت یوسف علی باشندہ الدن ضلع میرٹھ

3- شور- جارج پیش

کہا جا چکا ہے کہ میرٹھ میں اکثر حکام انگریز تھے۔ ان میں بعض شاعر بھی تھے مثلاً 11 مسٹر جارج ارنسٹ، جوائنٹ مجسٹریٹ میرٹھ یاس تخلص وغیرہ انہی میں شور بھی تھے۔ شور اصلاً فرانسیسی تھے۔ بتایا گیا ہے کہ ان کے گھرانے نے مسلمانوں کی وضع اختیار کر لی تھی۔ لالہ سری رام نے ان کے بارے میں جو لکھا ہے مختصراً اس طرح ہے :

''مسٹر جارج پیش شور (George peuch shore) معروف بہ شور

صاحب.....اوائل مشق میں مرزا رحیم بیگ ساکن میرٹھ سے، پھر قطب الدین مشیر دہلوی اور ان کے بیٹے میاں غلام دستگیر سے اصلاح لے کر رتبۂ استادی حاصل کیا...... کسی وقت فکرِ سخن سے فارغ نہ رہتے تھے۔ ہندی زبان کی بھی مہارت رکھتے تھے ان کی اکثر ٹھمریاں اور ہولیاں مشہور ہیں۔ اردو میں صاحب تصانیف کثیر گذرے ہیں۔ چار پانچ اپنی زندگی ہی میں چھپوا کر شائع کر دیے تھے۔ 1884 میں ستر سال کے قریب عمر پا کر انتقال کیا۔"12

مولوی محمد سردار علی نے ان کے پہلے دو دواوین کے بارے میں تحریر کیا ہے :

"شور کے دو اردو دیوان چھپ گئے ہیں لیکن نایاب ہیں۔ دونوں ممتاز المطابع میرٹھ میں چھپے ہیں۔ سنہ طبع 1878 / 1290ھ ہے۔ دوسرا دیوان 226 صفحوں پر مشتمل ہے۔"13

اس دوسرے دیوان کے لیے فصیح الدین رنج نے چار شعروں کا قطعہ تاریخ کہا تھا۔ اس کا آخری شعر یہ ہے ؎

بلکہ طبع کے دل سے رنج تاریخ ‏ مرغوب کلام شور ہے یہ

2 + 1875 = 1877

معلوم ہوتا ہے کہ طباعت کا کام 1877 میں شروع ہو گیا تھا اور رنج نے یہی سال نظم کر دیا۔ طباعت کے کام کی تکمیل نئے سال یعنی 1878 میں ہوئی ہوگی۔

شور کے 14 چھ دیوان بتائے گئے ہیں۔ چوتھا دیوان پولیس پریس میرٹھ سے 1888 میں چھپا تھا۔ شائد شور کا کچھ تعلق پولیس سے رہا ہو۔ سری رام نے ان کے مرنے کی جو تاریخ لکھی ہے اس کے چھپنے میں غلطی ہوگئی ہے۔ صحیح سال داغ کے اس مصرع سے 15 برآمد ہوتا ہے۔

ع ‏ اہل عالم کردماتم شور شور

1894ھ

شور خود بھی اپنے وقت کے اچھے تاریخ گو تھے۔ رنج کے ساتھ تو ان کے اچھے روابط تھے چنانچہ ان سے متعلق شور کی دو تاریخیں یہ ہیں۔

تاریخ طبع تذکرہ بہارستان ناز بار سوم ؎

چھپا یہ تذکرہ پھر تیسری بار　　مولف جس کا رنج باہنر ہے
پے تاریخ ہاتف نے کہا شور　　کہ یہ بھی کیا بہار تازہ تر ہے
1299

اور تاریخ وفات رنج ؎

خوشی شور کی لے گئے اپنے ساتھ　　نصیب اس کو ہے اب غم رنج آہ
1302 ھ

شور اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق غزل کہتے تھے۔ مولوی کریم الدین نے لکھا ہے کہ 16 دہ 1261ھ/1845 میں ان کے مشاعروں کے لیے اپنا کلام علی گڑھ سے بھیجتے تھے، جہاں وہ محلہ ماموں بھانجے میں رہتے تھے۔ کریم الدین کا کہنا یہ بھی ہے کہ شور فارسی عبارت اچھی لکھتے تھے۔ ان کی غزل کے چند شعر یہ ہیں ؎

نمک ایسا، نہ حسن ایسا، زباں ایسی نہ آنکھ ایسی　　غنیمت اور اقلیموں سے ہے ہندوستان پھر بھی
اگرچہ داغ بھی مشہور ہے شیریں کلامی میں　　مگر تم شور ہو کر شور ہو شیریں زباں پھر بھی
غیر کے ساتھ عیادت کو وہ دلبر آیا　　لو مسیحا ملک الموت کو لے کر آیا
چشموں نے اشک کو دُرِ یکتا بنا دیا　　لخت جگر کو لعل کا ٹکڑا بنا دیا
ہر بات مری وہ کاٹتا ہے　　قینچی ہے زباں خوبرو کی

ان شعروں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شور کی غزل کا انداز قدیمانہ اور روایتی تھا۔ انھیں صنائع لفظی اور محاورہ بندی وغیرہ سے بہت دلچسپی تھی۔

4- رحیم- مرزا رحیم بیگ

جارج پیش شور کے ابتدائی زمانے کے استاد مرزا رحیم بیگ کا احوال مرزا قادر بخش صابر نے اس طرح تحریر کیا ہے :

"رحیم تخلص، مرزا رحیم بیگ خلف مرزا پیر بیگ، وطن اصلی شاہجہاں آباد اور ولد و منشا خاک مردھنہ ہے........ بارہ سو ستاون ہجری مطابق اٹھارہ سو

اکتالیس مسیحی کے قصبہ میرٹھ میں وارد ہو کر حکیم بوعلی خان کی خدمت میں تحصیل کمال کیا...... بارہ سو ساٹھ ہجری میں مولوی محمد بخش نادان میرٹھ میں وارد ہوئے اور اس کو فنِ عروض وقافیہ سے آگاہ کیا۔ اوائل میں شرر تخلص تھا۔ جب ان سے تلمذ ہوا رحیم تخلص کیا..... بالفعل حسب فرمائش حکیم احسن اللہ خاں قصص الانبیا کو منظوم کرتا ہے اور قریب ایک ربع کے یہ کتاب انتظام پاچکی ہے۔''17

لالا سری رام نے رحیم کے والد کا نام مرزا امیر بیگ لکھ دیا ہے لیکن صحیح وہی ہے جو صابر کے تذکرے میں ہے۔18 حکیم احسن اللہ کی خدمت میں رسائی حاصل ہو جانا اس حقیقت کا مظہر ہے کہ رحیم کا شمار اس زمانے کے ممتاز اور باصلاحیت شاعروں میں ہوتا تھا۔ وہ قصص الانبیا (منظوم) کو مکمل کر سکے یا نہیں، اس کا کوئی قلمی نسخہ کہیں دستیاب ہے یا نہیں، اس بارے میں کچھ کہنا ممکن نہیں۔ عبدالغفور خاں نساخ نے بھی رحیم کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے :

''ہر دو زبان فارسی و ریختہ میں شعر کہتے ہیں۔ مخزن الشعرا ان کا نظر سے گذرا۔''19

مرزا اسداللہ خان غالب نے ایک خط میں رحیم کے بارے میں تحریر کیا ہے :

''رحیم بیگ نامی میرٹھ کا رہنے والا، دس برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ کتاب پڑھ نہیں سکتا۔ سن لیتا ہے۔ عبارت لکھ نہیں سکتا لکھوا دیتا ہے۔''20

رحیم کے نابینا ہو جانے کی مدت میں غالب نے مبالغہ کیا ہے۔ انھوں نے خود ایک دوسرے موقع پر ''آٹھ دس برس'' لکھا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ بہت کمزور ہو گئی تھی لیکن تقریباً نابینا ہو جانے کے باوجود وہ علمی کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ مرزا غالب کی قاطع برہان کے جواب میں انھوں نے ایک کتاب ''ساطعِ برہان'' لکھی تھی، مرزا غالب نے بھی اس کتاب کے وزن ووقار کا عملاً اعتراف کر لیا تھا۔ اس کے جواب میں مرزا غالب نے چھوٹی بڑی کوئی کتاب لکھنے کے بجائے صرف ''نامۂ غالب'' شائع کیا۔ اس میں ''جوتی پیزار'' کا انداز بھی اختیار نہیں کیا ہے بلکہ رحیم بیگ کو ''بھائی صاحب'' کہہ کر مخاطب کیا ہے اور لکھا ہے :

"عزم مقابلہ نہیں، قصد مجادلہ نہیں۔ سرتا سر دوستانہ حکایت ہے۔ خاتمہ میں ایک شکایت ہے۔ شکوہ دردمندانہ منافی شیوۂ ادب نہیں۔ معہذا اظہار درد دل مراد ہے، کوئی بات جواب طلب نہیں۔ احسان مند ہوں آپ کا......"21

مرزا رحیم بیگ کی وفات کی تاریخ حکیم فصیح الدین رنج نے کہی تھی۔22 چار شعر کے اس قطعہ میں ان کے نابینا ہو جانے کی طرف اشارہ موجود ہے۔ مذکورہ قطعہ اس طرح ہے ؎

میرزا صاحب نے جب رحلت جہاں سے کی تو رنج — روتے روتے خود فرشتہ موت کا اندھا ہوا
عالم باریک بینی بھی نظر آیا سیاہ — یک بہ یک ملک سخن میں حشر سا برپا ہوا
ہمصفیران چمن سارے چلے جاتے ہیں، پر — میں ہی دام زندگی میں رہ گیا الجھا ہوا
ناگہاں آئی لب افسوس سے مجھ کو ندا — ہوگئی بے نور چشم شاعری یہ کیا ہوا

1 + 1291 = 1292ھ

مرزا رحیم بیگ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ جوانی میں وہ پولیس کے محکمے میں ملازم تھے۔ بظاہر انگریز افسروں سے انھیں سابقہ پڑتا ہوگا۔ اس ماحول میں ان کی شاعری میں جدید رنگ اور آہنگ بھی کم وبیش پایا جاتا ہوگا۔ زمانہ شباب کا ان کا کلام دستیاب نہیں ہے۔ نومشقی کے زمانے کی ان کی کچھ غزلیں مرزا قادر بخش صابر نے نقل کی ہیں۔ ان کے کچھ شعر یہ ہیں ؎

خدا جانے کہ وقت ذبح کیا انداز قاتل تھا — کہ نعرہ ہے لب ہر زخم سے اللہ اکبر کا
دوں میں کس کس کو کہ اک جان کے خواہاں ہیں بہت — غم جدا، فکر جدا، درد جدا، یار جدا
کہنے ہی کی بات ہے، کہنے دو، لائے تو کوئی — مجھ سا عاشق ڈھونڈ کر، معشوق تم سا دیکھ کر
ایک سینہ ہے روکے کس کس کو — تیر کو، تیغ کو، کہ خنجر کو

مرزا رحیم بیگ قدیم طرز کے خوش فکر، خوش بیان اور قادر الکلام شاعر تھے۔ انھوں نے اغلب ہے کہ اردو شاعری کی سبھی مروجہ اصناف میں طبع آزمائی کی تھی۔ بتایا گیا ہے کہ مولوی اسماعیل میرٹھی نے بھی ان سے کسب فیض کیا تھا۔ ان حالات میں قوی امکان ہے کہ انھوں نے نظم جدید کی طرف بھی کم وبیش توجہ کی ہوگی۔

مرزا رحیم بیگ اپنے وقت کے استادوں میں شمار ہوتے تھے۔ شہر میرٹھ میں ان کے کئی شاگرد موجود تھے مثلاً 23؎ منشی صمد علی حسرت دہلوی، مقیم میرٹھ حافظ 24؎ امداد حسین ظہور نبیرہ غلام محی الدین عشق وجتلا باشندۂ میرٹھ یہ حضرات خود بھی اپنے وقت کے استادوں میں ہوئے تھے۔

5- جنگ - منشی جنگ بہادر

رائے بیت نراین خیال ابن رائے مہا نراین ہوش خلف رائے بلاس رائے رمز پسر رائے صاحب رام ماتھر یاد تخلص کے یہاں جون 1857 میں وہ بیٹا پیدا ہوا جو بڑا ہو کر منشی جنگ بہادر جنگ کہلایا۔ اس نے اپنے ہم عصر میرٹھ کے شاعروں کا ذکر اس طرح کیا ہے :

ظہور دشوکت ورنج وقلق، جوش وبیاں فیضی　　غنیمت جنگ میرٹھ میں ہے صورت باکمالوں کی

لالا سری رام نے اپنے تذکرے میں جنگ کا تعارف اس طرح کرایا ہے :

''جنگ، منشی جنگ بہادر صاحب جنگ، شہر میرٹھ کے رہنے والے خاندانی شخص تھے۔ عدالت کلکٹری ومحکمۂ بندوبست میں عرصہ تک ناظر رہے۔ ملازمت سے مستعفی ہونے کے بعد اخبار ''انیس ہند'' کے ایڈیٹر ہوئے۔ انگریزی وفارسی میں بھی کچھ دسترس تھی۔ 6/اپریل 1907 کو لاہور میں رحلت کی۔ کئی کتب مثل چمنستان دلچسپ، چمنستان معرفت اور چمنستان صحت وغیرہ شائع ہو چکی ہیں۔ دو صاحبزادے شاد اور رنگ موجود ہیں۔''25؎

اس طرح جنگ کے گھرانے میں چھ پشت تک شعر گوئی کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ جنگ کے چھوٹے بیٹے تربینی پرشاد ماتھر رنگ تخلص نے اپنے والد کے کلام کا ایک مجموعہ ''معرکہ جنگ'' کے نام سے مرتب کر کے 1372ھ/1953ء میں شائع کر دیا تھا۔ سید محمد یٰسین یاس میرٹھی نے جو جنگ کے شاگرد تھے تاریخ کہی :

فکر تاریخ ہے اگر اے یاسؔ　　لکھ بھی دو ہے زباں عجیب غریب

1372ھ

اس دیوان کے آغاز میں لکھا ہے :

''والد صاحب قبلہ (جنگ) کے تین دیوان تھے۔ایک بہت ضخیم لکھنؤ کے رنگ میں بیس سال کی عمر میں مکمل کیا تھا......دوسرا دیوان اہل دہلی کے طرز میں اور تیسرا دیوان فارسی کلام کا مجموعہ تھا......دیمک نے ہر سہ دواوین کو چاٹ کر بیکار کر دیا۔مسودات جو بچے کھچے پڑے ہیں بہ شکل دیوان طباعت کے لیے بھیج دیے گئے۔''26

وہ زمانہ تھا جب ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی کی بحثیں شروع ہو چکی تھیں اور غزل کی مخالفت کا سلسلہ زور پکڑتا جارہا تھا۔جنگ نے اردو شاعری کی قدیم روایتوں سے دستبردار ہو جانا گوارا نہیں کیا۔انھوں نے اپنی فکر کو غزل تک محدود رکھا۔خود کہتے ہیں ؎

دیکھیے آپ جنگ کا دیوان شوق ہے گر غزل سنانے کا

یہاں ان کے صرف چند شعر نمونے کے طور پر درج کیے جاتے ہیں۔ان سے ان کے مزاج اور طرزِ کلام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

خود کو جو سمجھے وہی رزِ خلائق ہے مدام اور دانا ہے وہی کچھ جسے دعویٰ نہ ہوا

ضبط کر بحرِ حقیقت کا شناور ہے اگر قطرۂ اشک کبھی چشمۂ دریا نہ ہوا

زندگی ایک ہی حالت میں گذاری ساری وضع نے میری زمانے کو بدلنے نہ دیا

کاش باز آئے وہ بت ترسا ہم کو ترسائے گا بھلا کب تک

میرٹھ کے اس زمانہ کے ماحول میں ''بت ترسا'' کا ذکر بھلا کیوں نہ ہوتا۔

جنگ خود کسی کے شاگرد نہیں تھے لیکن ان کے اخلاف کا بیان ہے کہ سو سے کم ان کے شاگرد نہیں تھے۔معرکۂ جنگ کے آخر میں ان کے شاگردوں کی جو فہرست درج کی گئی ہے 27 اس میں یہ تعداد چالیس کے آگے نہیں بڑھ سکی ہے۔

جنگ کے بڑے صاحبزادے منشی للتا پرشاد ماتھر شاد میرٹھی صاحب تصانیف شاعر اور نثر نگار تھے۔چھوٹے بیٹے تربینی پرشاد ماتھر رنگ میرٹھی بھی شاعر تھے۔اس گھرانے کو غزل کے علاوہ تاریخ گوئی سے بھی دلچسپی رہی ہے چنانچہ معرکۂ جنگ میں بعض قطعے درج ہیں۔

6- بیان- سید محمد مرتضیٰ

بیان کے والد سید گوہر علی 28 جار چہ ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے۔ بیان کے دادا کا نام سید کرامت علی تھا۔ بیان نے اپنے والد کے نام کا سجع اس طرح کہا تھا: "بحر کرامت کا گوہر علی"۔

سید احمد حسین فرقانی پسر کفایت علی تنہا رشتہ میں بیان کے ماموں ہوتے تھے۔ خود بیان 1850 کے قریب پیدا ہوئے تھے۔ سید محمد مرتضیٰ ان کا نام رکھا گیا تھا۔ 1857 کے ہنگاموں کے سبب سے یہ خاندان میرٹھ میں آ کر محلہ کرم علی میں سکونت پذیر ہو گیا تھا۔

میرٹھ کے مخصوص ماحول میں بیان نے بھی شعر کہنا شروع کیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ باضابطہ کسی استاد کے شاگرد نہیں ہوئے۔ شروع میں کچھ عرصہ تک "جلوۂ طور" میرٹھ سے وابستہ رہے۔ پھر 1881 میں انھوں نے خود اپنا ہفت روزہ اخبار طوطی ہند جاری کیا۔ چند سال کے بعد انھوں نے ماہنامہ لسان الملک نکالنا شروع کیا۔ پھر اس کے ضمیمہ کے طور پر ایک ظریفانہ رسالہ طوفان بھی شائع کرتے رہے۔ 13/ مارچ 1900 کو بیان نے وفات پائی۔ محمد علی رعب انصاری نے تاریخ کہی۔

ع میرٹھ کا بجھا چراغ اب آہ

1900

ان کے شاگردوں کی تعداد تین درجن سے زائد بتائی گئی ہے۔

بیان نے اردو شاعری کی مروّجہ سبھی اصناف (یعنی غزل، قصیدہ، مرثیہ، سلام، مثنوی، رباعیات اور قطعات وغیرہ) میں طبع آزمائی کی تھی۔ وہ معاصرین میں سے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے لیکن نہ تو ان کا کوئی دیوان شائع ہوا، نہ ان کے کلام کا کوئی انتخاب ہی زیورِ طبع سے آراستہ ہوا ہے۔

یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ میرٹھ میں بہت پہلے انگریزی نظموں کے زبان اردو میں منظوم ترجمے کیے جا رہے تھے۔ شدہ شدہ اس شہر میں نظمیں لکھنے کا خاصا رواج ہو گیا تھا اور وہاں "نظم سوسائٹی" کی تشکیل بھی عمل میں آ گئی تھی لیکن اس کے صرف دو جلسے 1874 میں ہو سکے۔ بیان نے بھی قومی، اخلاقی، عشقیہ اور نیچرل ہر قسم کی نظمیں لکھی تھیں۔ ان کی بعض نظموں کے عنوان یہ ہیں :

توشہ مسافرانِ لندن ، اے قوم ، ہمدردی ، برسات
جاڑا ، امید ، تلافیِ مافات ، وغیرہ

مولانا الطاف حسین حالی کی مشہور نظم ''شکوہ ہند'' کے جواب میں بیان نے 1888 کے لسان الملک میں اپنی طویل نظم ''پاسخ ہند'' کے عنوان سے بالاقساط شائع کی تھی۔ اس میں گیارہ گیارہ شعروں کے کل اٹھارہ بند ہیں۔ اس نظم کو تمثیل نگاری کا ایک عمدہ نمونہ بتایا گیا ہے۔

ب - تذکرہ

اردو شاعروں کے قدیمی تذکروں میں ضمیمہ کے طور پر بعض خواتین کا احوال لکھا جاتا رہا ہے مثال کے طور پر شیخ غلام ہمدانی مصحفی نے اپنے "تذکرہ ہندی" میں شاعرات کا ذکر اس تمہید کے ساتھ شروع کیا ہے :

"پوشیدہ مباد کہ اگرچہ تذکرہ تمام شد لہٰذا خاتمہ اش مشتمل بر اشعار چند زناں است
دداخلِ تذکرہ برائے آں نہ شد کہ از تخلصِ بعضے از آں آگاہی نداشتم۔" 1

شاعرات کے ذکر کو الگ کرنے کے لیے یہ سبب کافی نہیں تھا۔

سعادت خاں ناصر نے اپنا تذکرہ مکمل کرنے کے بعد "تذکرۂ شاعرات" شروع کیا تھا لیکن اس نے اس جزو کے لیے کوئی تمہیدی عبارت نہیں لکھی تھی۔ 2

الگ سے صرف خواتین کا تذکرہ سب سے پہلے میرٹھ کے حکیم فصیح الدین رنج نے لکھا تھا۔ اس سلسلے میں ان کا کہنا ہے :

"سینکڑوں تذکرے دیکھ ڈالے...... بعض کا کلام کتب قدیم میں لکھا پایا۔ اکثر
بہ ذریعۂ احباب و ارباب کے ہاتھ آیا...... بہ قید حروفِ تہجی ہر شاعرہ کی فہرست
بنائی۔ ترتیب و تالیف کا کام بخوبی انجام ہوا۔ بہارستان ناز اس تذکرے کا نام

ہوا...... بہ اہتمام محمد وجاہت علی خاں وجاہت 1864 / 1281ھ میں مطبع

دارالعلوم میرٹھ میں چھپوایا۔"3

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرٹھ میں تعلیم وتدریس کا سلسلہ پہلے سے جاری تھا۔ دارالعلوم کے کارپردازوں کی بدولت اس شہر میں تصنیف وتالیف، اور ان کی طباعت واشاعت کا کام بھی بطور احسن ہورہا تھا۔ رنج کا یہ تذکرہ بھی اسی علم پرور ماحول کا نتیجہ تھا۔

تذکرہ بہارستان ناز کے لیے شاعرات کے حالات کے جمع کرنے کا سلسلہ تو پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ جب کسی قدر مواد فراہم ہوگیا تو تذکرے کی تالیف کا کام شروع ہوا۔ یہ سب کچھ 1864 سے کچھ پہلے ہو چکا تھا۔ اس تذکرہ کی علت غائی مصنف نے اس طرح بیان کی ہے :

"اس محنت شاقہ سے کچھ اپنی ناموری نہیں منظور ہے، بلکہ مقصود دلی شیوع مفاد علم وہنر ہے ورنہ شعر وسخن میں ایک سے ایک تذکرہ بڑھ کر ہے...... ہر فرد بشر کو لازم ہے کہ حتی الوسع تحصیل علم وہنر کا اہتمام کرے...... باوجود ایسے فضائل اور شرائف کے خدا جانے مستورات ہند کو تحصیل علم میں کیوں کلام ہے..... سرکار گورنمنٹ کا یہ فیض عام اب ہر جگہ جاری ہے...... مستورات کی تعلیم کے واسطے علاحدہ مدرسے کی تعمیر وترتیب ہے..... اب ایک امر زیادہ تر باعث تحریر ہے..... اکثر جُہال کی طبیعت کلام موزوں سے زیادہ تر مالوف ہوتی ہے۔ اکثر دیکھا ہے کہ مثنوی وغیرہ کی طرف ان کی ہمت مصروف ہے۔"4

وہ زمانہ تھا جب مثنوی وغیرہ کے پڑھنے کو بھی انحطاط کی علامت سمجھتے تھے چنانچہ شیخ ذوق کا یہ شعر مشہور ہے۔

ہوا ہے مدرسہ یہ بزم گاہ عیش ونشاط ۔۔۔ کہ شمس بازغہ کی جا پڑھیں ہیں بدر منیر

ایسے مستورات کی شعر گوئی کے بارے میں عام طور سے جو رویّہ رہا ہوگا ظاہر ہے۔ باجود اس کے رنج کا تذکرۂ شاعرات لکھنا ایک جرأت مندانہ اقدام بھی تھا۔ اس تذکرے کی پہلی اشاعت کے بارے میں رنج نے یہ اعتراف کیا ہے کہ :

" اکثر جگہ طبع اول میں غلطی نظر آئی۔ جابجا کاتب مطبع کی تحریف ہوئی۔"

اس لیے اس کو دوبارہ چھپوانے کی فکر ہوئی۔ اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ :

''مسٹر جارج ارنسٹ وارڈ صاحب بہادر کلکٹر و مجسٹریٹ ... نے بھی ملاحظہ فرمایا.... پھر ارشاد کیا کہ اگر یہ تذکرہ عبارت سلیس میں درست ہو جائے اور تلاش سے کچھ کلام اور بھی ہاتھ آئے، بعد نظر ثانی پھر صحت سے چھپ جائے تو پڑھنے والوں کی زبان قند مکرر کا مزا پائے۔''

اس سے حوصلہ پا کر رنج نے ''سرے سے یہ تذکرہ پھر تالیف کیا۔'' اسی دوران ان کا علی گڑھ جانا ہوا اور:

''پراسٹ صاحب بہادر مہتمم بندوبست نے بہ ذریعہ تحریر جناب وارڈ صاحب اس تذکرے کی خبر پائی۔ ..قدر دانی سے مطبع دارالعلوم میرٹھ میں چھپنے کی اجازت ہوئی.... بہت صحت سے کتابت ہوئی۔''

پہلی اشاعت کے لیے مولا بخش قلق نے تقریظ لکھی تھی۔ یہ بات بجائے خود اس حقیقت پر دلالت کرتی تھی کہ اس زمانے میں اس تذکرے کو قدر کی نظر سے دیکھا جا رہا تھا۔ قطعات تاریخ کہنے والوں میں محمد حیات خاں حیات، محمد حسین تحسین، محمد وجاہت علی خاں وجاہت اور منشی بجے نراین ذرہ جیسے لوگ تھے۔

دوسری اشاعت کے لیے محمد اسماعیل ذبیح، منشی کریم الدین اشک اور خود مصنف نے تاریخیں کہی تھیں جن سے 1285ھ/ 1869 کے عدد برآمد ہوتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ اشاعت محرم 1286ھ/ اپریل 1869 میں مکمل ہوئی تھی۔ اس میں کل ستر شاعرات کا حال درج ہے اور دیباچہ وغیرہ کو ملا کر کل چھہتر صفحے ہیں۔

حکیم فصیح الدین رنج کے تذکرہ بہارستان ناز کی دو اشاعتوں کے کئی برس بعد درگا پرشاد نادر نے بھی شاعرات کا ایک تذکرہ مراۃ خیالی یعنی تذکرۃ النساء نادری مرتب کر کے چھپوایا تھا۔ یہ سامنے کی حقیقت ہے کہ نادر نے رنج کے تذکرے سے پورا فائدہ اٹھایا تھا۔

رنج نے نادر کے تذکرے کو دیکھا تو قدرتی طور پر انھیں ملال ہوا۔ انھوں نے نادر کے تذکرے سے فائدہ اٹھا کر اپنے تذکرے کو از سر نو مرتب کیا اور اس طرح ان کے تذکرے

میں شاعرات کی تعداد ایک سو چوہتر ہوگئی۔ اس بار دیباچے میں انھوں نے اس قسم کے جملے بھی لکھے :

> ''وائے اس ہیچ پوچ پر جو اپنے تئیں کسی موجد کا مقلد بنائے۔ اگر طبیعت کی غواصی پر بھروسہ ہے تو اس بحرلیاقت علمی کی تہ سے ہر غوطہ میں ہمارے آگے کوئی چیز نئی لے کر آئے۔''

اور اس طرح تیسری اور آخری بار تذکرہ بہارستان ناز اپنے مولف کی زندگی میں 1299ھ/1881 میں مطبع عثمانی میرٹھ میں چھپ کر شائع ہوگیا تھا۔

کوئی دو برس کے بعد نادر نے اپنے تذکرہ کو نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ چھپوایا تو اس میں نہ صرف رنج اور ان کے تذکرے کے بعض اندراجات سے متعلق طنزیہ فقرے چست کیے، بلکہ ایک طویل'' عریضہ'' بھی حکیم فصیح الدین رنج کے لیے شامل کیا۔ اس کے کوئی ایک برس بعد 1885 میں حکیم صاحب نے وفات پائی چنانچہ نادر کا عریضہ لاجواب رہ گیا۔ میرٹھ کی سرزمین پر 1857 کے بعد کوئی اور قابل ذکر تذکرہ نہیں لکھا گیا۔ ایک دو تذکرے بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں ضرور لکھے گئے تھے۔ لیکن یہاں ان کے تعارف کا موقع نہیں۔

ج - سوانحات

تذکرہ نویسی کی طرح میرٹھ میں سوانح نگاری کے کام سے جن لوگوں نے دلچسپی لی تھی ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے لیکن قابل ذکر حقیقت یہ ہے کہ اس شہر میں اس نوعیت کے جو کام ہوئے ہیں ان میں سے کئی کا معیار خاصا بلند ہے۔ دوسری توجہ طلب بات یہ ہے کہ یہاں سوانح نگاری کی تقریباً ہر شق کے نمونے مل جاتے ہیں۔

1- تاریخ بی بی ہاجرہ

پورا نام اس کتاب کا اس طرح ہے:

''الاذیال الطاہرہ لجنۃ فی خسریۃ الہاجرہ'' اس کا وہ قلمی نسخہ جو بہ گمان غالب بہ خطِ مصنف ہے، آصفیہ لائبریری حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ جناب نصیر الدین ہاشمی نے اس کے مصنف کے تعارف میں تحریر کیا ہے:

> ''چراغ علی نام، حکومت آصفیہ سے ''اعظم یار جنگ'' خطاب ملا تھا۔ 1844ء
> میں پیدا ہوئے تھے۔ والد کے انتقال کے وقت کوئی سات برس کے تھے۔
> ماں اور دادی کی نگرانی میں تعلیم پائی۔ حیدرآباد پہنچ کر معتمد فنانس ہوئے۔
> 1312ھ/1895ء میں انتقال ہوا۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔''[1]

مولوی چراغ علی کا گھرانا سری نگر (کشمیر) سے پنجاب ہوتا ہوا میرٹھ میں آکر سکونت پذیر ہوا تھا۔ مولوی چراغ علی اپنے والد مولوی محمد بخش کرانی کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ جب اس لائق ہوئے تو مولوی چراغ علی بہ سلسلہ ملازمت لکھنؤ اور سیتاپور گئے۔ پھر حیدرآباد پہنچے۔ آخر ممبئی میں جا کر وفات پائی۔ کسی نے تاریخ کہی

ع ہائے اعظم یار جنگ

ذی الحجہ 1312 ھ/10/جون1895

عربی فارسی کے علاوہ انگریزی، لاطینی، یونانی وغیرہ زبانیں بھی سیکھی تھیں۔ مزاج ان کا تحقیق پسند تھا چنانچہ اکثر موضوعات اسی نوعیت کے اختیار کیے تھے۔ جیسا کہ اس کتاب کے نام سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے، اس میں حضرت اسماعیل کی والدہ حضرت ہاجرہ کے سوانح کا بیان کیا گیا ہے اور بہ دلائل یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کی لونڈی نہیں تھیں۔ مولوی چراغ علی نے یہ کتاب مارچ1876 / 1293ھ میں سیتاپور میں قیام کے دوران لکھی تھی۔

مولوی چراغ علی نے زبان اردو میں کئی نہایت اہم مذہبی شخصیتوں کے سوانح قلمبند کیے تھے۔ امتیاز ان کا یہ ہے کہ ہر ایک میں اسلامی تاریخ کے اختلافی مسائل کو پوری صحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ہر کتاب مولوی صاحب کے زورِ تحقیق اور زورِ استدلال کا اچھا نمونہ ہے۔ مولوی چراغ علی کی بعض کتابیں یہ ہیں :

3 حضرت سلیمان ، حضرت عیسیٰ ، ماریہ قبطیہ ، محمد صلعم پیغمبر برحق

مولوی چراغ علی نے انگریزی زبان میں بھی بعض سوانحات یادگار چھوڑی ہیں مثلاً

Mohammad the true prophet

2- تذکرۂ غوثیہ

ہمارے پاس اس کتاب کا جو نسخہ ہے اس کے سرورق کے ضروری مندرجات اس طرح ہیں :

''حالاتِ بابرکات وملفوظات طیبات سیاحِ دشتِ تجرید......حضرت مولانا سید غوث علی شاہ قلندر قدس سرہٗ پانی پتی مسمّیٰ بہ تذکرۂ غوثیہ (نو ترمیم واسم تاریخی) شجرۂ معرفت (مع ضمیمۂ جدیدہ) حسب اجازت واقف اسرار طریقت

حضرت مولف مولوی شاہ گل حسن صاحب قادری خلیفۂ خاص ووصی بالا
ختصاص حضرت مولانا مرحوم....مطبوعۂ رزاقی مشین پریس (حیدرآباددکن)
" 1946/1355

''شجرۂ معرفت'' سے کتاب کا سال تالیف 1298ھ/1881 معلوم ہوتا ہے۔مولف کا بیان ہے کہ وہ اوچھ شریف میں تھا جب اسے بشارت ہوئی کہ بہت جلد میرٹھ جاؤ۔وہیں انطباع کتاب منشی نجم الدین کا حصہ ہے۔وہ میرٹھ پہنچا اور 14 شعبان 1301ھ/9/جون 1884 سے کتاب کی طباعت کا کام شروع ہوگیا۔یہ کتاب دوسری بار دہلی میں مارچ 1911 اور پھر کچھ مدّت کے بعد لاہور میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔کتاب چھ ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔مولف نے اس کے آغاز میں لکھا ہے :

'' یہ نیاز مند خاکسار خادم الفقرا گل حسن قادری نہ تو اردو کا اہل زبان، نہ اس دیار کی پیدائش۔آوارہ گرد، بے وطن، نہ کوئی ماوئی، نہ کہیں مسکن.....عبارت والفاظ دل پسند یا شاعرانہ جوڑ بند کہاں سے لاتا۔ان اوراق کے پڑھنے والے مجھ کو معاف فرمائیں۔الفاظ وعبارت سے قطع نظر کریں۔مضمون ومطالب کو اصل مقصد سمجھیں۔''5

غوث علی شاہ کے دادا سید ظہور الحسن عُرف سید ظہور محمد شہراد چھ (سندھ) سے آخر بہار میں مونگیر کے قریب مقیم ہوئے۔ان کے بیٹے سید احمد علی کے گھر میں سمبت 1861/1804/ 1219ھ کو غوث علی شاہ پیدا ہوئے۔انھوں نے اٹھہتر سال کی عمر پائی اور سمبت 1936/ 1297/1880ھ کو پانی پت میں وفات پائی۔تذکرہ غوثیہ میں بیشتر حالات اس طرح لکھے ہیں:

"ایک روز ارشاد ہوا کہ ایک بار قلندر صاحب کے چلّہ میں ہم جاکر ٹھہرے.... الخ"

گویا عملاً یہ کتاب ''بہ قول غوث علی شاہ'' لکھی گئی ہے۔اس سلسلے میں خود مولف کا بیان یہ ہے :

'' آخرایام میں اس خاکسار کو از راہِ عنایت عنایت صرف اتنی اجازت حاصل ہوئی کہ اشعار ومقالات، اشلوک ودوہے وچوپائی وغیرہ جو ارشاد

مبارک میں حسب موقع وارد ہوتے تھے یہ کمترین یادداشت کے لیے فوراً
تحریر کر لیتا تھا۔"6

بعض بے علم متعصب مسلمانوں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ سنسکرت اور بھاکھا وغیرہ کی طرف انھوں نے توجہ نہیں کی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مذہبی بزرگوں خصوصاً صوفیوں نے ہندستانی ادبیات سے نہایت دلچسپی لی تھی۔ حضرت فریدالدین گنج شکر سے منسوب جو کلام دستیاب ہے اس میں ایک دوہا اور ایک چوپائی ہے۔ حضرت عبدالقدوس رودولوی بھی سنسکرت میں شعر کہتے تھے اور الکھداس تخلص کرتے تھے۔ خود غوث علی شاہ نے اپنے بارے میں کہا ہے:

"جب ہم چار برس چار مہینے کے ہوئے تو بڑی والدہ صاحبہ نے بسم اللہ پڑھا کر قرآن شریف شروع کرایا اور پنڈت رام سنیہی صاحب نے جو پدر رضاعی تھے نرنکار کا نام لے کر شاستر کا آرمبھ کیا... سنسکرت سارت سدھ چندر کا تک پنڈت جی سے حاصل کی۔"

چنانچہ تذکرۂ غوثیہ میں شلوک، دوہے، چوپائی وغیرہ موقع بہ موقع نقل ہوئے ہیں یہاں نمونے کے طور پر کچھ لکھے جاتے ہیں۔

سدا نہ پھولیں توریاں اور سدا نہ ساون ہوئے — سدا نہ جوبن تھر رہے اور سدا نہ جیوے کوئے
بھو بھاگت بھاگت بھاگے — رنگ لاگت لاگت لاگے
بہت دنوں کا سویا منوا — یہ جاگت جاگت جاگے
جو کچھ کیا سوتیں کیا اور میں نیں کیا کچھ ناتھ — تجھ بن میں نے کیا کیا تو بھی تھا مجھ بانہہ
جا کے جیسے سبھاؤ جائے نہ جی سے — نیم نہ میٹھے ہوئی سچے گڑ گھی سے
پریت تو کیجیے ایک سے جاسے جی چتائے — تھوڑ تھوڑ کی پریت میں مت کلنک چڑھ جائے

کہا گیا ہے کہ تذکرۂ غوثیہ کے مطالب تو مولانا گل حسن شاہ نے قلمبند کیے تھے لیکن ان کو ایک باضابطہ اور مربوط کتاب کی صورت مولوی محمد اسماعیل میرٹھی نے دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تذکرہ غوثیہ کو مولوی صاحب کی تصانیف میں شمار کیا گیا ہے۔

3- لطائف غالب

مرزا اسداللہ خان غالب کے عقیدت مند اور شاگردوں کی خاصی تعداد میرٹھ میں بھی تھی چنانچہ بعض لوگوں نے غالب سے متعلق کچھ کچھ کام کیے تھے مثال کے طور پر ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل نے لکھا ہے :

''حل المطالب کے عنوان سے شرح کلام غالب کا سلسلہ (سید محمد مرتضیٰ بیان میرٹھی نے اپنے رسالہ لسان الملک میں) دسمبر 1895 میں شروع کیا تھا اور تیرہ غزلوں سے آگے نہ بڑھ سکا تھا کہ بیان کا انتقال ہو گیا۔'' 9

س کے کچھ ہی مدت کے بعد حکیم محمد حسن میرٹھی نے مرزا کے لطیفوں کا ایک مجموعہ مرتب کیا۔ 10 یہ مجموعہ 1904 میں نامی پریس میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ نام اس مجموعہ کا ''لطائفِ غال ب'' رکھا گیا تھا۔

4- وقائع حیرت افزا

ڈاکٹر راحت ابرار نے جارج پیش شور کے ذکر میں تحریر کیا ہے :

'' 1857 کے غدر پر انھوں نے ''وقائع حیرت افزا'' کے عنوان سے ایک روزنامچہ بھی لکھا جو شائع نہیں ہو سکا۔ اس کا اصل نسخہ راقم کے پاس محفوظ ہے۔'' 11

5- روزنامچۂ شور

جارج پیش شور کا ایک روزنامچہ دہلی یونیورسٹی کے کتب خانے میں بھی محفوظ ہے۔ اس کے بارے میں جو معلومات درج کی گئی ہیں، یہ ہیں :

''ڈائری ایک سو پندرہ صفحات، فی صفحہ تیرہ سطر، نوشتۂ مصنف - یہ مخطوطہ مصنف کے روزمرّہ کے سفر سے متعلق ہے جو 12/ جنوری 1890 سے شروع ہو کر 31/ دسمبر 1890 پر ختم ہوتا ہے۔ آخر میں 1889 یعنی گذشتہ سال کے کچھ اہم واقعات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ترقیمہ نہیں ہے۔'' 12

د - ڈراما

باوجود یہ کہ میرٹھ میں انگریزی افواج کی چھاونی اور انگریز حکام کی کثرت تھی۔ اس شہر میں تھیٹر اور ڈرامے کا بہت زور نہیں تھا۔ بشمبھر سہائے بیاکل نامی ایک شخص نے اپنے نام پر ایک تھیٹر قائم کیا تھا۔ [1] اس کا نام اس نے "بیاکل تھیٹریکل کمپنی میرٹھ" رکھا تھا۔ اس کمپنی کی بعض خصوصیت یہ تھیں :

الف- اس کے ایکٹرز یادہ تر پڑھے لکھے اور اچھے طبقے کے لوگ ہوتے تھے۔

ب- یہ کمپنی بیشتر "بدھ بھگوان" سے متعلق تماشے دکھاتی تھی گویا عملاً یہ ایک خاص عقیدے کے لوگوں کی دلچسپی کا سامان پیش کرتی تھی۔ کمپنی کے مخصوص نقطۂ نظر کے مطابق خود بیاکل نے بھی چند ڈرامے لکھے تھے۔

ج- یہ کمپنی میرٹھ سے نکل کر مختلف شہروں میں پہنچ کر اپنے ڈرامے پیش کرتی تھی چنانچہ عشرت رحمانی نے لکھا ہے کہ :

"اس کمپنی کے ہر کھیل نے لاہور کے عوام و خواص میں بے پناہ مقبولیت حاصل کرلی تھی۔" [2]

1- بدھ دیو

بدھ دیو (یا گوتم بدھ) کے نام سے بشمبھر سہائے بیاکل کا لکھا ہوا یہ ڈراما ہے۔ اس ڈرامے میں اطمینانِ قلب کی صورت دکھائی گئی ہے۔

2- چندر گپت

اس ڈرامے کے مصنف پنڈت جانیشور پرشاد مائل دہلوی تھے۔ محمد عمر نور الٰہی نے بیاکل کمپنی اور مائل وغیرہ کے بارے میں تحریر کیا ہے :

''بیاکل کمپنی- میرٹھ کے چند باہمت اصحاب نے اشتراک عمل سے یہ کمپنی قائم کی تھی۔ اس نے بڑا عروج پایا اور ہندوستان کی چوٹی کی کمپنی ہوگئی مگر اپنے جادو بیان ایکٹر علی اطہر کی علاحدگی کے ساتھ اس کی سب شان رخصت ہوگئی......علی اطہر ہندوستان کے پہلے ایکٹر ہیں جنھوں نے ایکٹری کے پیشہ کو بلند کرنے کی کوشش کی تھی...فن ایکٹری میں انھوں نے وہ کمال حاصل کیا ہے کہ یورپ کے ایکٹر اور دیکھنے والے بھی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے......مائل صاحب نے اسی کمپنی کے لیے ڈرامے لکھے تھے۔''3

3- تیغ ستم

محمد عمر نور الٰہی نے لکھا ہے کہ :

''رسالہ زبان کے نامور ایڈیٹر جناب مائل دہلوی نے اس (بیاکل) کمپنی کے لیے ''چندر گپت'' اور تیغ ستم دو ڈرامے لکھے جو بہت مقبول ہوئے۔''

تیغ ستم شیکسپیئر کے ایک ڈرامے کا اردو ترجمہ ہے۔ مترجم اس کے جانیشور پرشاد مائل تھے اور اس کے ناشر نراین دت سہگل تاجر کتب لاہور تھے۔5 اس ترجمہ کا سال طباعت معلوم نہیں ہوسکا ہے۔

یہ بات یقینی ہے کہ بیاکل کمپنی کے لیے میرٹھ میں اور بھی ڈرامے لکھے گئے ہوں۔ اس امکان سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا کہ میرٹھ میں کسی اور کمپنی نے بھی ڈرامے اسٹیج کیے ہوں البتہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس زمانے میں میرٹھ شہر میں ڈرامے سے دلچسپی عام نہیں تھی۔

ہ - متفرقات

الف۔ داستان

میرٹھ اور اس کے مضافات میں اس مدّت میں دو تین داستانیں بھی لکھی گئی تھیں لیکن ان میں کوئی قابلِ ذکر خوبی معلوم نہیں ہوتی ہے۔ یہاں ان کے بارے میں صرف بعض باتیں قلمبند کی جاتی ہیں۔

1- فسانۂ شیریں

پورا نام اس داستان کا ''فسانۂ شیریں عُرف گلزارِ خادم'' تھا۔ مصنّف اس کے شیخ خادم حسین منگلوری تھے۔ انھوں نے اسے 1287ھ/ 71-1870 میں مکمل کیا تھا۔ چند سال کے بعد 1305ھ/ 88-1887 میں یہ مطبع چشمۂ کوثر مظفر نگر میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

2- آئینۂ اسرار

بظاہر یہ جاسوسی ناول ہے۔ اس کے مصنّف محمد نجم الدین تھے، جن کے بارے میں تذکرۂ غوثیہ میں تحریر ہے:

> '' اگر چہ ڈپٹی نجم الدین صاحب سولہ برس سے جناب وقبلہ (غوث علی شاہ قلندر) کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے مگر وہ آزاد اور بے طمع ہیں۔ پھر

اُنس ہوتو کیوں کر ہو۔ ایک دوسرے کے نام سے بھی واقف نہ تھے۔''3

یہ داستان میرٹھ میں 1869 میں لکھی گئی تھی۔

3- ستارۂ ہند

اس کے مصنف عمر علی خاں وحشی تھے۔4 سال تصنیف اس کا 1872/ 1289ھ ہے اور یہ مطبع گلزار محمدی میرٹھ میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

ب- ناول

میرٹھ کے مخصوص ماحول میں ناول کی طرف بھی توجہ تو کی گئی تھی لیکن یہ توجہ بہت کم تھی۔ میرٹھ میں لکھی جانے والی بیشتر ناولیں اب نایاب ہیں۔ صرف ایک دو کا مجملاً ذکر کیا جاتا ہے۔

گلِ عباس

ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل نے ضمناً سید محمد مرتضیٰ بیان میرٹھی۔ کے اس ناول کا حال اس طرح لکھا ہے:

''انھیں ناول نگاری سے بھی دلچسپی تھی۔ جون 1892 کے لسان الملک کے شمارے میں ان کا ناول ''خدا پرست کا ناول المسمیٰ بہ گل عباس'' قسط وار شائع ہونا شروع ہوا تھا اور یہ سلسلہ آخری شمارے تک جاری رہا۔ اس میں استاد وشاگرد کا مکالمہ لکھ کر تصوف کے رموز وحقائق یعنی خدا کیا ہے، خدا کی صفات اور نبوت ورسالت پر مدلل بحث کی ہے۔

بیان کے دو اور مختصر ناول 'صندل کی سیر' اور 'عشق عظیم' بھی اسی پرچے میں شائع ہوئے تھے۔ ''5

بیان کی تصانیف ایک درجن سے زیادہ بتائی گئی ہیں۔ شاید ان میں کوئی اور ناول بھی ہو۔

ج- مذاہب

میرٹھ میں مذہب اور معاملاتِ مذہب سے بھی خاصی دلچسپی لی جارہی تھی چنانچہ ان موضوعات سے متعلق بھی چھوٹی بڑی کچھ کتابیں لکھی گئی تھیں۔

1- فیوچر آف اسلام

اس کتاب کا تعارف افسر صدیقی امروہوی نے کرایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے :

"ایک یوروپین ولفرڈ اسکادن بلنٹ نے 1884 کے شروع میں ایک کتاب "فیوچر آف اسلام" لکھی تھی۔ اس کا ترجمہ سید اکبر حسین منصف علی گڑھ نے کر کے مطبع جماعت تجارت متفقہ اسلامیہ میرٹھ کی طرف سے چھپوایا تھا...... اس کتاب میں 1880 کے عازمین حج کی فہرست دی ہے.... ہندوستان سے جانے والے پندرہ ہزار یعنی عرب کے سوا تمام ممالک سے زیادہ تھے۔ ترقیمہ اس نسخہ کا اس طرح ہے :

"بہ تاریخ 8- ماہ اپریل 1885 مطابق 21 ماہ جمادی الثانی 1302 ہجری یوم چہارشنبہ بہ نوک خامہ خام محمد ابوالبرکات خاں..... ساکن قصبہ شکوہ آباد.... صورت تحریر یافت۔"6

2- کم عمر بچوں کی تعلیم

یہ اڑسٹھ ورقوں کا ایک رسالہ ہے جس کے مصنف مفتی محمد عصمت اللہ میرٹھی تھے۔ اس قلمی نسخہ کا سال کتابت 1892 ہے۔ سال تصنیف یہی یا اس سے پہلے کا ہوگا۔ رسالے کا آغاز ان کلمات سے ہوتا ہے :

> "تین ذریعے قوم کی فلاح پر دال ہیں یعنی حکومت، تجارت اور حرفت- جس خوش نصیب قوم کو خدا نے یہ تینوں برکتیں عطا فرمائی ہیں وہ بلا دلیل وحجت بلند اقبال ہے...."

مخطوطہ کا اختتام ان الفاظ پر ہوا ہے :

> "سنا ہے کہ سیلون کے مسلمانوں میں جو تواریخ کی کتابیں رائج ہیں، ان میں جزائر ایشیا میں اسلام کی اشاعت کا حال بسط وتفصیل سے درج ہے۔"

اس رسالے کے آخر میں جسٹس کرامت حسین کی تقریظ دو ورقوں پر اور مولوی ذکاء اللہ کی رائے ایک ورق پر لکھی ہے ان کے بعد محمد بشیر کی مفصل رائے سولہ ورقوں پر درج ہے۔

3- بہشتی زیور وغیرہ

مصنف اس کتاب کے حکیم الامت مولانا اشرف علی ابن مولانا عبدالحق ساکن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر تھے۔ انھوں نے عورتوں اور لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے جو متعدد کتابیں لکھی ہیں انہی میں سے بہشتی زیور بھی ہے جو کئی جلدوں میں مکمل ہوا ہے۔ مذہبیات کے ہر شعبہ سے متعلق مولانا نے کتابیں لکھی ہیں۔ زبان نہایت صاف، سلیس اور دلکش ہوتی ہے۔ تصانیف کی تعداد سات درجن سے بھی زیادہ ہے۔ سالِ ولادت مولانا کا 1863 اور سالِ وفات 1943ء ہے۔

و - اخبار ورسائل

میرٹھ شہر میں پہلا چھاپہ خانہ 1830 / 46-1245ھ میں قائم ہوا تھا۔ کوئی ایک برس بعد اُسی مطبع سے ایک اخبار بھی نکلنے لگا تھا۔ چند سال کے بعد مولانا سید جمیل الدین میرٹھی ہجر تخلص نے ''صادق الاخبار'' کے نام سے ایک اخبار جاری کیا جو اُس جوار میں بہت مقبول ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ 1857 میں حکام انگریزی کے خلاف افواج میں شورش پیدا کر دینے میں اس اخبار نے بہت مؤثر کردار ادا کیا تھا۔ اسی کی پاداش میں انگریزی حکومت نے اس کے ایڈیٹر ہجر کو تین برس قید کی سزا دی تھی۔

صادق الاخبار وغیرہ نے میرٹھ میں اخبار نویسی کے لیے اچھی فضا پیدا کر دی تھی چنانچہ پہلی جنگ عظیم سے پہلے اس علاقے میں یکے بعد دیگرے ایک درجن سے بھی زیادہ اردو کے اخبار نکل چکے تھے۔ ان میں سے کئی نے ملک کے اطراف و جوانب میں اچھی شہرت حاصل کر لی تھی۔

1- اخبار عالم

اس کے نام سے بھی خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس کے کارپردازوں کی نگاہوں میں کتنی وسعتیں تھیں۔ اس کے مالک اور مدیر منشی وجاہت علی خاں وجاہت تھے۔1 یہ اخبار 1860 سے نکلنا شروع ہوا تھا۔ سولہ صفحوں پر ہر جمعرات کو نکلتا تھا۔ اس میں اندرونِ ملک اور بیرون ملک کی خبریں

بھی چھپتی تھیں۔ مختلف وقتوں میں یہ مختلف مطبعوں میں چھپتا رہا تھا۔ اس اخبار کے مضامین سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں زبان اردو کو غیر ممالک تک رواج حاصل ہو گیا تھا۔

2- میرٹھ گزٹ

منشی وجاہت علی خاں وجاہت اس ہفتہ وار اخبار کے بھی مدیر تھے۔ یہ اخبار 1865 میں جاری ہوا تھا۔ اس میں میرٹھ کی معتبر خبریں شائع ہوتی تھیں۔ وجاہت نے 1876 میں وفات پائی تھی۔

3- جلوۂ طور

ڈاکٹر شرف الدین ساحل نے سید محمد مرتضیٰ بیان میرٹھی کے حالات میں تحریر کیا ہے :

''بیان کی صحافتی زندگی کا آغاز مدیر رسالہ کی حیثیت سے ہوا۔ انھوں نے سب سے پہلے جلوۂ طور کی ادارت کی۔ یہ پرچہ 1861 میں میرٹھ سے جاری ہوا تھا۔ اس کے مہتمم و مالک رائے گنیشی لال اور پرنٹر و پبلشر شمبھو ناتھ تھے۔ سالانہ چندہ ساڑھے نو روپے، سلطان المطابع میں بڑی تقطیع پر چھپتا تھا'' 2

4- میور گزٹ

ڈاکٹر نادر علی خاں نے سلطان المطابع کے بارے میں ضمناً لکھا ہے :

''دو ہفتہ وار اردو اخبارات ایک جلوۂ طور چار ورق کلاں پر......اور دوسرا میور گزٹ چار ورق اوسط پر طبع ہو کر ہر چہار شنبہ کو تقسیم ہوا تھا۔ اجرا یکم جنوری کو ہوتا تھا۔'' 3

یہ میرٹھ کے ماحول کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ ایک سے زائد اخباروں کو وہاں پر ''گزٹ'' نام دیا گیا تھا۔

5- لارنس گزٹ

حکیم فصیح الدین رنج نے ایک قطعہ تاریخ کا عنوان اس طرح قائم کیا ہے :

''قطعہ تاریخ ولادت فرزند منشی سید جمیل الدین صاحب ہجر مالک لارنس گزٹ میرٹھ''

یہ بھی میرٹھ سے نکلنے والا ایک ہفتہ وار اردو اخبار تھا۔ یہ 1874 میں بھی نکلتا تھا اور ہجر کی وفات تک نکلتا رہا تھا جیسا کہ مذکورہ قطعۂ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔

6- محبِ ہند

سید جمیل الدین ہجر نے 1861 میں ایک ہفتہ وار اردو اخبار "محبِ ہند" کے نام سے جاری کیا تھا جو دو ورق اوسط پر ہر جمعہ کو شائع ہوتا تھا۔

7- نجم الاخبار

اس ہفتہ وار اخبار کے مالک محمد امیر، اور مہتمم محمد حیات نامی شخص تھے۔ یہ 1862 کے بعد کسی وقت نکلنا شروع ہوا ہوگا۔

8- آریا سماچار

کلیان رائے نامی ایک شخص نے اپنے مطبع ودیا درپن سے سولہ چھوٹے سائز کے ورقوں پر یہ ماہانہ رسالہ جاری کیا تھا۔ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ کب تک جاری رہا۔

9- شحنۂ ہند

مولوی احمد حسن شوکت میرٹھی نے اپنے مطبع شوکت المطابع سے ایک ماہانہ رسالہ "شحنۂ ہند" کے نام سے 1883 میں نکالنا شروع کیا تھا۔

10- طوطیِ ہند

بیان میرٹھی نے ایک ایک کر کے کئی اخبار و رسالے نکالے تھے۔ سب سے پہلا "طوطیِ ہند" تھا۔ ڈاکٹر شرف الدین ساحل نے لکھا ہے :

> "بیان نے 1881 میں اپنا ذاتی ہفت روزہ طوطیِ ہند جاری کیا۔ یہ پرچہ مطبع حدیقۃ العلوم میرٹھ سے شائع ہوتا تھا۔ بعد کو سید سجاد حسین ریحانی اس کے مالک ہو گئے۔ اس میں خبروں کے علاوہ ادبی اور تنقیدی مضامین اور منظومات بھی شائع ہوتی تھیں۔ طوطیِ ہند کبھی کبھی اپنے معاصرین سے بھی الجھتا رہتا تھا... بیان نے پہلے اخبار فتنہ کے خلاف مضامین کا سلسلہ شروع کیا۔" 4

11- میرٹھ پنچ

ڈاکٹر شرف الدین ساحل نے بیان کی صحافت کے سلسلے میں تحریر کیا ہے :

"بعد کو منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ سے ٹھن گئی..... سہارت ضلع جگت سے گذر کر

پھکڑ بازی اور گالی گلوچ تک پہنچ گئی.... طوطی ہند کی رعایت سے چڑیا گھر کا تلازمہ اور اصطلاحات استعمال کر کے ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ انھوں نے طوطی ہند میں اودھ پنچ کے بالمقابل میرٹھ پنچ کے عنوان سے ضمیمے کا اضافہ کیا۔ یہ ہر جمعہ کو چار صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ اس کا چندہ ڈیڑھ روپیہ سالانہ تھا۔"5

12- لسان الملک

"طوطی ہند کو فروخت کر دینے کے بعد بیان نے 10/جون 1887 کو ماہنامہ لسان الملک جاری کیا۔ بیس صفحات کا یہ ماہنامہ بھی..... مطبع حدیقۃ العلوم میرٹھ سے شائع ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ اس کے مہتمم منشی احمد خاں شفق تھے۔ بیان اس کا اداریہ خود کبھی نظم اور کبھی نثر میں لکھا کرتے تھے۔"6

13- طوفان

"انھوں (بیان) نے ایک ظریفانہ رسالہ طوفان بھی جاری کیا تھا جو لسان الملک کے ضمیمہ کے طور پر شائع ہوتا رہا تھا۔"

14- حواسِ خمسہ اور

15- جرعۂ جام

ان کے بارے میں خود بیان نے لکھا تھا :

"یہ دونوں رسالے میرے دور اول کے کارنامے تھے بلکہ مرض محبت کا ہذیان تھا۔ جرعہ یارلوگ اُڑا گئے، حواسِ خمسہ دوستوں اور خریداروں کے ہاتھوں پریشان ہو گئے۔ خاص میرے پاس بھی نہیں۔"7

ان چند کے علاوہ اس زمانے میں میرٹھ سے کچھ اور رسالے بھی نکلے تھے مثلاً "انیس ہند" وغیرہ افسوس ہے کہ ان کے بارے میں اب تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔

ooo

حواشی

الف - شاعری

-1	تاریخِ ادب اردو	حصہ نظم	ص 423 تا 425
-2	سازِ مغرب (فہرست)	حصہ 6	ص 2
-3	سازِ مغرب (فنِ ترجمہ)	حصہ 2	ص 29
-4	تاریخِ ادب اردو	حصہ نظم	ص 424
-5	گلستانِ سخن	حصہ 2	ص 299
-6	سخن شعرا		ص 387
-7	حکیم فصیح الدین رنج		ص 38
-6	تاریخِ ادبیاتِ مسلمانان	جلد 3	ص 237
-9	سازِ مغرب (فہرست)	حصہ 6	ص 14
-10	عودِ ہندی		ص 178 تا 181
-11	حکیم فصیح الدین رنج		ص 39
-12	خم خانۂ جاوید	جلد 5	ص 71

-13	یورپین شعرائے اردو		ص 19
-14	حکیم فصیح الدین رنج		ص 25 تا 26
-15	تذکرہ ماہ وسال		ص 226
-16	طبقات شعرائے ہند		ص 410
-17	گلستان سخن	حصہ 1	ص 494 تا 495
-18	خم خانہ جاوید	جلد 3	ص
-19	سخن شعرا		ص 180
-20	عود ہندی		ص 154
-21	ایضاً		ص 135 تا 147
-22	حکیم فصیح الدین رنج		ص 28 تا 29
-23	سخن شعرا		ص 129
-24	ایضاً		ص 311
-25	خم خانہ جاوید	جلد 2	ص 269
-26	معرکہ چنگ		ص 5 تا 6
-27	خمخانہ جاوید	جلد 4	ص 335
-28	بیان میرٹھی		ص 13 ومابعد

ب - تذکرہ

-1	تذکرہ ہندی		ص 279
-2	خوش معرکہ زیبا	جلد 2	ص 576
-3	بہارستان ناز		ص 82
-4	ایضاً		

ج - سوانحات

-1	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد 2	ص 177

2- تاریخ ادبیات مسلمانان جلد 4 ص 213 تا 217

3- وفیات مشاہیر اردو ص 200

4- تذکرہ غوثیہ ص 454 تا 456

5- ایضاً ص 7

6- ایضاً ص 5

7- ایضاً ص 17

8- وفیات مشاہیر اردو ص 56

9- بیان میرٹھی ص 28

10- غالب بطبع گرانی ص 6

11- حکیم فصیح الدین رنج ص 106

12- دہلی کے اردو مخطوطات ص 25

د - ڈراما

1- تاریخ ادب اردو حصہ نثر ص 154

2- نقوش (لاہور نمبر) حصہ 2 ص 772

3- ناٹک ساگر ص 392 تا 393

4- ایضاً ص 389

5- کتابیات تراجم حصہ 2 ص 81

ہ - متفرقات

1- اردو کی نثری داستانیں ص 879

2- ایضاً ص 879

3- تذکرہ غوثیہ ص 450

4- اردو داستان ص 549

5- بیان میرٹھی ص 28

6- مخطوطات انجمن کراچی اردو جلد2 ص 194 تا 195

7- علی گڑھ کے اردو مخطوطات ص 132

و - اخبار و رسائل

1- حکیم فصیح الدین رنج ص 28

2- بیان میرٹھی ص 25

3- ہندستانی پریس ص 374

4- بیان میرٹھی ص 25

5- ایضاً ص 26

6- ایضاً ص 27 تا 28

7- ایضاً ص 31

15-بلندشہر

		بلند شہر	425
		الف - شاعری	427
-1	شیفتہ-	حاجی محمد مصطفیٰ خان	427
-2	برق-	محمد نجم الدین	428
-3	تفتہ-	منشی ہرگوپال	428
-4	بےصبر-	بال مکند	429
-5	رخشاں-	محمد عزیز الدین	429
-6	رسا-	منشی محمد حیات	430
-7	اشک-	اشک	430
-8	رفیق-	حبیب اللہ	431
-9	سخا	سخاوت حسین	432
		ب - نثر	433
-1	منصور علی		433
-2	ظہور الدین		434
-3	قطب الدین		435
-4	رحیم بخش		435
-5	ستیہ دیو		435
	حواشی		438

بلند شہر

یہ صحیح ہے کہ اردو ادب کی تاریخوں میں ضلع بلند شہر کا عموماً نام نہیں لیا گیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس ضلع میں نظم و نثر کی نئی، پرانی تقریباً سبھی اصناف کے قابلِ ذکر نمونے مل جاتے ہیں اور ان کو نظر انداز کرنا انصاف سے بعید ہے۔

الف - شاعری

خاص بلند شہر سے قطع نظر اس ضلع کے بیشتر قصبات میں بھی ایسے خوشگو اور باصلاحیت شاعر ہوئے ہیں، جنھوں نے اپنے قصبہ کا نام روشن کیا ہے۔ ان میں سے ایک دو تو ایسے بھی ہوئے ہیں جن کے نام اور ذکر سے اردو ادب کی کوئی تاریخ خالی نہیں رہ سکتی۔

1- شیفتہ- حاجی محمد مصطفیٰ خان

نواب حاجی محمد مصطفیٰ خان بہادر شیفتہ تخلص خلف سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خان بہادر۔ جہانگیر آباد کا علاقہ جو انھوں نے خریدا تھا، اب تک ان کی اولاد کے قبضے میں ہے۔ 1221ھ/1806 میں شیفتہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے۔ ان کی تصانیف یہ ہیں :

دیوان اردو ، دیوان فارسی، مجموعہ کلام نثر و خطوط فارسی ، گلشن بے خار ، سفر نامہ جس کا عنوان ہے ، ''ترغیب السالک إلی احسن المسالک'' اور یار آورد شاعری کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ ؎

اگر اسلوب عبارت میں متانت کم ہو　　شیفتہ کیسے ہی معنی ہوں مگر نامقبول

معنی شگفتہ، لفظ خوش، انداز صاف ہو　　وہ طرز فکر ہم کو خوش آتی ہے شیفتہ

شیفتہ نے 1286ھ/1869 میں انتقال کیا تھا۔ کلام کا انداز یہ ہے:

صبح تک وعدۂ دیدار نے سونے نہ دیا　　یاس سے آنکھ بھی جھپکی تو توقع سے کھلی
جفا میں نہیں دخل اسباب کا　　میں بے جرم رہتا ہوں خائف کہ واں
بدنام اگر ہونگے تو کیا نام نہ ہوگا　　ہم طالب شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام
گل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں　　آرام سے ہے کون جہانِ خراب میں

افسوس ہے کہ جہانگیرآباد ضلع بلند شہر میں شیفتہ کے قیام کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ ان کی سرپرستی میں اس قصبہ میں شعر و سخن کی ترویج کا احوال بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ اتنی بات البتہ یقینی ہے کہ آخر زمانے میں وہ کئی برس تک جہانگیرآباد میں رہے تھے چنانچہ ان کا آخری عمر کا تقریباً سارا کلام اسی جگہ کا ہے۔

2- برق- محمد نجم الدین

محمد نجم الدین نام، برق تخلص، قاضی سراج الدین کے بیٹے، حکیم مومن خاں مومن کے باکمال شاگردوں میں سے تھے۔ صابر نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

"قاضی زادہ، ساکن سکندرآباد کہ شاہجہاں آباد سے پچیس کوس کے فاصلے پر ہے۔ نوجوان خوش مزاج، سخن کے ساتھ اس کو مناسبت تام اور شعر کی طرف توجہ مالا کلام، شعر ریختہ اچھا کہتا ہے۔ اب صدر دیوانی آگرہ میں عہدۂ جلیل پر مامور ہے۔"[1]

برق صاحب دیوان شاعر اور اپنے وقت کے استادوں میں تھے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:

کیا کیا اڑی ہیں جیب و گریباں کی دھجیاں　　ہاتھوں سے جب کہ یار کا دامان نکل گیا
وہ اشک کیا ہے جس میں کہ لختِ جگر نہیں　　کیا ہے وہ آستین کہ لہو میں تر نہیں
رشکِ عدو و حسرتِ وصل، آرزوے مرگ　　صدمہ ہے کون سا جو مری جان پر نہیں
کیا لگی پھرتی ہے اس پاے نگاریں سے بہار　　جس جگہ اس نے قدم رکھا گلستاں ہوگیا

3- تفتہ- منشی ہرگوپال

لالا سری رام نے ان کو "ہم پایۂ طالب و کلیم" قرار دیا ہے اور لکھا ہے:

"منشی ہرگوپال تفتہ، حضرت غالب کے عزیز ترین اور ارشد ترین شاگرد، ہمیشہ

فارسی کہتے رہے، اردو کی طرف کبھی توجہ نہ ہوئی۔ 1214ھ/ 1799
میں پیدا ہوئے۔ اپنے وطن سکندر آباد میں عمر کا زیادہ حصہ گذار دیا۔ عالم ضعیفی
میں مرزا کی وفات کے دس برس بعد انتقال کیا۔"2

تفتہ کے والد کا نام موتی لال تھا۔ 1879 میں انھوں نے رحلت کی۔ ان کی تصانیف میں تضمینِ گلستان معروف ہے جو 1272ھ/56-1855 میں مکمل کی تھی اور کوئی ایک برس کے بعد مطبع نول کشور سے چھپ کر شائع ہوئی تھی۔3 تفتہ اپنے وقت کے استادوں میں شمار ہوتے تھے۔ تاریخ خوب کہتے تھے۔ ایک قطعہ یہ ہے ؎

غالب وہ شخص تھا ہمہ داں جس کے فیض سے ہم سے ہزار ہیچ مداں نامور ہوئے
فیض و کمال، صدق و صفا اور حسن و عشق چھ لفظ اس کے مرتے ہی بے پادسر ہوئے

4- بے صبر- بال مکند

عبدالغفور خاں نساخ کے تذکرے میں ان کے بارے میں لکھا ہے :

"بے صبر تخلص بال مکند نام ولد لالہ کانجی مل باشندۂ سکندر آباد شاگرد ہرگوپال تفتہ۔ بیشتر فارسی کہتے ہیں۔"

بے صبر 1225ھ/1810 میں پیدا ہوئے، میرٹھ میں 1302ھ/ فروری 1885 میں فوت ہوئے۔ انھوں نے مرزا غالب سے بھی کسبِ فیض کیا تھا۔ ان کی تصانیف یہ ہیں :

دیوانِ عام اردو ، دیوانِ خاص اردو ، دیوانِ فارسی ، دیوانِ قصائد اردو
گلستانِ ہند نثر اردو، مثنوی لختِ جگر ، سراپا سخن (اپنے دو بیٹوں کا نوحہ)
رسالہ بدیع البدائع، مثنوی اخگر عشق، رسالہ ادیب البنات وغیرہ

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

بیخودانِ عشق کو کیا حاجتِ ترکِ لباس تن سے پیراہن جدا ہوتا نہیں تصویر کا

5- رخشاں- محمد عزیز الدین

"محمد عزیز الدین نام رخشاں تخلص، قاضی محمد حسام الدین آزردہ، ساکن قدیم قصبہ جیور ضلع بلند شہر کی اولاد میں سے ہیں۔ کارخانہ تجارت نیل کی بدولت ان کے جدامجد قاضی محمد رفیع الدین نے خاصا نام پایا تھا۔ 1883 میں پیدا ہوئے۔

اپنے ماموں حکیم منشی فضل احمد کی تربیت میں رہ کر فارسی، انگریزی شروع کی۔
احسان شاہجہانپوری کے شاگرد ہوئے۔ 1901 میں عدالت جج گوالیار میں
مولانا مقصود حسن حیرت کے نائب تھے۔''5

تلاش کے باوجود ان کے مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔ شروع میں رسوا تخلص تھا۔ احسان کے مشورے سے تخلص، رخشاں اختیار کیا۔ اکثر شعروں میں بوس و کنار کے مضمون باندھتے تھے۔ چند شعر یہ ہیں۔

عبادت میں بھی رہتا ہے تصوّر حور و غلماں کا
خدا ہی ہے نگہباں شیخ تیرے دین و ایماں کا

عزیز الدین ہوں، رخشاں تخلص ہے، وطن جیور
سخن گوئی میں ہوں شاگرد احسانِ سخنداں کا

تم نے خوش ہو کے دیا تھا تو لیا تھا ہم نے
دے کے ناخوش ہو تو اب پھیر لو بوسہ اپنا

حضرتِ موسیٰ نے غش کھایا تھا جس کو دیکھ کر
اے صنم وہ جلوۂ روئے منوّر کیا ہوا

6- رسا- منشی محمد حیات

رسا تخلص منشی محمد حیات بخش نام، منشی عبدالرزاق کے بیٹے، 1874 میں پیدا ہوئے اور 1913 میں فوت ہوئے۔6 لالا سری رام نے ان کے حالات اس طرح لکھے ہیں :

''منشی حیات بخش رسا مصطفیٰ آباد ضلع بلند شہر کے رہنے والے، استعداد علمی رکھی ہے۔ مشہور کہنے والوں میں شمار ہے..... فالج کی وجہ سے چلنے پھرنے سے قدرے معذور ہیں، ہاتھ میں رعشہ بھی ہے، پڑھنے کا انداز بہت اچھا اور دلکش ہے۔ فی البدیہہ بھی خوب کہتے ہیں۔ اکثر اشعار پر حضرت داغ کے کلام کا دھوکہ ہوتا ہے۔''7

خود داغ کے شاگرد تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بعض شاگرد رسا سے اصلاح لینے لگے تھے۔ غالباً داغ کے توسط سے رسا کو نواب صاحب رامپور کی خدمت میں رسائی حاصل ہوگئی تھی۔ ان کے دیوان کا قلمی نسخہ بخط مصنف رضا لائبریری میں محفوظ ہے۔ کل ترانوے ورق ہیں۔ ان کے چند شعر یہ ہیں ۔

آپ سا کوئی نہیں دنیا میں
آپ نے یہ تو سُنا ہی ہوگا

صبر والوں کا بھی دن آئے گا
ایک دن روزِ جزا بھی ہوگا

سو بار صدقہ ہو کے یہی چاہتا ہے جی　　　سو بار او رآپ کے قربان جایئے
دو گھڑی کے لیے انسان کو خواب آتا ہے　　　بند ہو جاتی ہیں آنکھیں جو شباب آتا ہے

غزل کے علاوہ رسا ہزل بھی خوب کہتے تھے۔ ان کی ہزلیات کا ایک مجموعہ بھی رامپور کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

7- اشک- اشک

اشک تخلص بلند شہر کے رہنے والے شاعر تھے۔ ان کے حالات تو معلوم نہیں ہو سکے، البتہ اتنا پتا چلتا ہے کہ یہ انگریزی کی نظموں کا اردو میں منظوم ترجمہ کرتے تھے۔ ان کے اس شوق کو میرٹھ کے شعری ماحول کا فیض سمجھنا چاہیے۔ اشک کے ایک منظوم ترجمہ کا عنوان اس طرح ہے :

''اندھی پھول والی کا گیت'' یہ لارڈ لٹن کی انگریزی نظم کا ترجمہ ہے۔8 اس کے ابتدائی چند شعر یہ ہیں ۔

خریدو پھول میرے، لینے والو
ذرا ان کی بہاروں کا مزا لو

یہ کہتی ہوں میں تم سے عاجزی سے　　　خریدو پھول تم دریا دلی سے
نہایت خوبصورت یہ زمیں ہے　　　سنا کرتی ہوں میں ہر آدمی سے
زمیں ہے خوبصورت گر یہاں کی　　　تو یہ سب پھول ہیں پیدا اسی سے
عیاں ہے حُسن ان سے ان کی ماں کا　　　پری پیدا ہوئی گویا پری سے
یہ سارے پھول ہیں بچے اسی کے　　　نہیں کہتی ہوں تم سے دل لگی سے

8- رفیق- حبیب اللہ

''رفیق تخلص، ابوالبرکات مولوی حبیب اللہ عُرف آغا زرفیق، خلف حاجی مولوی احمد اللہ، بلند شہر کے رہنے والے، حضرت داغ دہلوی کے شاگرد، ابتدائی عربی فارسی کی تعلیم اپنے والد سے پائی۔ طب کی تعلیم بھی پائی ہے۔ عربی میں اچھی لیاقت ہے۔ فلسفہ مشرق و مغرب سے کمال شوق ہے۔ نثر کے مضمون خوب لکھتے

ہیں۔ شاعری میں نیچرل رنگ زیادہ پسند ہے۔ عشقیہ بھی خاصہ کہتے ہیں۔
اب ہاپوڑ میں رہتے ہیں۔''9

ان کے چند شعر یہ ہیں ۔

غیر پر اپنا اثر پیدا کیا　　جان دے کر یہ ہنر پیدا کیا
جو گذر جائے دم غنیمت ہے　　کیا بھروسا ہے زندگانی کا
پاؤں پڑتا ہے جہاں مجنوں کا نوکِ خار پر　　کہتی ہے لیلا کہ یہ کانٹا بھی میرے دل میں ہے
کیوں آپ سے کہیں کہ جفا آشنا ہیں آپ　　بس دل ہی جانتا ہے خدا جانے کیا ہیں آپ

9- سخا- سخاوت حسین

سخا تخلص، شیخ سخاوت حسین نام خلف گل محمد، باشندہ قصبہ ڈبائی ضلع بلند شہر، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے شاگردوں میں تھے۔10 لالا سری رام نے ان کے بارے میں لکھا ہے :

'' آپ کے مورث اعلیٰ نواب نیاز علی خاں جان نثار الدولہ بہادر شاہ دہلی کے اہلکار تھے۔ پچھتر برس کی عمر ہے۔ آپ کے دو دیوان طبع ہو چکے ہیں۔ تیسرے کی ترتیب میں ہیں۔ آپ کا شمار نعت گو شعرا میں ہے ۔

ہر جگہ ایک ہی صورت میں ہے جلوا تیرا　　کربلا تیری، نجف تیرا، مدینہ تیرا
کس زباں سے میں کروں شکر خدایا تیرا　　تیرے محبوب کی امت میں ہوں بندہ تیرا'' 11

یہ ضلع بلند شہر کے صرف چند شاعروں کا مختصر ذکر ہوا۔ اس سے یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ یہاں اردو کی تقریباً سبھی مروجہ شعری اصناف سے دلچسپی لی جا رہی تھی۔ بعض بعض شاعر ایسے بھی تھے جنھوں نے کسی خاص صنف یا طرز میں امتیاز حاصل کر لیا تھا۔

ب - نثر

ضلع بلند شہر کے مختلف قصبوں میں بھی اردو کے قابل ذکر ایک دو نثر نگار ہوئے ہیں۔ کوئی کوئی گھرانا تو ایسا بھی ہوا ہے جس میں نثر نویسی کا شوق موروثی رہا تھا۔

1- منصور علی

سید محمد منصور علی نقوی قصبہ شکار پور ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے۔ ان کے بعض بزرگوں کے نام اس طرح ہیں :

''منصور علی بن السید زین العابدین النقوی البخاری شکار پوری بن سید رحیم علی بن سید بدرالدین بن سید محمد تقی بن سید محمد نقی بن سید محمد طیب بن دیوان سید فضل اللہ نقوی البخاری''1

منصور علی کے دو بیٹے نورالحسن اور ابوالحسن تھے۔ دونوں صاحب تصانیف ہوئے۔ ابوالحسن کے بیانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کتابوں میں بارھویں صدی ہجری کے عشرۂ ثالث کی لکھی ہوئی بعض چیزیں فارسی کی نثر و نظم میں محفوظ تھیں۔ بظاہر یہ ان کے اسلاف کی تحریریں تھیں۔ منصور علی کے بارے میں جناب نصیرالدین ہاشمی نے لکھا ہے :

''شکار پور ضلع بلند شہر کے متوطن تھے۔ عربی اور فارسی کی قابلیت مسلّمہ تھی۔

حیدرآباد میں قیام کرلیا تھا۔ افضل الانساب بھی ان کی تصنیف ہے۔ سید علی شوستری سناوالملک نے اس کتاب پر صحیح ترجمہ کی تصدیق درج کی ہے۔"[2]

ابوالحسن نے اپنی ایک کتاب میں منصور علی کے لیے "المشہور بہ خواجہ شکار پور" بھی لکھا ہے۔ منصور علی کی کتاب افضل الانساب یا شاید نظام الانساب کے بارے میں کوئی بات معلوم نہیں ہوسکی ہے۔ البتہ ان کی ایک دوسری کتاب "شرفتہ الہدایات" کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ ہے۔ اس کے دیباچے کا آغاز ان کلمات سے ہوتا ہے :

" بعد حمد ونعت کے عرض کرتا ہے عبد حقیر فقیر ہیچمدان سراپا تقصیر عاصی مذنب محمد منصور علی بن السید زین العابدین النقوی البخاری شکارپوری خدمت ارباب اولوالالباب میں کہ بتاریخ غرہ صفر 1321ھ مطابق 1903 بہ مقام بلدہ حیدرآباد دکن....."

اور کتاب کے مطالب ان لفظوں سے شروع ہوتے ہیں :

الحمدللہ......لمابعد کہتا ہے احقر الحالی محمد علی الحسینی، میں نے دو غرفہ بحرین لکھے ہیں۔ ایک بحرالمعجزات، دوسرا، بحرالفضائل....."

یعنی اصل کتاب کا مصنف محمد علی حسینی ہے جو ثقات اہل سنت میں سے ہیں۔ اس کتاب میں آنحضرت صلعم کے معجزات کا بیان کیا گیا ہے۔ اس مخطوطہ کا ترقیمہ اس طرح ہے :

" مترجم وکاتب ایں اوراق خاکسار عاصی پُر معاصی محمد منصور علی بخاری النقوی غفراللہ لہ، مولف کتاب نظام الانساب در 1321ھ مطابق 1903 "

باوجود یہ کہ مصنف حیدرآباد میں مقیم تھا، زبان اس کی بہت صاف اور سلیس ہے۔

2- ظہورالدین

نام ان کا سید ظہورالدین حسن تھا۔ قصبہ گلاوٹھی (سابقاً ضلع بلند شہر) کے رہنے والے تھے۔ اردو نثر و نظم دونوں لکھتے تھے لیکن ان کو تاریخ نویسی سے خصوصی دلچسپی تھی۔ زبان انگریزی سے بھی واقف تھے۔ ضیاءالدین برنی کی تقلید میں انھوں نے بھی سات سو ستر صفحوں پر محیط ایک ضخیم کتاب "اُم التواریخ" کے نام سے 1297ھ/1880 میں لکھی تھی۔ کتب خانہ آصفیہ میں اس کا جو قلمی

نسخہ محفوظ ہے بظاہر وہ "مصنف کا اصل مسودہ معلوم ہوتا ہے۔" جناب نصیرالدین ہاشمی نے اس کے بارے میں لکھا ہے :

"یہ ہندستان کی مکمل و مفصل تاریخ ہے۔ اس کے مقدمہ کے بعد ناصرالدین سبکتگین سے لے کر عالمگیر کے انتقال تک کا حال لکھا ہے۔ عالمگیر کی اولاد کے بیان پر یہ تاریخ ختم ہوتی ہے۔ اصل کتاب کا اختتام :

" پنجم نواب مہرالنسا بیگم زوجۂ سلطان ایزد بخش پسر مراد بخش برادر عالمگیر بادشاہ سوم صفر 1116ھ کو روانہ سرائے آخرت ہوئیں۔"3

کتاب کا آغاز اس طرح ہوا ہے :

"یہ گلستانِ بے خزاں شامل ہے او پر نو شجروں اور دو شعبوں اور ثمروں اور مقدمہ وخاتمہ کے، وھوالموافق بالابتداوالانتہا۔"

ابیات

اگر میرے گلستاں میں گذر تیرا ہو جوں بلبل | کسی جا خار اگر آویں نظر اور جا بجا ہوں گل
مناسب ہے کہ تو اس خار سے جی میں نہ کھلاوے | نہ گھبراوے چمن سے اور نہ دل میں بیکلی لاوے

......قدیم نام تو اسی شہر کا اندر پرست ہے۔ کثرتِ استعمال سے اندر پت رہ گیا، چنانچہ اب تک پرانے قلعہ کے پاس موضع اندر پت موجود ہے۔"

کتاب کے آخر میں مضامین کی چار صفحوں پر فہرست ہے، پھر چند قطعات تاریخ ہیں۔ دو شعر یہ ہیں ؎

ہزاروں وہ لکھیں باتیں کہ اصلیت نہیں جن کی | کہاں وہ اور یہ فرقِ زمین و آسماں دیکھا
کہا ہاتف نے تاریخ مجوبہ نام و سال اس کا | دوم نام اس کا تاریخ یگانہ دو جہاں دیکھا
1297 | 1297

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مصنف کو تاریخ گوئی کا بھی شوق تھا۔

سید ظہورالدین حسن نے اپنی یہ کتاب بہت شوق سے مکمل کی تھی۔ اس کی آرائش کے لیے چودہ تصویریں جو مختلف مقامات کی ہیں شامل کی گئی ہیں۔

3- قطب الدین

محمد قطب الدین ان کا نام تھا اور یہ محمد قمر الدین کے بیٹے تھے۔ بلند شہر کے باشندے تھے۔ کبھی کبھی شعر کہتے تھے اور اپنے نام کی مناسبت سے قطب تخلص کرتے تھے۔ علم قرأت سے متعلق انھوں نے چودہ ورق کا ایک کارآمد رسالہ لکھا تھا۔ اس کا سالِ تالیف تو معلوم نہیں ہے البتہ اس کا جو نسخہ آزاد لائبریری علی گڑھ میں ہے اس کی کتابت 1287ھ/70-1869 میں سید عبدالجلیل نامی کاتب نے کی تھی۔ اس کا آغاز ان کلمات سے ہوا ہے :

> "الحمد للہ علی الہدایۃ الصواب فی تلاوۃ الکتاب والصلوۃ علیٰ رسولہ..... امّا بعد اس کے سننا چاہیے کہ جب اس مسکین محمد قطب الدین بن محمد قمر الدین برّنی نے، رحمت کرے اللہ تعالیٰ ان پر....."

نام اس رسالہ کا "زلّۃ القاری" ہے جس سے اس کے مطالب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ قطب نے اپنے رسالے کو اس دعائیہ شعر پر ختم کیا ہے ؎

ہو عطا یہ قطب کو نسخہ عجیب   یا الہ العالمین خیر الرقیب

4- رحیم بخش

رحیم بخش کے حالات بالکل معلوم نہیں البتہ چونکہ 1908 میں ان کا "سفرنامہ بیت اللہ شریف شائع ہوگیا تھا" یہ بات یقینی ہے کہ اس سال سے کچھ پہلے انھوں نے حج کی سعادت حاصل کی تھی۔ آئندہ عازمین حج کے استفادہ کے لیے انھوں نے اپنے تاثرات، تجربات اور مشاہدات کو کتابی صورت میں قلمبند کر کے منشی ہر پرشاد پریس بلند شہر میں چھپوا کر شائع کردیا تھا۔

5- ستیہ دیو

ستیہ دیو جی آریہ سماج کے ایک عالم تھے۔ انھوں نے اپنے عقیدے کے مطابق "وحشت ہند" کے نام سے دو حصوں میں ایک کتاب لکھی تھی۔ پہلا حصہ چونسٹھ صفحوں پر محیط ہے۔ یہ کتاب بھی بلند شہر میں منشی ہر پرشاد پریس میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ افسوس ہے کہ اس کا سالِ اشاعت معلوم نہیں ہوسکا۔

ان چند کتابوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ضلع بلند شہر کے اہل قلم کی دلچسپیاں خاصی متنوع تھیں اور تصنیف و تالیف کے کام میں اس ضلع کے بسنے والے مختلف طبقوں اور عقیدوں سے متعلق لوگ بطور احسن حصہ لے رہے تھے اور کچھ شک نہیں کہ انھوں نے اردو کے دامن کو وسعت دینے میں بخوبی اپنا کردار ادا کیا تھا۔ اس زمانے میں زبان اردو کی ترویج و ترقی میں منشی ہر پرشاد اور ان کے مطبع کی خدمات بھی ایسی ہیں جن کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اس مقام پر یہ ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختلف شہروں سے جو لوگ ضلع بلند شہر میں آکر رہنے لگے تھے ان میں بھی بعض نامور ہوئے۔ سب سے اہم شخصیت مولانا الطاف حسین حالی کی تھی۔ جناب مالک رام نے ان کے حالات میں لکھا ہے :

> ''یہ علم و ادب کی انتہائی خوش نصیبی تھی کہ وہ (حالی) شیفتہ کے ساتھ جہانگیر آباد آ گئے، ورنہ خدا معلوم اُنھیں وہ مواقع حاصل ہوتے یا نہیں جو انھیں یہاں میسّر ہوئے۔ وہ آٹھ برس تک شیفتہ کے ساتھ رہے اور ان کی وفات کے بعد یہاں سے نکلے۔''7

ooo

حواشی

الف - شاعری

1-	گلستانِ سخن	جلد 1	ص 290تا291
2-	خم خانۂ جاوید	جلد 2	ص 115تا116
3-	وفیات مشاہیر اردو		ص 169
4-	سخن شعرا		ص 76
5-	خم خانۂ جاوید	جلد 3	ص 380 تا381
6-	وفیات مشاہیر اردو		ص 267تا266
7-	خم خانۂ جاوید	جلد 3	ص 390تا391
8-	سازِ مغرب	حصہ 2	ص 52تا55
9-	خم خانۂ جاوید	جلد 3	ص 489
10-	ارمغانِ گوکل		ص 44
11-	خم خانۂ جاوید	جلد 4	ص 137

ب - نثر

1-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد 1	ص 297،364

-2 ایضاً جلد2 ص 56

-3 ایضاً جلد1 ص 252 تا 253

-4 علی گڑھ کے اردو مخطوطات ص 284

-5 قاموس الکتب جلد2 ص 64

-6 اسلام کے علاوہ مذاہب ص 361

-7 تلامذہ غالب ص

16- علی گڑھ

		علی گڑھ	447
		الف - شاعری	449
-1	حقیر-	شیخ نبی بخش	449
-2	غم-	محمد الف خاں	450
-3	شعلہ-	منشی بنواری لال	450
-4	عاشق-	محمد تقی خاں	451
-5	مداح-	شیخ محمد صادق	452
		ب - ایم اے او کالج کا قیام	453
-1	حالی-	الطاف حسین حالی	454
-2	شبلی-	شبلی نعمانی	455
-3	شاداں-	سید زین العابدین	456
-4	شمیم-	مراد علی	457
-5	ذاکر-	سید ذاکر حسین	457
		ج - تاریخ گوئی	459
		د - عروض	461
-1	ضوابط شاعری		461

ہ - سوانحات 463

1- سیرت فریدیہ 464

2- حیات سعدی 464

3- یادگار غالب 464

4- حیاتِ جاوید 465

5- المامون 465

6- الفاروق 466

7- سیرت النعمان 467

8- الغزالی 467

9- اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر 467

10- جہانگیر اور توزکِ جہانگیری 468

11- زیب النسا بیگم 468

12- بیانِ خسرو 468

13- حیاتِ خسرو 468

14- حیاتِ سعدی 468

15- حیاتِ حافظ 468

16- سوانح عمری مولانا روم 469

17- فردوسی 469

18- فیضی 469

19- نظامی گنجوی 469

20- سیرت النبیؐ 469

و - تواریخ و تذکرہ 471

1- سر سید احمد خاں 471

-2	مولانا شبلی نعمانی	474
	ز - تراجم	475
-1	محمد حسین آزاد	475
-2	الطاف حسین حالی	476
-3	مشتاق حسین خان	476
-4	محمد معین الدین	477
	ح - تدوین	479
-1	تاریخِ فیروز شاہی	479
-2	توزک جہانگیری	480
-3	آئین اکبری	480
	ط - سفرنامہ	481
-1	سرسید احمد خاں	481
-2	مولانا شبلی نعمانی	482
	ی - تنقید	485
-1	الطاف حسین حالی	485
-2	مولانا شبلی نعمانی	487
-3	افضل علی	487
-4	حسن رضا	489
-5	سید نظیر الحسن رضوی	490
	ک - ڈراما	491
-1	جامِ الفت	491
-2	معاشقۂ نپولین	492
-3	نوشکی شہزادی	492

	ف - انجمنیں اور اخبار	493
-1	سرسید کی انجمنیں	493
-2	مسلم ایجوکیشنل کانفرنس	495
-3	مطبع فتح الاخبار	496
-4	مطبع فیض عام	496
-5	ایم اے او کالج میگزین	496
-6	علی گڑھ منتھلی	497
-7	علی گڑھ میگزین	497
-8	اردوئے معلیٰ	497
-9	خاتون	498
	حواشی	499

علی گڑھ

اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ زبان اردو کا قدیمی نام ہندی، ہندیہ یا ہندکی ہے یعنی یہ وہ زبان ہے جس کا تعلق ملک ہند یا ہندوستان سے ہے۔ ضیاء الدین برنی کی تاریخ میں اس ملک کی مغربی سرحد کا سراغ اس طرح ملتا ہے :

"آں قصبات را بہ جمعیتِ افغاناں و مسلمانان..... چناں مستحکم گردانید کہ شرر ہزنی رہزناں...از راہ ہندوستان دفع شد.....وہم دراں نہضت با حصار جلالی عمارت فرمود آں حصار را ہم بہ افغاناں داد و آنچناں درد خانہا را تھانہا ساخت وزمینِ جلالی را ہم مفرور کرد و جلالی کہ مسکنِ قطاع طریق بود و ہموارہ ابنائے سبیل ہندوستان را آنجا راہ افتادی موطن مسلماناں وایمن راہ گشت وابئی یوما مستقیم ماند۔" 1

جلالی اب ضلع علی گڑھ کا (جسے کول کہتے تھے) ایک قصبہ تھا۔ اقتباسِ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان بلبن کے زمانے میں بارونق رہا ہوگا اور اہمیت اس کی یہ تھی کہ "ابنائے سبیلِ ہندوستان کو ادھر سے گزرنا پڑتا تھا۔ سلطان بلبن کے عہد میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے :

"چند سال اوّل جلوسی بلبنی خان مذکور (= خان خاناں) کہ پسر مہتر سلطان بلبن

بود، کول و چند ولایت حوالی کول اقطاع داشت واو در غایت آراستگی و پیراستگی بود
وشائستگی و بائستگی جہانبانی در ناصیہ او می تافت۔''2

اُنیسویں صدی عیسوی کے نصف اول میں شہر علی گڑھ کی آبادی اوپر کوٹ (=بالائے قلعہ) کے اردگرد تک پھیلی ہوئی تھی۔ ایک مدت کے بعد جب ریل گاڑی کا سلسلہ شروع ہوا تو مذکورہ آبادی سے کافی ہٹا کر پٹری بچھائی گئی۔ بعد میں اس طرف بھی آبادی ہوگئی۔ کچہری بن گئی اور پھر اسی کے قریب ''مدرسۂ سرکاری'' (گورنمنٹ اسکول) کھل گیا۔ اس طرح شہر سے الگ ایک نیا شہر نئے حالات کے مطابق بسنے لگا۔

علی گڑھ سے قریب آگرہ تھا جسے اس زمانے میں ایک قابل ذکر علمی ادبی مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ ریل گاڑی کی وجہ سے دہلی کا سفر بھی آسان ہوگیا تھا۔ اس طرح علی گڑھ میں آگرہ اور دہلی کے استادوں کا فیض جاری ہوگیا تھا اور اس شہر میں ہر قسم کے علمی ادبی کام کیے جانے لگے تھے۔

الف - شاعری

تذکروں کے مطالعے سے یہ حقیقت بخوبی سامنے آجاتی ہے کہ علی گڑھ (= کول) میں شعر وسخن کی روایت موجود تھی۔ بعد میں جب باہر سے آنے جانے کا سلسلہ تیز تر ہوا تو اس شہر کی علمی اور ادبی فضا کی آب وتاب بھی زیادہ ہوئی۔ کچھ شاعر ایسے بھی ہوئے جنھوں نے اپنے بعض کارناموں کی وجہ سے دور دراز تک شہرت حاصل کی۔ کچھ لوگ شاعری کے ساتھ ساتھ نثر بھی لکھ رہے تھے۔

1- حقیر- شیخ نبی بخش

حکیم قطب الدین باطن نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

''حقیر تخلص، شیخ نبی بخش نام، ان کے خاندان عالی شان کا ذکر ان کے والد ماجد کے حال میں بیان ہو چکا..... عرصۂ دراز سے بہ سرکار انگریزی بہ عہدۂ سرشتہ داری فوجداری ضلع علی گڑھ تشریف رکھتے ہیں۔ ہم اور یہ آپس میں آباواجداد سے ایک عرصۂ دراز سے ملاقات وانس کی توصیف رکھتے ہیں شعر گوئی میں تلمیذ پذیر میر گلزار علی امیر.....''1

باطن ہی کے تذکرے میں حقیر کے والد کا نام شیخ حسین بخش اور تخلص بخش وعاصی لکھا ہے

اور بتایا ہے کہ ''اصل ان کی خاک پنجاب اور مولد ومنشا فخر دہلی (= آگرہ) اصلاح ہادی شعرا(=نظیر) سے لیتے تھے۔''2

آخر زمانے میں حقیر مرزا غالب سے اصلاح لینے لگے تھے۔ اردو اور فارسی 3 دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ آخر 1860 / 1276ھ میں انھوں نے وفات پائی۔ غالب نے چار شعر کا قطعہ کہا۔ پہلا اور آخری شعر یہ ہے ؂

شیخ نبی بخش کہ با حُسنِ خلق　　داشت مذاقِ سخن وفہم تیز
خواستم از غالب آشفتہ سر　　گفت مدہ طول دبگو رستخیز
1277ھ

حقیر کے کلام کا نمونہ یہ ہے ؂

مجھ خفتہ بخت کا جو سنا ذکر سوگئے　　احوال غم میں خواب کا افسانہ بن گیا
وہ نگاہیں جن سے تھی مجھ کو تسلی کی اُمید　　تشنۂ خوں، آفتِ دل، دشمنِ جاں ہوگئیں

2- غم- محمد الف خاں

''غم تخلص محمد الف خاں، خلف اصالت خاں رسالہ دار مرحوم، ساکن عرب سرائے (جو شاہجہاں آباد سے تین کوس پر ہے) مدّت دراز سے قصبہ کول ضلع علی گڑھ میں قیام پذیر اور محمد فیض احمد خاں کی سرکار میں کہ قصبۂ مذکور .... کے روسا میں سے ہے، ملازم ہے۔ جودتِ فکر اور رسائی ذہن اس کے کلام سے ظاہر ہے۔''4

ان کے دو شعر یہ ہیں ؂

خاطر ہے اگر آپ کو دشمن کی تو بہتر　　تم خوش رہو ان سے ہی، ہمارا بھی خدا ہے
غم ترے اتنے تغافل سے موا جاتا ہے　　تو اگر آئے تو اس میں ترا کیا جاتا ہے

3- شعلہ- منشی بنواری لال

'' شعلہ شمع بزم سخندانی، صدر نشین محفلِ معانی، منشی بنواری لال خلف منشی موتی لال ناظر۔ آپ قوم کے کایستھ اور حصار کے رہنے والے تھے۔ مگر

علی گڑھ میں قیام تھا۔ پیشہ وکالت سے معقول آمدنی تھی۔ .....
دور دور شاعری کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ مرزا تفتہ سے تلمذ تھا۔ ....
دیوان اور مثنوی بزم بندرابن میں اچھے اچھے دلکش سین نہایت خوبی اور
دلچسپی سے نظم کیے ہیں۔'' 5

اقتباس بالا میں لالا سری رام نے بنواری لال شعلہ کی مثنوی ''بزم برندابن'' کا ذکر کیا ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ آزاد لائبریری علی گڑھ میں ہے۔ اس کا سال تصنیف وکتابت 1890 ہے۔ 6 کل اُنتالیس ورق ہیں۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

سری جگدیش بندرابن بہاری — سری رادھا رمن مادھو مراری

اور یہ ذیل کے شعر پر تمام ہوئی ہے ؎

نہیں مرا صلہ گوہر فشانی — مگر کچھ پریم کا آنکھوں میں پانی

4- عاشق- محمد تقی خاں

علی گڑھ میں بعض دوسرے شاعروں نے بھی اپنی اپنی دلچسپی سے چھوٹی بڑی مثنویاں لکھی ہیں چنانچہ ایک دلچسپ مثنوی سراپائے معشوق بھی ہے۔ 7 اس کا بھی ایک نسخہ آزاد لائبریری میں ہے۔ اس مثنوی کے مصنف محمد تقی خاں عاشق بھیکم پوری ہیں۔ افسوس ہے کہ ان کا حال بالکل معلوم نہیں ہوسکا۔ قیاساً یہ نواب مزمل اللہ خاں کے متوسلین میں تھے۔

بھجن لال کایستھ نے اس مثنوی کو ایک سو اکیس صفحوں پر 1285ھ/69-1868 میں نقل کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے شروع میں حمد و نعت کا مضمون نثر میں لکھا تھا۔ پھر مثنوی شروع کی تھی :

''ابتدا کلام کی حمد اس خالق اکبر کی بجا ہے کہ جس نے شاہد سخن گوئی کے خال وخط
کو جلوہ گر فرمایا.....

مقدور کس کو حمد خدائے جلیل کا — اس جائے بے زباں ہے دہن قال وقیل کا''

اور نظم کا خاتمہ اس شعر پر ہوا ہے ؎

غسل میت کر، اب آرام سے سویا تہ خاک — لے مسیحا ترے بیمار نے صحت پائی

5۔ مدّاح۔ شیخ محمد صادق

"مدّاح تخلص شیخ محمد صادق علی نام، مقیم سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ، شاگرد جناب مرزا اسداللہ خان غالب۔"[8]

ان کے دو شعر یہ ہیں ؎

شمع تھرّانے لگے یا کی آمد سن کر   رنگ اُڑ جائے جو وہ رونقِ محفل آئے
نہیں مدّاح کوئی حضرتِ غالب کا نظیر   کس کو دعویٰ ہے سخن کا جو مقابل آئے

ب - ایم اے او کالج کا قیام

سرسید احمد خان کی کوششوں سے علی گڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج قائم ہوا۔ 1877 کے شروع میں کالج کا بنیادی پتھر غیر معمولی اور غیر متوقع شان وشوکت سے رکھا گیا۔ مذکور ہے کہ 9 :

"8/ جنوری 1877 کو رابرٹ لارڈ لٹن مع لیڈی لٹن کے علی گڑھ میں تشریف لائے۔ سرسید کے ہاں مہمان ہوئے۔ سہ پہر کو وقت معین پر مع لیڈی صاحبہ کے فونڈیشن کے موقع پر تشریف لے گئے اول سید محمود نے ایڈریس پڑھا۔ وائسرائے نے اس کا جواب نہایت شیریں زبانی اور اپنی مشہور فصاحت کے ساتھ دیا۔ پھر سرسید نے بنیاد کا پتھر رکھنے کی درخواست کی۔ حضور ممدوح نے بنیاد کا پتھر.... اپنے ہاتھ سے رکھا اور فونڈیشن کی تمام رسمیں یورپین قاعدہ کے مطابق ادا کی گئیں۔"

کالج کے قیام کے بعد سے علی گڑھ کو برصغیر کے سب سے بڑے علمی مرکز کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ انجمنِ پنجاب لاہور کے مشاعرے اپنا رنگ دکھا چکے تھے۔ ان کے زیر اثر انگریزی کی منتخب نظموں کے اردو میں منظوم ترجمے کیے جارہے تھے۔ علی گڑھ کالج کے شعرا اور مصنفین ترجمے

کے ساتھ ساتھ تصنیف اور تالیف کو بھی کماحقہ، اہمیت دیتے تھے لیکن مقصدیت اور افادیت کے دامن کو ہاتھ سے دینے کے ہرگز روادار نہیں تھے۔

سرسید احمد خاں برائے نام شاعر تھے۔ آہی ان کا تخلص تھا۔ انھوں نے ابتدائی زمانے میں شعر کہے تھے اور وہ بھی عموماً فارسی میں کہے تھے۔ مرزا قادر بخش صابر نے ان کے فارسی کے چند شعر نقل کیے ہیں۔ اتنی بات البتہ صحیح ہے کہ بعض نظموں وغیرہ سے متعلق انھوں نے جو رائے ظاہر کی ہیں وہ قابل قدر ہیں۔ سرسید کے قائم کردہ ایم اے او کالج سے وابستہ علما اور شعرا نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، وہ بلاشبہ لائق تحسین ہیں۔

1- حالی۔ الطاف حسین حالی

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے انتقال کے بعد مولانا الطاف حسین حالی نے لاہور جا کر پنجاب گورنمنٹ کے بک ڈپو میں ملازمت کر لی۔ یہاں ان کے ذمہ یہ کام تھا کہ انگریزی کی کتابوں کے اردو میں جو ترجمے ہوتے تھے ان پر نظر ثانی کریں۔ اس مقصد سے انھوں نے انگریزی زبان و ادب کا اچھا مطالعہ کر لیا تھا۔ دوسرا بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ انھوں نے مولانا محمد حسین آزاد کے ساتھ انجمن پنجاب کے مشاعروں میں شرکت کی جہاں مقررہ موضوع پر نظمیں پڑھی جاتی تھیں۔ ان میں حالی نے یہ نظمیں پڑھی تھیں۔ برکھا رت، امید، تعصب اور انصاف اور حب وطن وغیرہ

کوئی چار برس تک لاہور میں رہنے کے بعد حالی کچھ مدت تک دہلی میں رہے۔ پھر علی گڑھ آ گئے۔ یہاں کا ماحول مختلف تھا۔ یہاں محض مناظرِ فطرت کے عکاسی کو مطلوب و مقصود شاعری نہیں سمجھتے تھے۔ یہاں شاعری سے جو سمجھا جاتا تھا یہ ہے کہ :

> ''خدا کی دی ہوئی زبان (اور لیاقت) سے (قوم کی بہبود کے لیے) کچھ کام نہ لینا بڑے شرم کی بات ہے۔'' 10

ان حقائق کی روشنی میں تسلیم کرنا چاہیے کہ شروع زمانے میں حالی غزل گو تھے اور معمولاً اردو شاعری کی معروف روایتوں کو بطور احسن نباہتے تھے۔ لاہور کے قیام کے دوران انھوں نے اپنی صلاحیتوں کو ''نیچرل شاعری'' کے لیے گویا وقف کر دیا تھا۔ پھر جب علی گڑھ پہنچے تو انھوں نے ''قومی شاعری'' کو گویا اپنے لیے لازم کر لیا تھا۔ آخر زمانے میں لالا سری رام کے قول کے مطابق

وہ داغ کے کلام کا انتخاب اشاعت کے لیے تیار کر رہے تھے۔10 شاید یہ صورت بھی حب الوطنی کے جذبہ کے سبب ہو۔ واللہ اعلم- حالی کے کلام کا نمونہ یہ ہے ؂

قوم کا حالی پنپنا ہے محال　　　تم نے رورو سب کو رُلوایا عبث
نعم البدل ہے داغ کا حالی کلامِ داغ　　　ذکر حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

رباعی

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا　　　آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہرے تعبیر تجھے　　　انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

کام اچھا کرنا چاہیے نہ کہ جلد

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے　　　اس میں کی تاخیر اس نے جس قدر، اچھا کیا
کب کیا، کیونکر کیا، یہ پوچھتا کوئی نہیں　　　بلکہ ہیں یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیسا کیا

حالی کا سب سے بڑا کارنامہ مسدّس مدّ و جزرِ اسلام ہے جو 1879 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اس میں حالی نے نہ صرف مسلمانوں کی زبوں حالی کا نقشہ پیش کیا تھا بلکہ بقول شیخ محمد اکرام ''علی گڑھ تحریک کے مقاصد اور نقطۂ نظر کو وہاں تک پہنچا دیا جہاں ابھی تک اس سے بے خبری تھی۔''11

2- شبلی- شبلی نعمانی

لالا سری رام نے ان کے جو حالات تحریر کیے ہیں، اُن کا خلاصہ اس طرح ہے :

'' .....شاعر با کمال ناظم بے مثال شمس العلما.......شبلی نعمانی اعظم گڑھی۔ سر سید احمد خاں کی نظر انتخاب ان پر پڑی۔ انھوں نے مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں فارسی زبان کا پروفیسر مقرر کیا.....وفات 1919 میں ہوئی۔ ساٹھ سال سے زائد عمر پائی۔ فن شاعری میں آپ کو کمال حاصل تھا مگر غزلیات فارسی اور اردو کا ذخیرہ زیادہ نہیں۔ قومی، تاریخی اور ملکی نظمیں زیادہ ہیں اور فی الحقیقت یہ رنگ مقبول ہوا.....آپ کی نظموں کا مجموعۂ کلام شبلی کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔''12

تہذیب الاخلاق کے اجرا کے بعد ہی بہ گمانِ غالب شبلی سرسید احمد خاں کی شخصیت اور ان کے کارناموں سے واقف ہو چکے تھے۔ یکم فروری 1883 کو علی گڑھ کالج میں کام شروع کرنے سے پہلے ہی وہ سرسید کے مداحوں میں شامل ہو چکے تھے۔ شبلی علی گڑھ میں تقریباً سولہ برس تک رہے تھے اور اس طرح انھیں سرسید سے اخذِ فیض کے مواقع ہر روز میسر تھے، خود شبلی کا کہنا ہے کہ ''سید صاحب نے اپنے کتب خانہ کی نسبت عام اجازت مجھ کو دی ہے۔''13

محمد مہدی نے ''مولانا محمد شبلی نعمانی مرحوم'' کی شاعری سے متعلق جو کچھ لکھا ہے مختصراً اس طرح ہے :

> ''وہ کسی کے شاگرد نہ تھے۔ اعظم گڑھ کے مشاعروں نے شوق دلایا لیکن انھوں نے شاعری کو اپنا پیشہ کبھی نہیں بنایا...مولانا کی ابتدائی اردو غزلوں میں تکلف و تصنع کی جھلک نظر آتی ہے.....علی گڑھ کالج کی فضا میں قومی شاعری کی طرف بھی مولانا کی طبیعت کا رجحان ہو گیا تھا.....اردو نظموں میں ''تماشائے عبرت یعنی قومی مسدس'' خاص طور پر قابل ذکر ہے۔......مولانا کی نظم ''بربادی خانماں شبلی'' اپنے بھائی مولوی محمد اسحاق کا مرثیہ ہے......اپنے کسی عزیز کے وفات پر اس سے بہتر کوئی مرثیہ اردو میں نہیں لکھا گیا.....تاریخی شاعری مولانا کے مذاق کے بالکل مطابق تھی.....مولانا نے بجائے نثر کے تاریخی واقعات نظم کیے ہیں۔ تمام خوبیاں اور شاعرانہ دلآویزی ان نظموں میں موجود ہے۔ ان کی قدر و قیمت کبھی کم نہ ہوگی۔ مولانا کی سیاسی اور دوسری نظمیں بھی نہایت دلچسپ ہیں۔''14

3- شاداں- سید زین العابدین

لالا سری رام نے ان کے بارے میں مفید معلومات قلمبند کی ہیں۔ لکھا ہے :

> ''شاداں تخلص، خان بہادر مولوی سید زین العابدین خاں پنشنر جج و رئیس علی گڑھ۔ ان کے والد مولوی محمد حسین مرحوم جونپور کے قدیمی عمائد میں تھے مگر انھوں نے سرسید احمد خاں سے یکجہتی و دلی اختصاص کے باعث علی گڑھ میں اقامت

اختیار کی۔ وہیں بہتر برس کی عمر میں انتقال کیا۔ مولانا رمّی کے گہرے دوست
تھے۔ غالباًفنِ سخن میں بھی انھیں سے مشورہ ہوگا۔ راقم تذکرہ کو بھی آپ سے
نیاز حاصل تھا۔ ان کے بیٹے زین الدین مین پوری میں کلکٹر ہیں۔''15

مولوی محمد عظیم اللہ رمّی شیخ ناسخ کے شاگرد تھے۔ ان کے خمسوں کا ایک قلمی نسخہ راقم کی نظر سے گذرا تھا جس کا خلاصہ ''انتخاب رمّی'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں نواب محمد حسین خاں الم غازی پوری کا کلام بھی درج ہے۔ شاید یہی شاداں کے والد ہوں۔16 شاداں کے کلام کا نمونہ یہ ہے۔

طلب عیش میں تن ہے، طلب یار میں روح — کیا عجب تن سے جدا ہو اسی تکرار میں روح
میں بھٹکا تھا تیری نصیحت سے واعظ — ملا اس صنم سے خدا کرتے کرتے

4- شمیم۔ مراد علی

شمیم تخلص شیخ مراد علی، متوطن اَترولی ضلع علی گڑھ۔17 اچھا شعر کہتے ہیں مگر کہیں کہیں متروکات کا استعمال کر جاتے ہیں۔ زبان بُری نہیں ہوتی۔ مشاق معلوم ہوتے ہیں۔

دستِ دعا بلند کبھی اپنا گر ہوا — آئی ندا کہ بند اجابت کا در ہوا
رہا ہم پر جنونِ فتنہ ساماں مہرباں برسوں — اُڑائیں دامنِ صحرا کی ہم نے دھجیاں برسوں

اَترولی علی گڑھ کے مضافات میں ہے۔ یہاں کی بولی شہر کی بول چال سے کسی قدر مختلف ہے۔

5- ذاکر۔ سید ذاکر حسین

'' سید ذاکر حسین نام، ذاکر تخلص منصف ہاتھرس ضلع علی گڑھ خلف سید علی حسین سررشتہ دار، متوطن ضلع الہ آباد۔''18

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے ۔

پھر نہ دل کو کبھی عشقِ بتِ ترسا ہوگا — کفر کی بات ہے، کعبہ نہ کلیسا ہوگا
فرش پر چین سے ذاکر جو یہاں سوتے ہیں — قبر میں ان کو میسر نہ بچھونا ہوگا

ج - تاریخ گوئی

گلبن تاریخ

اس کتاب کے مولف کے حالات لالا سری رام نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ مختصراً اس طرح ہیں :

"شرر، محمد ارتضا علی کاکوروی، نائب تحصیلدار شاہ آباد ضلع ہردوئی، شاگرد فصیح الملک داغ دہلوی... 1887 میں فیض آباد کالجیٹ اسکول سے انٹرنس پاس کیا..... وہیں کتاب ارمغانِ اودھ تصنیف فرمائی...... استاد نے رنگِ طبیعت کو دیکھ کر شرر تخلص، قرار دیا... عین عالم شباب میں رحلت کی۔"1

شرر علی گڑھ میں نواب محمد مزمل اللہ خاں کی خدمت میں بھی رہے تھے اسی زمانے میں انھوں نے کتاب گلبن تاریخ مکمل کی تھی۔ کیفیت اس کی اس طرح بیان کی گئی ہے :

"چند ہمعصروں کے حالات، ان کی تاریخ گوئی کے ایک ایک دو دو نمونے، حسب فرمائش نواب مزمل اللہ خاں رئیس بھیکم پور علی گڑھ ..... یہ تاریخ گویوں کا منظوم تذکرہ ہے مولفہ 1313 ہجری/ 1896 عیسوی...... اس میں نقشہ ہفت تاریخ ہائے سنین مروجہ ہند..... کتاب کی تالیف کے سات سال اس طرح لکھے ہیں

1313ھ/ 1896 / 1818 شادابی/ 1305 فارسی/ 1952 سنبت/
1301 فصلی/ 1402 بنگلہ "

شرر نے اس میں جو سنبت لکھا ہے وہ بکرمی ہے، اور عیسوی سال اس سے ستاون (اور کبھی چھپن بھی) کم ہوتا ہے۔ دوسرا شک سنبت ہوتا ہے جو عیسوی سال سے پچھتر زائد ہوتا ہے۔

گلبن تاریخ صرف تینتالیس صفحوں کا رسالہ ہے اور محمڈن پریس علی گڑھ میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

د - عروض

1- ضوابطِ شاعری

اس کتاب کے مولف کا احوال لالا سری رام کی یادداشتوں میں اس طرح آیا ہے :

"بابو ہرگوبند سہائے نشاط خلف منشی خوب لال کائستھ ماتھر، آگرہ میں ہرگوبند گنج انھیں کا تعمیر کردہ ہے۔ ضلع علی گڑھ میں سترہ مواضعات کا زمیندار ہے۔ پہلے عدالت دہلی میں ناظر رہے۔ بعدازاں پینتیس سال کی عمر میں 1864 میں وکیل عدالت آگرہ ہوئے۔ میونسپل کمشنر بھی تھے۔ شاگردِ غالب۔"

نشاط دسمبر 1827 میں پیدا ہوئے تھے۔ مئی 1891 میں فوت ہوئے۔ ان کے بزرگوں کا وطن علی گڑھ تھا۔ چھ برس تک وہاں کی عدالت دیوانی میں سررشتہ دار رہے تھے۔ قادرالکلام شاعر تھے۔ فارسی، اردو دونوں زبانوں میں صاحب دیوان تھے۔ ایک رسالہ مبادی الحساب منظوم بھی تالیف کیا تھا۔

نشاط نثر میں بھی کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کا ایک رسالہ "ضوابط شاعری" بھی ہے جس میں فن شاعری کے اصول وضوابط قلمبند کیے گئے تھے۔

ہ - سوانحات

الف - حالی الطاف حسین

بہادر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے آخر زمانے میں شہر کے بیشتر معززین نے انگریزوں کے ساتھ اپنے معاملات کو درست کر لیا تھا جو لوگ کسی وجہ سے ایسا نہ کر سکے تھے، ان میں سے اکثر کا حشر دنیا نے 1857 میں دیکھ لیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خاص و عام کے دلوں میں یہ بات گھر کر گئی تھی کہ ؎

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

مولانا الطاف حسین حالی ذہین، معاملہ شناس اور دوراندیش تھے۔ انھوں نے جو کچھ سیکھا اور سمجھا تھا، دوٹوک لفظوں میں کہا :

''ہم کو اب دنیا میں محکوم بن کر رہنا ہے''1

غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کی نظم و نثر کی تہ میں یہی خیال جاری و ساری ملے گا۔

مولانا الطاف حسین حالی کے حالات میں صالحہ عابد حسین نے صحیح لکھا ہے کہ :

''جب دہلی میں ان کی ملاقات سر سید سے ہوئی تو پہلی ہی بار میں وہ ان سے بہت متاثر ہوئے اور ان کے خلوص اور کام کی اہمیت کو سمجھ گئے اور ان کے دل و جان سے ساتھی بن گئے۔''2

حالی کے تقریباً سبھی کاموں میں سرسید کا کسی نہ کسی حد تک عکس معلوم ہوتا ہے۔

1- سیرت فریدیہ

یہ سرسید کی تصنیف ہے۔اس میں انھوں نے اپنے نانا نواب دبیر الدولہ امین الملک خواجہ فریدالدین احمد خان بہادر مصلح جنگ وزیر محمد اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے حالات زندگی قلمبند کیے ہیں۔یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبع مفید عام آگرہ سے 1896 میں ستاون صفحوں پر چھپ کر شائع ہوئی تھی۔اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ جو پینسٹھ ورق پر مشتمل ہے علی گڑھ کی مولانا آزاد لائبریری میں محفوظ ہے۔3

حالی کا کہنا ہے کہ'' سرسید نے سیرت فریدیہ لکھنے سے پہلے (اس سے متعلق) ایک یادداشت بھی لکھوائی تھی۔''4

2- حیات سعدی

یہ حالی کی لکھی ہوئی پہلی سوانح عمری ہے۔اس کے بارے میں لالا سری رام نے لکھا ہے :

> ''اس میں شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ کی سوانح عمری اور سیر و سیاحت کے واقعات مفصل اور مشرح طور پر درج کیے ہیں اور اُن کے اقوال کا تعلیم یافتہ جماعت پر جو اثر ان کی زندگی اور وفات کے بعد سے آج تک ہوا ہے اس سے بحث کی ہے اور اُن کی نظم و نثر کے وہ شعر اور وہ فقرے بھی لکھے ہیں جو انھوں نے عربی زبان سے ترجمہ کیے ہیں اور ان کے شاعرانہ تجر کی خوبی اور نظم و نثر کی عمدگی نہایت خوش اسلوبی اور لیاقت کے ساتھ ملک کے سامنے پیش کی ہے۔''5

اس کتاب میں شیخ سعدی کے حالات کے علاوہ ان کی تصانیف نظم و نثر پر ریویو بھی ہے۔یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبع مجتبائی لاہور سے 1888 میں 256 صفحوں پر چھپی تھی۔اس کا دوسرا ایڈیشن مجتبائی پریس دہلی سے 1897 میں 239 صفحوں پر نکلا تھا۔

3- یادگار غالب

یہ حالی کی لکھی ہوئی مرزا اسداللہ خان غالب کی سوانح حیات ہے۔اس کتاب کے دیباچہ میں حالی نے پوری صراحت کے ساتھ اعتراف کیا ہے کہ :

''مرزا کی تمام لائف میں کوئی بڑا کام ان کی شاعری اور انشا پردازی کے سوا نظر نہیں آتا۔'' 6

کتاب دو حصوں میں لکھی گئی ہے۔ پہلا حصہ ''مرزا کی لائف'' سے متعلق ہے اور حالی کے زورِ بیان کا اسے شاہکار خیال کیا جانا چاہیے۔ دوسرا حصہ ''مرزا کے کلام پر ریویو اور اس کا انتخاب'' ہے۔ کتاب پہلی بار نامی پریس کانپور سے 1897/15-1314ھ میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ کل 438 صفحے ہیں۔ 7

حالی کی سوانحات بہت مقبول ہوئی تھیں اور بار بار چھپتی رہی تھیں۔ یادگار غالب 1315ھ/98-1897 میں مطبع فیض عام علی گڑھ سے بھی 396 صفحوں پر اشاعت پذیر ہوئی تھی۔ 8 یادگار غالب کے بارے میں لالا سری رام نے صحیح لکھا ہے کہ ''یہ کام مولانا حالی جیسے قابل اور دقیع شخص ہی کے کرنے کا تھا'' 9 اور کچھ شک نہیں کہ حالی نے اپنے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔

4- حیاتِ جاوید

حالی کی لکھی ہوئی یہ تیسری سوانح عمری ہے۔ اس میں انھوں نے اپنے ممدوح سر سید احمد خاں بہادر کے حالات اور معاملات کو بہت تفصیل، محنت اور محبت سے قلمبند کیا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ حالی نے اپنا ''قومی فرض'' سمجھ کر اس کام کو کیا ہے اور اس کام نے حالی کو حیاتِ جاوید عطا کر دی ہے۔ 10 حالی نے لکھا ہے کہ یہ سوانح ہم کو نصیحت کرتی ہے کہ :

''جب تم میں عمدہ حاکم بننے کی لیاقت نہ رہے تو عمدہ رعیت بننے کی کوشش کرو'' 11

حیاتِ جاوید پہلی بار نامی پریس کانپور سے 1901 میں چھپی تھی۔ پھر دوسرے ہی سال میں یعنی 1902 میں مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں اس کے دوسرے ایڈیشن کی طباعت عمل میں آئی۔

ب۔ شبلی نعمانی

5- المامون

محمد مہدی نے مولانا محمد شبلی نعمانی (مرحوم) کے حالات میں تحریر کیا ہے کہ :

''مولانا کی تصانیف کا اہم موضوع دو اجزا سے مرکب تھا۔ ایک سلف کے

کارنامے، دوسرے غیر مسلم مصنفین کے تاریخ اسلام کے متعلق اغلاط واعتراضات کا اندفاع''11۔

سلف کے کارناموں کے سلسلے میں مولانا نے ''رائل ہیروز آف اسلام یعنی نامور فرماں روایانِ اسلام کے نام سے کئی کتابوں کے لکھنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب المامون ہے جس میں مامون الرشید خلیفۂ بغداد کے سوانحی حالات اور اُس کے عہد حکومت کے کوائف قلمبند کیے گئے ہیں۔

کتاب المامون پہلی مرتبہ علی گڑھ سے 1887 میں شائع ہوئی تھی۔ پھر شبلی کی زندگی میں ہی یہ دہلی اور آگرے سے مزید چھ مرتبہ چھپی تھی۔ یہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی سے بھی 1900 میں ایک چوراسی صفحوں پر چھپ کر شائع ہوئی تھی۔13

6- الفاروق

بہ گمانِ غالب اپنے ہمعصروں میں سب سے زیادہ سوانحات لکھنے کا شرف شبلی کو حاصل تھا۔ دوسری بڑی بات یہ تھی کہ انھوں نے شاید ایک سوانح بھی ایسی نہیں لکھی جس سے پڑھنے والے کو کوئی مثبت اور تعمیری سبق حاصل نہ ہوتا ہو۔ ان کی نیک نیتی کا ہی غالباً یہ فیض تھا کہ ان کی ہر سوانح خوب مقبول ہوئی اور بار بار چھپ کر شائع ہوتی رہی۔

''الفاروق'' میں شبلی نے خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ کی سوانح، سیرت، ملکی نظم و نسق وغیرہ کا احوال نہایت محنت اور تحقیق سے قلمبند کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس کو وہ اپنی تمام تصانیف میں بہترین سمجھتے تھے۔ کتاب دو حصوں میں مکمل کی ہے :

> '' حصہ اول جس میں حضرت عمرؓ کے نام و نسب اور ولادت سے لے کر وفات تک کے حالات اور فتوحات بالتفصیل درج ہیں، اور
> حصہ دوم جس میں اول حضرت عمرؓ کے تمام ملکی، مالی اور فوجی انتظامات کی تفصیل ہے۔ پھر ان کے ذاتی اخلاق و عادات اور علمی کمالات کا تذکرہ ہے اور خصوصاً ان کے مجتہدانہ کارناموں کو نہایت شرح وبسط سے لکھا ہے۔''13

حصہ اول کے شروع میں مولانا نے فن تاریخ اور اس کے متعلقات، تحقیق کے اصول

وآداب، روایت اور درایت اور واقعہ نگاری وغیرہ کے آئین وضوابط کا بھی بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ رحمانی پریس دہلی سے 1898 میں چھپی تھی۔ اس کے بعد نامی پریس کانپور سے 1899 میں 312 صفحوں پر چھپ کر شائع ہوئی تھی۔[14] شبلی کی زندگی میں یہ مزید چھ سات مرتبہ اشاعت پذیر ہوئی تھی۔

علی گڑھ کی مولانا آزاد لائبریری میں اس کا ایک ''بے ترتیب مسودہ'' بہ خط مصنف 1898 کا لکھا ہوا محفوظ ہے۔[15]

7- سیرت النعمان

امام اعظم حضرت ابوحنیفہ کی سوانح ''سیرت النعمان'' کے نام سے مولانا شبلی نے لکھی تھی۔ امام اعظم سے شبلی کی عقیدت کا اندازہ اس طرح کیا جانا چاہیے کہ وہ خود کو فخریہ ''نعمانی'' کہنے لگے تھے۔[16] یہ سوانح پہلی مرتبہ علی گڑھ سے 1891 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ پھر مطبع مفید عام آگرہ سے 1892 میں 310 صفحوں پر چھپی تھی۔ کتاب ''سیرت النعمان'' شبلی کی زندگی میں مزید چار مرتبہ چھپی تھی۔

8- الغزالی

الفاروق سے فرصت پانے کے بعد شبلی نے حجۃ الاسلام امام غزالی کی سوانح اور ان کے دینی اور علمی فضائل پر مشتمل ایک کتاب ''الغزالی'' کے نام سے لکھی تھی جسے اس زمانے کی بہترین تصنیف تسلیم کیا گیا تھا۔[17] پہلی مرتبہ یہ کتاب 1901 میں لکھنؤ میں چھپی تھی۔ شبلی کی زندگی میں یہ کتاب کم سے کم پانچ مرتبہ شائع ہوئی تھی۔ پھر 1919 میں بھی مطبع تحفۂ محبت دہلی سے 164 صفحوں پر چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

9- اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر

آخر زمانے میں شبلی نے ضخیم کتابوں کے بجائے ہندوستان کی تاریخ سے متعلق چند مختصر کتابیں اور رسالے لکھے تھے اورنگ زیب عالمگیر کی شخصیت، حالات اور معاملات سے متعلق یہ کتاب انھوں نے 137 صفحوں میں مکمل کی تھی، منشی نول کشور کے مطبع لاہور سے یہ کتاب 1909 میں شائع ہوئی تھی۔

10- جہانگیر اور توزک جہانگیری

مولانا شبلی جہانگیر کی انصاف پسند اور علم دوست شخصیت سے بہت متاثر تھے چنانچہ ایک رسالہ "جہانگیر اور توزک جہانگیری" کے نام سے تصنیف کیا۔ یہ بھی منشی نول کشور کے مطبع لاہور سے چھپا تھا۔ پھر ان کے لکھنؤ کے پریس سے بھی اس کی طباعت عمل میں آئی لیکن طباعت کا سال معلوم نہیں ہوسکا، جہانگیر کی زندگی پر جو اعتراض کیے گئے ہیں شبلی نے اس میں ان کا جواب بھی دیا ہے۔

11- سوانح زیب النسا بیگم

شہنشاہ اورنگ زیب کی شاہزادی زیب النسا بیگم کے حالاتِ زندگی، اس کی فارسی شاعری وغیرہ سے متعلق شبلی کی یہ کتاب ہے۔ یہ پہلی مرتبہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ میں چھپی تھی۔ بعد میں اسے انجمن ترقی اردو (ہند) اورنگ آباد، دکن نے بھی شائع کیا تھا۔

12- بیانِ خسرو

خواجہ امیر خسرو کی سوانح کی روشنی میں ان کے کلام پر یہ شبلی کا محققانہ تبصرہ ہے جو اُسّی صفحوں کے ایک رسالہ کی صورت میں رحمانی پریس دہلی سے شائع ہوا تھا۔

13- حیاتِ خسرو

شبلی کا یہ کتابچہ مطبع مجتبائی دہلی سے بھی چھپا تھا لیکن اس کا سال طباعت معلوم نہیں۔ قدیم ترین اشاعت جو" دائرہ ادبیہ لکھنؤ" کی ہے 1922 میں ادبی پریس لکھنؤ سے جیبی سائز کے 106 صفحوں پر چھپی تھی۔[18] اس کتابچہ میں خسرو کے حالات، جامعیت کمالات، موسیقی، تصانیف اور شاعری وغیرہ کا مجمل تعارف کرایا گیا ہے۔

14- حیاتِ سعدی

شیخ سعدی کے حالات اور ان کی تصانیف کے تعارف پر مشتمل یہ شبلی کا ایک کتابچہ ہے۔ یہ بھی کئی بار چھپ چکا ہے۔

15- حیاتِ حافظ

جیسا کہ نام سے بھی ظاہر ہے یہ کتابچہ خواجہ حافظ شیرازی کے حالاتِ زندگی سے متعلق ہے۔ اس میں حافظ کی شاعری کا بھی مختصر اتعارف کرایا گیا ہے۔ یہ رسالہ بھی چند بار شائع ہو چکا ہے۔

16- سوانح عمری مولانا روم

یہ مولانا جلال الدین رومی کی سوانح حیات ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس میں مثنوی کے علم کلام کے اہم مسائل بھی جمع کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب شبلی کی زندگی میں کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ پہلی مرتبہ یہ مطبع مفید عام آگرہ سے 1894 میں سو ادو سے زائد صفحوں پر شائع ہوئی تھی۔

17- فردوسی

18- فیضی

19- نظامی گنجوی

یہ تینوں رسالے فارسی کے تین عظیم شاعروں کے تعارف کے مقصد سے لکھے گئے ہیں۔ ان میں متعلق شاعر کے حالات کے علاوہ اس کے شعری کارنامے کا بھی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ تینوں رسالے دہلی میں چھپے تھے لیکن ان کا سال تصنیف اور پہلی اشاعت کا سال معلوم نہیں ہو سکا ہے۔

20- سیرت النبیؐ

مولانا محمد شبلی نعمانی مرحوم کی یہ آخری اور نامکمل لیکن شاہکار تصنیف ہے۔ اس کے بارے میں الطاف فاطمہ نے یہ اطلاع تحریر کی ہے کہ :

> ''الفاروق اور الغزالی کی تکمیل کے بعد 5- جون 1903 / 28 ربیع الاول 1312ھ کو حیدر آباد (دکن) ہی میں انھوں نے اس (سیرت النبیؐ) پر کام شروع کر دیا تھا۔''20

لیکن اس تصنیف کا باقاعدہ آغاز کئی برس کے بعد ہو سکا تھا۔ محمد مہدی نے اس سلسلے میں جو لکھا ہے، اس طرح ہے :

> ''سب سے آخری تصنیف مولانا (شبلی) کی سیرت النبیؐ ہے۔ 1912 میں مولانا نے اس مہتم بالشان تصنیف کا ارادہ کیا تھا اور ایک اسکیم بھی لکھ کر شائع کی تھی جس میں پچاس ہزار روپے کی ضرورت ظاہر کی تھی۔ دربار بھوپال

سے فوراً امداد منظور ہوئی اور مولانا ہمہ تن سیرت کی تالیف وتصنیف میں
مصروف ہو گئے لیکن افسوس ہے کہ صرف ایک جلد لکھنے پائے تھے کہ پیام
اجل آ گیا۔'' 21

اس عمدہ کام کو مولانا کے شاگردرشید مولانا سید سلیمان ندوی نے اسی انداز پر مکمل کیا۔ سیرت
النبی کی پہلی جلد 1918 میں اور دوسری جلد 1920 میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو سکی تھی۔

و - تواریخ وتذکرہ

1- سرسید احمد خاں

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سرسید احمد خاں جدید دور کی نعمتوں سے پوری طرح فیض اٹھانا چاہتے تھے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا سخت غلط ہوگا کہ وہ بزرگانِ سلف کے کارناموں کو دریابُرد کردیے جانے کے لائق سمجھتے تھے۔ ان کی تصانیف کی فہرست پر سرسری نگاہ کی جائے تو بھی اندازہ ہوجائے گا کہ انھیں تواریخ اور کتبِ تواریخ سے نہایت دلچسپی تھی چنانچہ اس سلسلے میں انھوں نے خود بھی کئی وقیع کارنامے انجام دیے ہیں۔

1- آثارالصنادید

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 1263ھ/ 1847 میں مطبع سیدالاخبار دہلی میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اس میں چار باب تھے، اس طرح :1

پہلا باب- عمارات بیرونِ شہر کے بیان

دوسرا باب- لال قلعہ اور اس کی عمارتوں کے بیان میں

تیسرا باب- خاص شہر شاہجہاں آباد کی عمارتوں وغیرہ کے بیان میں

چوتھا باب- دہلی کے مشہور اور نامور لوگوں کے ذکر میں

اسی متن کو منشی نول کشور نے اپنے مطبع لکھنؤ سے 1876 میں چھاپ کر شائع کر دیا تھا۔
آثار الصنادید کا دوسرا ایڈیشن کوئی سات برس کے بعد سرسید نے مطبع احمدی، دہلی میں 71-1270ھ/1854 میں شائع کیا۔2 اس کی زبان سادہ ہے۔ نقشے از سرنو بنوائے ہیں اور چوتھا باب اس میں شامل نہیں کیا ہے۔ یہ ترمیم واصلاح اڈورڈ طامس سیشن جج دہلی کے مشورے سے کی گئی تھی۔ حالی کا کہنا ہے کہ دوسرے ایڈیشن کے تقریباً تمام نسخے غدر میں تلف ہو گئے تھے۔
محمد رحمت اللہ رعد نے مذکورہ دونوں ایڈیشنوں کو ملا کر تیسرا ایڈیشن تیار کیا۔ اس کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے :

> "اب 1322ھ/1904 میں اس کا تیسرا ایڈیشن جمیع 3 خوبیوں سے آراستہ وپیراستہ ہو کر پورے پچاس برس کے بعد پھر شائع ہوا۔"

اس تیسرے ایڈیشن میں بھی چوتھا باب جو دہلی کے نامور لوگوں کے ذکر میں ہے شامل نہیں کیا گیا ہے۔
حالی نے غالباً شبلی کے ایک بیان کی کمک پر یہ لکھ دیا ہے کہ :

> "آثار الصنادید کا سب سے پہلا ایڈیشن جس کی عبارت میں بہت کچھ ساختگی اور تکلف پایا جاتا ہے، وہ جیسا کہ سرسید خود اقرار کرتے تھے مولانا صہبائی کا لکھا ہوا ہے۔" 4

یہ بیان نہایت افسوس ناک ہے اور صہبائی سے زیادہ خود سرسید کے لیے رسوا کن ہے۔ راقم نے بہ دلائل اس کی تردید کر دی ہے۔ 5

2- تاریخ ضلع بجنور

حالی نے اس کتاب کی کیفیت اس طرح قلمبند کی ہے :

> "سرسید بجنور کو تبدیل ہو کر گئے تو ایک روز کلکٹر نے سرسید سے اس سرکلر کا ذکر کیا جو محکمہ صدر بورڈ سے آیا تھا اور اس میں کہا گیا تھا کہ جس ضلع کا بندوبست ختم ہو جائے، اس کی مفصل تاریخ لکھوائی جائے..... سرسید نے یہ تاریخ اپنی جبلی عادت کے موافق نہایت تحقیق، کاوش اور محنت سے لکھی..... اثنائے تحقیقات میں اکبر اور عالمگیر کے زمانے

کے ایسے کاغذات ملے جن سے نہایت عمدہ نتیجے نکلتے تھے..... یہ تاریخ لکھی جا چکی تو کلکٹر نے اسے صدر بورڈ میں بھیج دیا۔ ابھی واپس نہ آئی تھی کہ غدر ہو گیا.... اس تاریخ میں سر سید نے ایک لمبی بحث سنہ فصلی کے متعلق لکھی تھی۔'' 6

3- تاریخ سرکشی بجنور

سر سید احمد خاں اپریل 1858 میں صدر الصدوری کے عہدہ پر ترقی پا کر بجنور سے مراد آباد گئے تھے وہیں انھوں نے ایک رسالہ'' تاریخ سرکشی بجنور'' کے نام سے لکھ کر چھپوایا۔ 7 حالی نے اس کے بارے میں لکھا ہے :

'' اس تاریخ میں مئی 1857 سے اپریل 1858 تک کے حالات اور واقعات غدر جو ضلع بجنور میں گذرے بہ قید تاریخ نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔'' 8

یہ کتاب پہلی بار مفصلائٹ پریس آگرہ میں 145 صفحوں میں 1858 میں چھپی تھی۔

4- رسالہ اسباب بغاوت ہندستان

حالی نے اس کتاب کے بارے میں جو لکھا ہے مختصراً اس طرح ہے :

'' یہ رسالہ سر سید نے غالباً مراد آباد پہنچتے ہی لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے ختم ہوتے ہی..... اس کو مطبع مفصلیٹ گزٹ آگرہ میں چھپنے کو بھیج دیا اور 1859 میں اس کی پانچ سو جلدیں چھپ کر آ گئیں......'' 9

عام ہندستانی قارئین کے لیے یہ کتاب مطبع مفید عام آگرہ میں 66 صفحوں پر 1903 میں چھپی تھی۔

5- سلسلۃ الملوک

'' یہ مختصر لیکن مفید اور صحیح فہرست راجا یدھشٹر سے ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند تک دو سو دو فرماں رواؤں کی ہے، جس میں ہر ایک کے باپ کا نام، سنہ جلوس، دار السلطنت اور عہد کا حال نہایت تحقیق سے لکھا ہے۔ اصل میں یہ وہی فہرست ہے جو آثار الصنادید کے دوسرے ایڈیشن میں پہلے باب کے ساتھ اضافہ کی گئی ہے۔ کسی قدر اضافہ کے ساتھ اسی کو 1852 میں اشرف المطابع دہلی سے 69 صفحوں پر چھپوا دیا تھا۔'' 10

2- مولانا شبلی نعمانی

6- اسلامی مدارس اور دارالعلوم

سرسید کے نامور رفقا میں مولانا محمد شبلی نعمانی نے بھی تاریخ کے موضوع سے متعلق چھوٹی بڑی کئی کتابیں اور رسالے لکھے تھے۔ انہی میں سے ایک یہ رسالہ ہے جو باون صفحوں پر الناظر پریس لکھنؤ سے چھپا تھا۔ سال طباعت اس کا معلوم نہیں ہے۔

7- اسلام کی عالمگیر خدمات

یہ بھی شبلی کی تصنیف ہے۔ سہیل پبلشنگ ہاؤس دہلی میں ڈیڑھ سو صفحوں پر چھپی تھی۔ سال طباعت اس کا درج نہیں ہے۔

8- اسلامی حکومت اور ہندوستان میں اس کا تمدنی اثر

صرف پچیس صفحوں کا ایک کارآمد رسالہ ہے جو الناظر پریس لکھنو میں 1919 میں طبع ہوا تھا۔

9- مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم

یہ ایک مضمون ہے جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس لکھنو میں دسمبر 1887 میں پڑھا گیا تھا اور قومی پریس لکھنو میں 1888 میں تراسی صفحوں پر چھپ کر شائع ہوا تھا۔

10- محمد حسین آزاد۔ دربار اکبری

یہ شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد کی نہایت وقیع تصنیف ہے۔ ان کی زندگی کے آخری زمانے میں ان کے ایک شاگرد مولوی میر ممتاز علی نے اپنے مطبع رفاہ عام لاہور سے اس کتاب کو اپنے مقدمہ کے ساتھ پہلی مرتبہ چھپوا کر شائع کر دیا تھا۔ اس کے بعد مصنف کے صاحبزادے محمد ابراہیم نے 1910 میں مولانا محمد حسین آزاد کی "اصلی تصنیف" کو ان کے "دستخطی مسودات کے مطابق" درست کر کے شائع کر دیا۔ ایک بڑی کمی اس میں یہ ہوگئی کہ مولانا نے جو تصاویر بڑی محنت سے حاصل کی تھیں وہ اس میں شامل نہیں ہوسکیں۔ بعد کے تقریباً سبھی ایڈیشن اسی دوسری اشاعت کی نقل ہیں۔

دربار اکبری میں شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے حالات اور فتوحات وغیرہ کا بہت تفصیل سے اور مفید مطلب حوالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ فائدہ اس کا یہ ہوا کہ اس کتاب میں مصنف کا نقطۂ نظر بہت نمایاں ہے۔

ز - تراجم

علمی اور تحقیقی معاملات میں ترجموں کی اہمیت اور افادیت ظاہر و معلوم ہے اس کام کے لیے جس لیاقت اور ماحول کی ضرورت تھی وہ علی گڑھ سے بہتر کہیں میسر نہیں آ سکتا تھا چنانچہ یہ کام نہایت سلیقہ سے اسی علمی مرکز پر کیا گیا تھا۔ یہاں صرف ایک دو کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1- محمد حسین آزاد

مولانا محمد حسین آزاد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اپنے معاصروں میں سب سے کم انگریزی جانتے تھے، اس کے باوجود انھوں نے نیرنگ خیال لکھ کر اردو انشا پردازی کے میدان میں نہایت وقیع اضافہ کر دیا۔ اس کتاب کے دیباچے میں انھوں نے لکھا ہے :

> ''میں زبان انگریزی میں بالکل بے زبان ہوں..... اردو کے میدان میں بھی سوار نہیں، پیادہ ہوں..... جو لطف طبیعت کو بعض مضامین انگریزی سے حاصل ہوا، نہ چاہا کہ اپنے پیارے اہل وطن کو اس میں شامل نہ کروں..... بالفرض مجھ سے بیان کا حق نہ ادا ہوگا، ایک رستہ تو نکل آئے گا..... یہ چند مضمون جو لکھے ہیں، نہیں کہہ سکتا کہ ترجمہ کیے ہیں۔''1

اس کتاب '' نیرنگ خیال'' کے بارے میں لکھا ہے کہ دونوں حصوں میں ڈاکٹر جانسن، ایڈیسن، پارنل وغیرہ کے مضامین کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

2- الطاف حسین حالی

مولوی الطاف حسین حالی کی ایک مختصر کتاب "مبادی علم جیالوجی" ہے۔2 اصل کتاب فرانسیسی زبان میں تھی۔ حالی نے اس کے عربی ترجمہ کو زبان اردو میں منتقل کر دیا تھا۔ اس کتاب میں طبقات ارض کی ساخت اور علم جیالوجی کی مبادیات کا بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اینگلو عربک اسکول دہلی کے لیے 1883 میں لاہور سے چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

3- مشتاق حسین خان

نواب وقار الملک وقار الدولہ مولوی مشتاق حسین خان بہادر انتصار جنگ ابن شیخ فضل حسین کنبوہ 1257ھ/1839 میں پیدا ہوئے 1335ھ/ 1917 میں فوت ہوئے۔ سرسید کے دست راست تھے اور ایم اے او کالج علی گڑھ کے آنریری سکریٹری رہے تھے۔ ان کے صرف بعض کاموں کا بیان ذکر کیا جاتا ہے۔

> "الف- سرسید نے 1871 میں کمیٹی خواستگار تعلیم مسلمانان کی طرف سے3 ایک اشتہار شائع کیا تھا کہ یہ معلوم کیا جائے کہ مسلمان سرکاری مدارس میں کیوں داخل نہیں ہوتے..... نواب صاحب نے نودن کے اندر ایک مبسوط رسالہ لکھا جس میں ہر جز پر نہایت مدلل بحثیں کیں.... کمیٹی نے اس رسالہ پر درجہ دوم کا انعام تجویز کیا۔
>
> ب- اسی زمانہ میں سائنٹفک سوسائٹی کے مقاصد کی تائید کے لحاظ سے منشی گلزاری لال اور بابوگنگا پرشاد کی اعانت سے "فرنچ ریولیشن اینڈ نپولین" کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا جس کا نام "سرگذشت نپولین بوناپارٹ" رکھا۔ ترجمہ کی تکمیل کے بعد سر رشتہ تعلیم سے ان تینوں کو انعام ملا۔"4

یہ کتاب 1871 میں منشی نول کشور نے اپنے مطبع لکھنؤ سے شائع کی تھی۔ یہ کتاب خوب مقبول ہوئی۔5 چنانچہ 1907 میں بھی اس کا ایک ایڈیشن نکلا تھا۔

ج- وقار الملک کا ایک اور قابل ذکر کارنامہ "ترجمہ تاریخ اسپین اردو" ہے جو دو جلدوں میں مکمل ہوا تھا۔6 اس کتاب کے ایک سے زائد قلمی نسخے علی گڑھ کی مولانا آزاد لائبریری میں محفوظ

ہیں۔ اس کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اصل کتاب کس مصنف کی تھی اور کس زبان میں تھی اور وقارالملک نے اس کے ترجمہ میں کس شخص سے مدد لی تھی۔

اس ترجمہ کی پہلی جلد 341 ورق پر مکمل ہوئی تھی۔ اس کے ایک خطی نسخہ کا سالِ کتابت 1287ھ/ 71-1870 ہے۔ ابتدا اس کی اس عبارت سے ہوئی ہے :

''ہم اس مقام پر اندلس میں اہل عرب کی سلطنت اور ان کی فتوحات کا حال ان کی ابتدائے آمد اور فصل سے لکھنا چاہتے ہیں۔''

یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وقارالملک کا کیا ہوا یہ ترجمہ طبع ہو سکا تھا یا نہیں۔

4- محمد معین الدین

محمد معین الدین کے حالات تو فی الوقت معلوم نہیں ہو سکے، البتہ اتنا پتا چلتا ہے کہ اس شخص نے ایس سی ایبٹ جوزف کی کتاب ''سوانح نپولین'' کا اردو زبان میں پانچ جلدوں میں ترجمہ کیا تھا۔7 یہ ترجمہ مطبع احمدی علی گڑھ میں 1908 میں طبع ہو کر شائع ہوا تھا۔ پانچوں جلدوں کی ضخامت اس طرح بتائی گئی ہے :

پہلی جلد 276 صفحے ، دوسری جلد 450 صفحے ، تیسری جلد 668 صفحے
چوتھی جلد 424 صفحے ، پانچویں جلد 456 صفحے

ح - تدوین

یہ تو صحیح ہے کہ مولانا محمد حسین آزاد کی کتابوں ''آب حیات'' اور ''دیوان ذوق'' کے خلاف چہ می گوئیاں اور نکتہ چینیاں ہوئیں لیکن تعجب ہے کہ علی گڑھ جیسے مرکز علم وادب میں بھی ''تدوین'' کے کام سے دلچسپی کا ماحول پیدا نہیں ہو سکا۔ سرسید احمد خاں نے ضرور متون کی تصحیح کے کام کیے لیکن وہ سب فارسی میں تھے۔

1- تاریخ فیروز شاہی

یہ نہایت معتبر اور مستند تاریخ ہے جس کا مصنف ضیاء الدین برنی (بلند شہر کا رہنے والا) بڑا فاضل اور راست بیانی میں ضرب المثل ہے۔ [1] ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے سرسید سے اس کتاب کا ایک صحیح نسخہ چھاپنے کے لیے طلب کیا۔ سرسید نے اس کے متن کی تصحیح کے لیے چار قلمی نسخوں سے رجوع کیا۔ کتاب کے شروع میں انھوں نے ایک دیباچہ لکھا جس میں مختلف تاریخوں کے تعارف کے علاوہ برنی کے حالات بھی قلمبند کیے تھے۔ ایشیاٹک سوسائٹی نے اس کو 1862 میں چھاپ کر شائع کیا تھا لیکن کسی وجہ سے سرسید کے دیباچے کو اس میں شامل نہیں کیا۔ سرسید نے اسے اخبار سائنٹفک سوسائٹی میں شائع کر دیا تھا۔

2- تو زک جہانگیری

مغل شہنشاہ نورالدین محمد جہانگیر کی یہ خودنوشت بہت مشہور ہے۔ سرسید نے اس کتاب کو بھی بہت محنت سے مرتب کر کے علی گڑھ پرائیویٹ پریس سے 1864 میں چھپوا کر شائع کر دیا تھا۔ 2

3- آئین اکبری

یہ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے عہد کی تاریخ ہے۔ سرسید نے بجنور پہنچنے کے بعد اس کی تصحیح کا کام شروع کیا تھا۔ حالی نے لکھا ہے کہ :

> ''سرسید نے اول جہاں تک مل سکے اس کے متعدد نسخے بہم پہنچائے۔ ان میں ایک آدھ نسخہ صحیح بھی مل گیا۔ اس طرح غلط اور صحیح نسخوں کے باہم مقابلہ کرنے سے ایک نسخہ سب سے زیادہ صحیح تیار ہو گیا...... مصنف نے کچھ خانے خالی چھوڑ دیے تھے.... ان کو اور کتابوں سے تحقیق کر کے معمور کیا۔ کہیں کہیں.....خود مصنف کے قلم نے غلطی کی تھی۔ ان کو بہت کوشش سے تحقیق کر کے صحیح کیا....ایک کتاب سے تمام محاصل جو اکبر کے زمانہ کا تھا نقل کر کے دوسری جلد بھی مکمل کی گئی.... یہ جلد چھپنے نہ پائی تھی کہ غدر ہو گیا.....تمام مسودہ اور دیباچہ سب تلف ہو گئے۔ اب اس آئین اکبری کی جو سرسید نے صحیح کی تھی صرف پہلی اور تیسری دو جلدیں مطبوعہ 1272ھ کہیں کہیں پائی جاتی ہیں۔'' 3

اس کتاب کے لیے مرزا غالب نے ایک چھوٹی سی فارسی مثنوی کی صورت میں تقریظ لکھی تھی جسے سرسید نے قصداً نہیں چھپوایا۔ حالی کا کہنا ہے کہ :

> ''اس میں مرزا نے یہ ظاہر کیا ہے کہ ابوالفضل کی کتاب اس قابل نہ تھی کہ اس کی تصحیح میں اس قدر کوشش کی جاتی.....تعریف کے قابل تو انگریزوں کے آئین و ایجاد واختراع ہیں۔''

سرسید کے یہ تینوں کام بالیقین نہایت لائق تحسین ہیں لیکن اول تو یہ فارسی میں تھے۔ دوم ان کے لیے زمانہ سازگار نہیں تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے مہتم بالشان کارناموں سے بھی اردو کے علمی ذخیرہ کو کما حقہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکا۔

ط - سفرنامہ

1- سرسید احمد خاں

الف- سرسید احمد خاں کئی وجوہ سے اپنے لیے انگلستان کے سفر کو ضروری سمجھتے تھے۔1 اس سفر کے لیے انھوں نے جو انتظام کیے تھے، حالی نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے :

"انھوں نے اپنے کتب خانہ کو بیچا۔ گھر اور کوٹھی کو رہن رکھا.... یکم اپریل 1869 کو وہ بنارس سے ولایت کے لیے روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ دونوں بیٹے سید حامد مرحوم اور سید محمود، تیسرے مرزا خداداد بیگ اور چوتھا ان کا قدیم خدمتگار چھجو..... سرسید ایک سال اور پانچ مہینے لندن میں قیام کرنے کے بعد 4/ ستمبر 1870 کو مع سید حامد مرحوم کے لندن سے ہندستان کو روانہ ہوئے۔"2

سرسید نے اپنے اس سفر کے حالات بڑی خوبی سے قلمبند کیے تھے۔ اس کی کیفیت اس طرح ہے :

"بنارس سے لندن تک پہنچنے کے حالات انھوں نے بطور ایک سفرنامہ کے نہایت عمدگی سے بیان کیے ہیں جو سوسائٹی اخبار اور تہذیب الاخلاق میں چھپ

گئے ہیں۔اس سفر نامہ میں ہر ایک دلچسپ حال جو اثنائے راہ میں پیش آیا قلمبند
کیا ہے۔سفر کی ضروریات جو ہر مسافر کو پیش آتی ہیں مفصل بیان کی ہیں.....
یورپ کے عجائبات ایسے طور پر بیان کیے ہیں جس سے پڑھنے والوں کو یورپ
کے سفر کی ترغیب ہو۔"3

خوشی کی بات ہے کہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے اس سفر نامہ کو "مسافرانِ لندن" کے عنوان سے 1961 میں 295 صفحوں پر مجلس ترقی ادب لاہور کی طرف سے چھپوادیا ہے۔

ب۔سرسید نے ایم اے او کالج کے لیے ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کی تھیں۔حالی نے اس سلسلے میں تحریر کیا ہے :

"مدرسہ کے لیے قلیل سے قلیل چندہ کو بھی وہ ایسی ہی کشادہ پیشانی سے قبول کرتے تھے جیسے بڑی بڑی رقموں کو لیتے تھے.....مدرسہ کے لیے انھوں نے بڑے بڑے لمبے سفر کیے..... 1874 میں پہلی بار انھوں نے لاہور میں لکچر دیا....."3

ڈاکٹر انور سدید نے سرسید کے اس موقع کے سفر نامہ کے بارے میں لکھا ہے :

"سرسید احمد خاں کا ایک اور سفر نامہ جنوری فروری 1874 کے سفر پنجاب کی یادگار ہے اور "سفر نامۂ پنجاب" کے نام سے چھپ چکا ہے...ان کے رفیقِ سفر مولوی سید اقبال علی تھے جنھوں نے سرسید کے جلسے جلوسوں کا آنکھوں دیکھا احوال رپورتاژ کی صورت میں قلمبند کردیا ہے...معلوم ہوتا ہے کہ قومی تقریبات کے ہجوم میں مولف کو مختلف شہروں کی طرف دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملی...... لیکن یہ سفر نامے کے فنی تقاضے اس تالیف سے پورے نہیں ہوتے....."4

2- مولانا شبلی نعمانی

الف۔مولانا شبلی نعمانی فنافی العلم شخص تھے۔انھوں نے قسطنطنیہ وغیرہ کا جو سفر کیا تھا اس سے مختلف ممالک کی سیر وسیاحت مقصود نہیں تھی۔وہ علمی خزانوں کی تلاش میں نکلے تھے اور یہی کام انھوں نے پورے انہماک سے کیا تھا۔اسی لیے اپنے اس سفر کو انھوں نے "طالب علمانہ" کہا ہے۔

اپنے سفرنامہ میں بھی انھوں نے علمی مطالب سے ہی کام رکھا۔ ۔۔ چہ مولانا سید سلیمان ندوی نے خود بھی لکھا ہے کہ شبلی کا سفرنامہ ''چٹ پٹا نہیں۔ ۔ روکھا پھیکا ہے'' محمد مہدی نے اس سفر اور سفرنامہ کے بارے میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ اس طرح ہے :

''مولانا ناموران اسلام، (ہیروز آف اسلام) کے سلسلے میں ''الفاروق'' لکھنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے ہندوستان میں جو تاریخی سرمایہ تھا وہ ناکافی معلوم ہوا۔ اسی لیے مولانا 26-اپریل 1892 کو پروفیسر ارنلڈ کے ساتھ جو انگلستان جارہے تھے علی گڑھ سے روانہ ہوئے..... سویز پہنچ کر ایک خوانچہ والے کو اردو بولتے دیکھ کر خوش ہوگئے اور اردو کی عالمگیری پر تعجب کرنے لگے..... چھ مہینے کے بعد مولانا مفید تجربات، کثیر علمی و تاریخی معلومات ساتھ لے کر ہندستان واپس تشریف لائے..... سفرنامہ مرتب کیا جو اُسی زمانہ میں چھپ کر شائع ہوگیا۔'' 5

شبلی کا ''سفرنامہ روم و مصر و شام'' پہلی بار قومی پریس دہلی میں 216 صفحوں پر 1892 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ دو برس بعد 1894 میں 235 صفحوں پر مفید عام پریس آگرہ میں چھپا تھا۔

ب۔ کتب خانہ اسکندریہ

اسی سلسلے کا شبلی کا ایک کتابچہ ''کتب خانہ اسکندریہ'' ہے۔ اس میں متعلق کتب خانہ کا تعارف اور اس کی مجمل تاریخ بھی لکھی ہے۔ مسلمانوں پر الزام تھا کہ اس کتب خانہ کو انھوں نے جلا دیا تھا۔ شبلی نے اس الزام کی مدلل تردید کی ہے۔

شبلی کا یہ کتابچہ 1894 میں 76 صفحوں پر مفید عام پریس آگرہ میں چھپا تھا۔

س - تنقید

شعری تخلیقات کی خوبیوں، خامیوں کی نشاندہی کا چلن قدما کے وقت سے چلا آتا ہے۔ بہادر شاہ ثانی کے عہد میں شاید پہلی مرتبہ تاسف نے اپنے دیوان کے مقدمہ میں شعر کے حسن و قبح سے بحث کی تھی۔ اُس زمانے میں بندش الفاظ، تکلف زبان و بیان اور خوبی فکر وغیرہ سے عموماً بحث کی جاتی تھی۔ سلطنت کی بساط الٹ گئی تو شاعری کے پیمانے بھی بدلنے لگے۔ لاہور میں مناظر فطرت وغیرہ کی عکاسی کی جاتی تھی۔ علی گڑھ میں قومی مسائل اور معاملات سے متعلق نظمیں لکھی گئیں۔ وقت کے ساتھ پسند اور ناپسند کے معیار اور ضابطے بھی بدلنے لگے تھے۔

1- الطاف حسین حالی

مولانا الطاف حسین حالی نے شیفتہ وغیرہ کی صحبت میں عاشقانہ شاعری کی تھی۔ وہ انجمن پنجاب کے مشاعروں کے بھی روح رواں رہے تھے۔ پھر انھوں نے مناجات بیوہ اور مسدس مدّ و جزر اسلام جیسی نظمیں لکھ کر قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کی تھی۔ غرض انھوں نے ہر قسم کے شعر کہنے کے بعد جب اپنے دیوان کو شائع کرنا چاہا تو اس کے لیے ایک مبسوط، مفصل اور مدلل مقدمہ بھی لکھا تھا۔ ضخیم ہونے کی وجہ سے حالی نے اس کو ایک الگ کتاب کی صورت دے دی تھی چنانچہ یہ بار بار اسی طرح چھپتا رہتا ہے۔

حالی نے اس "مقدمۂ شعر و شاعری" کے لیے چند صفحوں کا ایک دیباچہ بھی لکھا تھا جس میں لکھا ہے کہ :

"شاعرانہ مذاق یونانفیونا ملک سے مفقود ہوتا جاتا ہے اور ایسی علامتیں موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ ہماری شاعری کا چراغ بہت جلد ہمیشہ کے لیے گل ہونے والا ہے۔ نہ پرانی شاعری باقی رہتی نظر آتی ہے اور نہ نئی شاعری آگے چلتی معلوم ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں دیوان شائع کرنا اور شاعری کے متعلق کچھ اصول بیان نہ کرنے ایسی بات تھی جیسے چین میں عبرانی بائبل شائع کرنی، اسی لیے مقدمہ میں مطلق شاعری پر کسی قدر تفصیلی بحث پہلے ہو چکی ہے اور چند باتیں جو خاص اس مجموعہ سے علاقہ رکھتی تھیں وہ اب دیباچہ میں بیان کی گئیں۔"

لالا سری رام نے مقدمۂ شعر و شاعری کے بارے میں لکھا ہے :

"اپنے مقدمۂ دیوان میں جو شعر و شاعری پر بحث لکھی ہے اور اساتذۂ عرب و یورپ کا موقع موقع سے مقابلۂ حال و خیالات اور شعر کے اثر کی کیفیت لکھی ہے وہ دیکھنے سے ہی تعلق رکھتی ہے کمی ہے تو صرف یہ کہ ام الالسنہ سنسکرت کے مشاہیر شعرا اور ان کے یادگار کارناموں کا ذکر نہیں کیا۔"[2]

لالا صاحب کا یہ اعتراض غیر ضروری ہے۔ سنسکرت کے مشاہیر اور ان کے کارناموں سے متعلق اردو میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ جسے شوق اور ضرورت ہو تلاش کر کے ان کا مطالعہ کرے۔

حالی کے مقدمۂ شعر و شاعری کے بارے میں پروفیسر آل احمد سرور نے اچھا مضمون لکھا ہے۔ اس میں ہے :

"حالی کی تنقید اُس باشعور فنکار کی تنقید ہے جس نے اردو شاعری کو ایک نیا موڑ دیا ہے..... آزاد اردو تنقید کے پیشرو ہیں مگر اردو کے پہلے نقاد حالی ہی ہیں۔ یہاں شاعری کا ایک نظریہ بھی ملتا ہے اور اس نظریے کی روشنی میں اصناف سخن پر تنقید بھی ہے۔ حالی کی تاریخی اہمیت بھی ہے اور ادبی اہمیت بھی۔

اردو تنقید آج ان سے آگے کی منزلوں کا سفر طے کر چکی ہے مگر ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔''3

2- مولانا شبلی نعمانی

میر ببر علی انیس اور مرزا سلامت علی دبیر کے سلسلۂ حالات میں مولانا محمد حسین آزاد نے تحریر کیا ہے :

''دونوں کے کمال نے سخن شناسوں کے ہجوم کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ آدھے انیسئے ہو گئے۔ آدھے دبیرئے۔ ان کے کلام میں محاکمہ کرنے کا لطف جب ہے کہ ہر استاد کے چار چار، پانچ پانچ سو مرثیے بجائے خود پڑھو اور پھر مجلسوں میں سن کر دیکھو کہ ہر ایک کا کلام اہل مجلس پر کس قدر کامیاب یا ناکام رہا۔''4

مولانا شبلی نعمانی کا دعویٰ ہے کہ'' میر انیس کے کمال کا جس قدر مجھ کو اعتراف ہے شاید ہی کسی اور کو ہوگا۔ '' اور اسی دعوے کے ساتھ انھوں نے کتاب'' موازنۂ انیس و دبیر'' تصنیف کی ہے۔ اس میں نہ تو شاعری کے آئین واصول مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے، نہ مختلف شعری اصناف کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ کوئی ڈھائی سو صفحوں کی اس کتاب کے تقریباً دو سو صفحوں میں انیس کے کلام کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس میں شبلی کا جو نقطۂ نظر سامنے آتا ہے یہ ہے کہ'' شاعری درحقیقت مصوّری ہے۔'' اپنی تنقید کی بنیاد شبلی نے دو اصطلاحوں'' فصاحت'' اور'' بلاغت'' پر رکھی ہے۔ کہا جانا چاہیے کہ شبلی کی یہ کتاب مشرقی تنقید کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ اس میں تحسین اور تنقیص کا عنصر غالب ہے۔

موازنۂ انیس و دبیر پہلی مرتبہ مطبع مفید عام آگرہ میں 1904 میں 285 صفحوں پر چھپا تھا تین برس بعد یعنی 1907 میں اسی پریس سے یہ کتاب دوسری مرتبہ اتنے ہی صفحوں پر چھپی۔

3- افضل علی

لالا سری رام کے تذکرے میں صنو کے جو حالات درج ہیں، ان کا خلاصہ اس طرح ہے :

''صنو، افضل علی ولد مولوی یاد علی، قدیم شرفائے بدایوں سے تھے۔ فن سخن میں مولوی راشد علی ضیا شاگردِ منیر سے تلمذ تھا۔ انگریزی فارسی میں اعلیٰ

درجے کی لیاقت تھی۔ علم مجلسی میں طاق تھے۔.....وطن کو خیر باد کہہ کر لکھنؤ
میں رنگ جمایا.....کبھی انگریزی فیصلہ جات کا ترجمہ کرتے رہے میرزا
محمد جعفر خلف میرزا دبیر ان سے نہایت محبت رکھتے تھے اسی لیے آپ نے
مولانا شبلی کی کتاب ''موازنۂ انیس و دبیر'' کے جواب میں ردالموازنہ لکھی
ہے جس میں اکثر جملے نہایت سخت اور تہذیب سے باہر ہیں۔ چند سال
ہوئے کہ انتقال ہو گیا۔''

اس مقام پر یہ ذکر مناسب ہے کہ شبلی نے اپنے موازنہ میں دبیر کا ذکر اس طرح شروع کیا تھا کہ:

''اردو علم وادب کی تاریخ......کا سب سے عجیب تر واقعہ یہ ہوگا کہ مرزا دبیر کو ملک نے میر انیس کا مدمقابل بنا دیا اور اس کا فیصلہ نہ ہو سکا کہ....ترجیح کا تاج کس کے سر پر رکھا جائے۔''

صفو نے اپنی کتاب کی تمہید میں غالباً اسی لیے پہلے دنیا کی بوالعجبیوں کا ذکر کیا ہے۔ پھر شبلی اور ان کے موازنہ کا حال اس طرح لکھا ہے :

''پہلے شبلی صاحب کا نام ہی نہیں سمجھا، یہ پہلی بوجھنا مشکل ہوئی۔ آیا دیکھنے میں ہے یا کھانے میں، چرندوں میں ہے یا پرندوں میں سے....نام کتاب یعنی موازنہ انیس و دبیر کے معنی.....سمجھ میں نہ آتا تھا، نہ آیا اس لیے کہ موازنہ ان دونوں صاحبوں کا ممکن نہیں، مرحومین بہشت میں ہیں۔ ان کا یہاں لانا اور پھر بہکا کر اسٹیشن ریل پر لے جانا اور وہاں مال ترازو پر تلوانا محالات سے ہے اور بغیر اس کے موازنہ ہو نہیں سکتا۔ بایں ہمہ شبلی صاحب.... بڑے حضرت ہیں۔ ذات شریف بلکہ شیخ اشرف اگر ہندو ہوتے تو رودتار نہیں تو یہ ،اوتار سمجھے جاتے۔''

صفو کی کتاب ''ردّ الموازنہ'' مطبع تصویر عالم لکھنؤ میں پہلی مرتبہ چھ سو کی تعداد میں 1325-26ھ/ 08-1907 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ 70 صفحوں کی اس کتاب پر یہ ''اعلان'' درج ہے :

جناب مولّف نے حق تصفیف جناب (سردار) مرزا صاحب کو ہبہ کردیا ہے، پس کوئی صاحب تاجر وغیر تاجر بغیر ان کی اجازت کے کسی نوع سے اس کتاب کو طبع نہ فرمائیں.....سردار مرزا صاحب سے کتاب ملے گی (قیمت بلامحصول چھ آنہ ونذر احباب مفت)۔

4- حسن رضا

شیخ حسن رضا کا احوال تو معلوم نہیں۔ نام کے ساتھ تخلص بھی نہیں لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غالباً شاعر نہیں تھے۔ اپنی نثر پر بھی ان کو بھروسہ نہیں تھا چنانچہ ''تردید موازنہ'' کے نام سے جو لکھا شیخ محمد جان عروج کو لے جا کر دکھایا۔ اس کتاب کے سرورق پر جو لکھا ہے مختصراً اس طرح ہے :

> ''جناب مولوی شبلی صاحب نعمانی نے (انیس ودبیر کے کمال سخن وری کو) مٹا کے ترجیح کی مسند پر خود جلوہ فرمانا چاہا تھا لیکن خدا کی بڑھائی ہوئی عزت و شہرت کو انسان کی کیا مجال ہے کہ گھٹا سکے۔ اس کو مصنف جناب شیخ حسن رضا نے.....شیخ محمد جان عروج کی ہوائے تقریر باتوقیر سے.....مثل گردوغبار کے اڑادیا۔''

عروج کے بارے میں بھی اسی قدر معلوم ہو سکا کہ یہ حسن رضا کا ایک خوش خیال عالی فہم دوست، فیض آباد کا رہنے والا، کچھ عرصے سے مظفر پور (بہار) میں مقیم ہے۔ بقول حسن رضا یہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور انیس ودبیر دونوں کی ہم نشینی کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ افسوس ہے کہ ان کی ایک کتاب کا بھی نام معلوم نہیں ہے اور لالا سری رام کے تذکرے میں بھی ان کا نام اور کلام درج نہیں ہے۔

تردید موازنہ میں ''موازنہ'' سے متعلق حسن رضا اور عروج کے سوال وجواب درج کیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں شبلی کو مذہبی تعصب میں مبتلا بتایا گیا ہے اور خود بھی کہیں کہیں تعصب ظاہر کیا ہے۔ جا بجا شبلی کے خلاف جملے بھی چست کیے ہیں جس کی وجہ سے تحریر کا انداز سنجیدگی اور متانت کے دائرہ سے نکل گیا ہے۔

یہ کتاب بھی تصویر عالم پریس لکھنؤ میں 1909 میں چالیس صفحوں پر چھپی ہے۔

ردالموازنہ اور تردیدموازنہ میں کئی باتیں مشترک ہیں۔ دونوں کے مصنف نے ایک شخص کا تعاون حاصل کر کے اس کو ناشر بنایا ہے۔ دونوں ایک ہی پریس میں چھپی ہیں۔ دونوں کے سرورق پر یہ آیت لکھی ہے: جاءالحق.....الخ پہلی میں مولف کو شمس الشموس اوج سخنوری، قمرالا قمار بروج نکتہ پروری'' لکھا ہے اور دوسری میں یہی خطاب عروج کے نام کے ساتھ درج کردیے ہیں۔ دونوں کتابچوں میں شبلی کے خلاف جملے چست کیے ہیں، بلکہ ان کی ذات اور شخصیت پر پھبتیاں بھی کسی ہیں۔ دونوں کا کہنا ہے کہ :

''جونپور واعظم گڑھ اور جگہ ہے اور لکھنو اور مقام ہے''

لیکن اگر علمی معاملات میں لکھنؤ والوں کا طور طریق یہی ہے تو اس کے بارے میں کون لب کشائی کی جرات کرے گا، شبلی کی طرف سے ان کتابوں کا غالباً کوئی جواب شائع نہیں ہوا۔

5- سید نظیرالحسن رضوی

مولوی چودھری سید نظیرالحسن رضوی فوق مہابنی نے مولوی شبلی نعمانی کی تصنیف موازنہ انیس ودبیر پر بقول خود ''محققانہ اور منصفانہ ریویو'' لکھا ہے، اس کتاب کا نام انھوں نے ''المیز ان'' رکھا تھا۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ 1908 میں 610 صفحوں پر مطبع فیض عام علی گڑھ سے چھپی تھی۔ مولوی فوق جیسا کہ تخلص سے ظاہر ہے شاعر بھی تھے لیکن لالا سری رام کے تذکرے میں بھی ان کا نام اور کلام شامل نہیں ہے۔

کتاب ''المیز ان'' مقبول ہوئی چنانچہ اسی مطبع سے یہ 1914 میں بھی چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ شبلی کی طرف سے اس ضخیم کتاب کا بھی جواب غالباً کوئی شائع نہیں ہوا تھا۔

ص - ڈراما

مدرستہ العلوم کے قیام کے بعد علی گڑھ نے برّصغیر کے ایک منفرد اور ممتاز علمی اور تعلیمی مرکز کا درجہ حاصل کرلیا تھا۔ درس و تدریس کے اس سنجیدہ ماحول میں ڈراما نویسی اور اس کے متعلق و مماثل عملیات کا زیادہ رواج نہیں ہو سکا تھا۔ اس شہر میں ڈرامے کی صرف ایک کمپنی کو شہرت ملی تھی جس کا نام تھا :

''بے نظیر اسٹار آف انڈیا تھیٹریکل کمپنی، علی گڑھ'' 1

مرزا نظیر بیگ نظیر اکبر آبادی اس کمپنی کے مالک اور مہتمم تھے۔ اس کمپنی کا ایک مستقر علی گڑھ کے علاوہ آگرہ بھی تھا۔ واقعات بتاتے ہیں کہ اس کمپنی کے ڈراما نویس عموماً معقول علمی لیاقت کے مالک ہوتے تھے۔

1- جامِ الفت

یہ ولیم شیکسپیر کے مشہور ڈراما ''اے مِڈسمر نائٹس ڈریم'' کا اردو ترجمہ ہے۔ مترجم اس کے محمد اظہر علی آزاد کاکوروی تھے۔ 2 یہ ترجمہ انھوں نے اسی مذکورہ کمپنی کے لیے کیا تھا اور اس کو مدرستہ العلوم بک ڈپو علی گڑھ نے شائع کیا تھا۔ سال طباعت اس کا 1903 ہے اور ضخامت 128 صفحوں کی ہے۔

2- معاشقۂ نپولین

یہ آزاد کاکوروی کا دوسرا ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ کتب خانۂ علم وادب، دہلی نے شائع کیا تھا۔ سال طباعت اس کا معلوم نہیں ہے۔

اس مقام پر قابل توجہ بات یہ ہے کہ علی گڑھ میں نپولین کی زندگی سے متعلق مختلف النوع تصانیف کے ترجمے کیے گئے تھے۔ سوانحات کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ یہ معاشقۂ نپولین ایک ناول ہے۔

آزاد کے حالات فی الوقت معلوم نہیں ہو سکے، بجز اس کے کہ یہ کاکوری کے رہنے والے تھے اور 1919ء میں رسالہ مخزن لاہور کے ایڈیٹر رہے تھے۔

3- نوٹنکی شہزادی

مصنف اس ڈرامے کے پنڈت نتھا رام شرما ہاتھرس نواسی تھے اور یہ ڈراما موہن پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں چھپا تھا۔ سرورق پر مصنف کی شبیہ بنی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سپاہیانہ شان سے رہتا تھا۔ کتاب کے شروع میں مصنف کے سینتالیس ڈراموں کی فہرست چھپی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ڈاکٹر اسلم قریشی نے یہ فہرست نقل نہیں کی۔ امکان ہے کہ مصنف نے اس ڈرامہ ''نوٹنکی شہزادی'' کے بعد ایک دو ڈرامے اور بھی لکھے ہوں۔

اس مقام پر یہ ذکر غالباً بیجا نہ سمجھا جائے کہ علی گڑھ کے محلہ جے گنج میں کوئی پچاس برس پہلے راقم کو ایک کہن سال شخص جو'' پچوری صاحب'' کہلاتے تھے، ملے تھے۔ انھوں نے بتایا تھا کہ نوٹنکی اور سوانگ کے منظوم مکالموں کے ادا کرنے کی'' تعلیم'' انھوں نے عبدالرحیم نامی ایک بزرگ سے حاصل کی تھی جو گھاس والی منڈی میں رہتے تھے۔ پچوری صاحب کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈرامے اور اس کے متعلقات کی تعلیم میں انیسویں صدی عیسوی کے عشرۂ اول میں بھی باقاعدگی کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

ف - انجمنیں اور اخبار

1- سرسید کی انجمنیں

سرسید احمد خاں نے اپنی عمر میں بکثرت کتابیں اور کتابچے شائع کیے تھے اور کئی رسالے بھی جاری کیے تھے۔ ان سب میں افادیت اور مقصدیت کو قدرِ مشترک کی حیثیت حاصل تھی۔ اکبر شاہ ثانی کے آخر زمانے میں انھوں نے اپنے بڑے بھائی سید محمد خاں کے ''سید الاخبار''1 کو سنبھالا تو اس میں عمارات دہلی کے حالات شائع کیے۔ بعد میں یہی مضامین آثارالصنادید کا جز بنے۔

1857 کے ہنگاموں سے متعلق سرسید احمد خاں کا اہم ترین کارنامہ ''رسالہ اسباب بغاوتِ ہند'' ہے لیکن ان کی طبیعت اسی پر مطمئن نہیں ہوئی۔ انھوں نے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ایک کتاب ''لائل محمڈنز آف انڈیا'' کے نام سے ''ایک مبسوط کتاب''2 ہندوستان اور انگلستان دونوں ملکوں میں شائع کرنے کا منصوبہ بنایا اور ابتدا میں اسے رسالے کی صورت میں چھپوایا۔ اس رسالے کے صرف تین شمارے اردو میں 61-1860 میں شائع ہو سکے اور اس کا نام ''رسالہ خیر خواہ مسلمانانِ ہند'' رکھا گیا تھا۔

سرسید مئی 1863 میں مراد آباد سے تبدیل ہو کر غازی پور پہنچے، وہاں اسی سال میں انھوں نے اعلیٰ حکام انگریزی کی سرپرستی میں3 ''سائنٹفک سوسائٹی غازیپور'' قائم کی۔ خود اس کے

آنریری سکریٹری مقرر ہوئے۔ اس سوسائٹی نے کئی نہایت مفید کتابیں شائع کی تھیں۔ مثلاً

4 تاریخ ہندستان مصنف: سونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن

ترجمہ اردو: مترجمین سائنٹفک سوسائٹی، غازیپور ناشر: سائنٹفک سوسائٹی

سال طباعت 1861 - اس میں 1861 تک کے حالات درج کیے گئے ہیں۔

غازیپور سے 1864 میں سرسید کا تبادلہ علی گڑھ کے لیے ہوگیا۔ 5 سائنٹفک سوسائٹی بھی اپنے سارے سامان اور اسٹاف کے ساتھ علی گڑھ آگئی۔ سرسید نے سوسائٹی کی طرف سے 1866 میں ایک اخبار نکالنا شروع کیا، جواُن کے آخر وقت تک ''علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ'' کے نام سے نکلتا رہا۔ 6

سرسید نے محض قوم کی بھلائی کے خیال سے یکم شوال 1287ھ / 24 دسمبر 1870 سے اپنا سب سے زیادہ مشہور اخبار ''تہذیب الاخلاق'' نکالنا شروع کیا۔ کچھ ہی مدت کے بعد اس کی مخالفت کا سلسلہ شروع ہوگیا اور ''چند پرچے 7 جن میں کانپور کے نورالآفاق اور نورالانوار زیادہ مشہور تھے تہذیب الاخلاق کے توڑ پر جاری کیے گئے۔ ان خباروں سے قطع نظر سرسید نے حسب ضرورت مختلف وقتوں میں متعدد انجمنیں وغیرہ قائم کی تھیں۔ ذیل میں بہت انتصار سے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1859 میں مرادآباد میں ایک فارسی مدرسہ قائم کیا۔ 8 بعد میں جب اسٹریچی صاحب وہاں کلکٹر ہوکر پہنچے تو انھوں نے ایک تحصیل مدرسہ قائم کیا۔ سرسید کے فارسی مدرسہ کے طالب علم بھی اسی میں آگئے۔

1864 میں سرسید کی کوشش سے غازیپور میں بھی ایک مدرسہ قائم ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ اب تک جاری ہے۔ اس کا نام ''وکٹوریہ اسکول'' رکھا گیا تھا۔

10 مئی 1866 کو 10 سرسید کی تحریک سے ضلع علی گڑھ اور نواح کے رئیس اور چند انگریز افسروں کے جلسے میں ایک انجمن کی تشکیل ہوئی جس کا نام 'علی گڑھ برٹش انڈین ایسوسی ایشن'' رکھا گیا۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ '' ہندوستانیوں کو گورنمنٹ سے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے پارلیمنٹ سے تعلق پیدا کرنا چاہیے۔''

1867 میں 11 ہومیوپیتھک طریقہ علاج کو ہندستان میں رواج دینے کے لیے ایک کمیٹی بنی

جس کے سکریٹری سرسید احمد اور صدر مہاراجا بنارس تھے۔ اس کمیٹی کی تجویز سے 25- ستمبر 1867 کو بنارس میں ایک شفا خانہ ''ہومیو پیتھک ڈسپنسری اینڈ ہوسپٹل'' کے نام سے کھولا گیا۔

خاص مسلمانوں کی فلاح اور ترقی کے خیال سے سرسید نے بعض انجمنیں اور بھی بنائی تھیں اور وہ یہ ہیں :

الف- محمڈن سول سروس فنڈ ایسوسی ایشن-1883 میں بنی جو یوروپ جانے والے ہندو اور مسلمان طالبعلموں کو مالی مدد دیتی تھی۔ 12

ب- محمڈن ایسوسی ایشن علی گڑھ- یہ بھی 1883 میں بنی تھی لیکن جاری نہ رہ سکی۔ 13

ج- محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس یہ 1886 میں قائم ہوئی۔ 14

د- پیٹریاٹک ایسوسی ایشن 15 کانگریس سے الگ ہو جانے کے بعد اگست 1888 میں سرسید نے یہ ایسوسی ایشن بنائی۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ پارلیمنٹ کو اس بات کا یقین دلایا جائے کہ کانگریس میں ہندوستان کی بہت سی قومیں اور خاص کر مسلمان شریک نہیں ہیں۔

2- مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

31/ دسمبر 1902 کے اجلاس میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے (جو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے معروف ہوئی) اب چھ سیکشن بنا دیے گئے۔ 16 ہر سیکشن کا اعزازی سکریٹری اور اخراجات کی مد الگ مقرر ہوئی۔ لٹریری سیکشن کے سکریٹری مولانا شبلی بنائے گئے اور مولوی حامد علی صدیقی سہارنپوری اسسٹنٹ سکریٹری ہوئے۔ حامد علی صدیقی نے انجمن کے تمام کاموں میں پوری دلچسپی لی۔ زندہ مصنفین کے علاوہ انھوں نے اردو کتابوں کی ایک فہرست جو خاص کر سوانح عمریوں اور تاریخ سے متعلق تھی تیار کی۔ جنوری 1904 کے بعد سے حامد علی کی کارکردگی کا پتہ نہیں چلتا۔ اس کے بعد سے شبلی بھی عملاً خاموش رہے۔ دسمبر 1905 میں خبر ملی کہ انھوں نے انجمن سے قطع تعلق کر لیا ہے۔

شبلی کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی سکریٹری بنائے گئے۔ انھوں نے انجمن کے حالات بہتر بنانے کی مخلصانہ کوشش کی لیکن کوئی پانچ برس بعد انھوں نے بھی استعفیٰ دے دیا۔ پھر مولوی عزیز مرزا نے انجمن کے کام کو سنبھالا لیکن فروری 1912 میں انھوں نے وفات پائی۔ اس

کے بعد عارضی طور پر ان کے صاحبزادے سجاد مرزا بیگ انجمن کے سکریٹری رہے اور پھر 1913 میں مولوی عبدالحق نے انجمن کے آنریری سکریٹری کا عہدہ سنبھال لیا۔

3- مطبع فتح الاخبار

1857 سے پیشتر خورجہ کے ایک شخص محمد عثمان خاں نے علی گڑھ سے ایک اخبار نکالنے کا منصوبہ بنایا۔ اس مقصد سے اس نے پریس قائم کیا۔ اخبار کے نام کی مناسبت سے اس نے پریس کا نام ''مطبع فتح الاخبار'' مقرر کیا۔ اس میں فارسی اردو کی مختلف موضوعات سے متعلق کتابیں چھپتی تھیں۔

بعد میں جب حالات پرامن ہوئے تو یکے بعد دیگرے علی گڑھ میں کئی پریس قائم ہوئے۔ اس باب میں شاید سب سے پہلے منشی نول کشور نے توجہ کی اور 1862 میں پریس لگایا لیکن اُس وقت تک حالات پوری طرح سازگار نہیں ہوئے تھے۔

کہا جا چکا ہے کہ سرسید احمد خاں غازی پور سے اپنے سامان اور اسٹاف کے ساتھ علی گڑھ آئے تھے۔ وہ اپنا ذاتی پریس بھی ساتھ لائے۔ بعد میں سرسید نے اس کو اپنی سائنٹفک سوسائٹی کو دے دیا۔ اب اس کا نام مطبع انسٹی ٹیوٹ گزٹ ہوگیا۔ اس کے بعد علی گڑھ اور آس پاس کے علاقوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے کئی مطبعے لگ گئے مثلاً کھیر کے علاقہ میں بنواری لال دکیل نے مطبع کایستھ پرکاش قائم کیا تھا۔

4- مطبع فیض عام

اردو کی مطبوعات کے اعتبار سے سب سے زیادہ معروف ''مطبع فیض عام'' علی گڑھ تھا۔ گذشتہ اوراق میں اس مطبع کی چھپی ہوئی کئی کتابوں کا ذکر آچکا ہے۔

5- ایمؔ، اے او کالج میگزین

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (دارالعلوم مسلمانان ہند) کو جب استقلال حاصل ہوگیا تو تدریسی اور تربیتی نقطۂ نظر سے کالج کی طرف سے ایک میگزین (مجلّہ) کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ 1891 میں علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے ضمیمہ کے طور پر محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ کوئی تین برس کے بعد یہ ایک علاحدہ ماہنامہ کی صورت میں چھپنے لگا۔ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین علی گڑھ اس کا نام ہوا۔ پہلا شمارہ جولائی 1894 میں

نکلا۔ اس کے مشمولات کا اندازہ ذیل کی مثالوں سے کیا جا سکتا ہے۔

میکینکس اور مسلمان جلد2 شمارہ8 (اگست) 1895

حقوق الذمیین قسط1 جلد3 شمارہ4 (اپریل) 1896

6- علی گڑھ منتھلی

ایم اے او کالج میگزین سرسید کے انتقال کے چند برس بعد تک بدستور جاری رہی۔ کالج کی انتظامیہ بدل چکی تھی۔ مختلف امور اور معاملات میں بتدریج تبدیلی آ رہی تھی۔ آخر کالج میگزین کا نام بھی بدلا اور 1903 کے آغاز میں اس کا نام "علی گڑھ منتھلی" ہو گیا۔ اس میں بھی علمی ادبی مضامین چھپتے رہے۔ شروع کے شمارے میں خوشی محمد ناظر کا ایک مضمون چھپا تھا۔ 17 حسرت موہانی نے اس سے اختلاف کیا۔ مارچ 1903 کے شمارے میں حسرت نے یہ مضمون لکھا: "اردو شاعری اور اس پر بیجا الزام"

7- علی گڑھ میگزین

کالج نے ترقی کی اور اسے یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہو گیا۔ "علی گڑھ منتھلی" کا نام اب علی گڑھ میگزین ہو گیا۔ جنوری 1922 کے شمارہ کو "جلد 1 نمبر 1" کہا گیا۔ اس سال کا آخری شمارہ نومبر دسمبر کا مشترکہ شمارہ تھا۔ 18 اس کا شمار "جلد 1 نمبر 10، 11" کیا گیا ہے۔ شمار میں یہ فرق کیوں ہوا، اس بارے میں کچھ کہنا ہمارے لیے فی الوقت ممکن نہیں ہے۔

> "ایک جگہ ظاہر کیا گیا ہے کہ علی گڑھ میگزین کا پہلا شمارہ جنوری فروری 1920 کا مشترک تھا اور اس کے بعد یہ مسلسل شائع ہو رہی ہے۔ یہ بات خلاف قیاس نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ یونیورسٹی کی تشکیل کے بعد نئے انتظامیہ کے تحت جنوری 1922 سے علی گڑھ میگزین کا اجرا ہوا ہو اور اسی وقت سے اس کی جلد وغیرہ کا شمار کیا گیا ہو۔ ایک مدت تک یہ ماہوار رسالہ کی صورت میں نکلتی رہی ہوگی۔ پھر اسے سالانہ مجلّہ کی صورت دے دی گئی تھی۔" 19

8- اردوئے معلیٰ

حسرت موہانی علی گڑھ کے طالب علم تھے۔ 20 شعر و ادب کا ذوق شوق گویا ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔ بی اے کا امتحان دیتے ہی انھوں نے اپنا رسالہ "اردوئے معلیٰ" نکالنا شروع کر دیا تھا۔

پہلا شمارہ جولائی 1903 میں منظر عام پر آیا۔ اس رسالہ کا مقصد بقول حسرت ''صرف ایک ہے یعنی درستی مذاق'' اس کے تعارف میں حسرت نے جو لکھا تھا مختصراً یہ ہے :

''رسالہ اردوئے معلی علی گڑھ یعنی صحیح اور فصیح اردو کا مشہور اور قابل دید رسالہ، جس میں منجملہ دیگر مضامین دلچسپ ہر مہینے زیرعنوان تذکرۃ الشعرا مستند اساتذہ کے حالات اور کلام پر تنقید، درمیان میں انتخاب بیاض اور آخر میں موجودہ شعرا کی غزلیں ضرور شائع ہوتی ہیں۔''21

دعویٰ جو بھی ہو، واقعہ یہ ہے کہ رسالہ اول روز سے ہی سیاسی بھی رہا ہے چنانچہ پہلے شمارے میں ''پولیٹکل سائنس'' کے عنوان سے قاضی تلمذ حسین کا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ پھر جنوری 1904 کے شمارے میں حسرت نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ :

''آئندہ مسلمانوں کے کانگریس میں شامل ہونے کی ضرورت پر ہم اپنے خیالات ظاہر کریں گے''22

اپنے سیاسی خیال و عمل کی پاداش میں حسرت کو ایک سے زائد بار جیل جانا پڑا اور ان کا رسالہ بند ہو ہو کر تا دیر نکلتا رہا۔

9- خاتون

ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ (ولادت ضلع پونچھ، کشمیر 21/جون 1874، وفات علی گڑھ: 9/اپریل 1965) ایم اے او کالج کے اولڈ بوائے، شہر علی گڑھ کے معزز وکیل، تحریک نسواں اور پھر ویمنس کالج یونیورسٹی کے بانی، پاپا میاں کے نام سے معروف تھے۔ جولائی 1904 میں انھوں نے ایک رسالہ ''خاتون'' کے نام سے نکالا جو دس سال تک جاری رہا۔ اس میں انھوں نے ''مرد کے ساتھ عورت کی تعلیم کو ضروری بتایا'' یہ رسالہ 1906 میں مطبع فیض عام علی گڑھ میں چھپتا تھا۔ پاپا میاں نے اس کے اڈیٹوریل بڑے عزم اور حوصلہ سے لکھے تھے۔ ستمبر 1906 کے شمارے میں لکھتے ہیں:

''جاہل مردوں نے جو صدیوں سے ان بے زبان عصمت اور حیا کی پتلیوں پر ظلم برپا کر رکھے ہیں، اب ہم سے نہیں دیکھے جاتے۔''

ooo

حواشی

-1	تاریخ فیروز شاہی		ص 68
-2	ایضاً		ص 78

الف - شاعری

-1	گلستان بے خزاں		ص 66
-2	ایضاً		ص 36
-3	تذکرہ ماہ و سال		ص 135
-4	گلستانِ سخن	جلد 1	ص 258 تا 259
-5	خم خانۂ جاوید	جلد 4	ص 557
-6	علی گڑھ کے اردو مخطوطات		ص 341
-7	ایضاً		ص 269، 435
-8	تذکرۂ نادر		ص 142
-9	حیاتِ جاوید		ص 188
-10	حالی		ص 29

-11	شبلی نامہ		ص 49
-12	خم خانۂ جاوید	جلد 4	ص 473 تا 475
-13	شبلی نامہ		ص 54
-14	تذکرۃ الشاہیر-شبلی		ص 50 تا 55
-15	خم خانۂ جاوید	جلد 4	ص 378 تا 379
-16	انتخاب رنگی		ص 88
-17	خم خانۂ جاوید	جلد 5	ص 52
-18	تذکرۂ نادر		ص 67

ب - تاریخ گوئی

-1	خم خانۂ جاوید	جلد 4	ص 489 تا 491

د - عروض

-1	خم خانۂ جاوید	جلد 6	ص 237
-2	وفیات مشاہیر اردو		ص

ہ - سوانحات

-1	حیات جاوید		ص 1
-2	حالی		ص 28
-3	علی گڑھ کے اردو مخطوطات		ص 69
-4	حیات جاوید		ص 33
-5	خم خانۂ جاوید	جلد 2	ص 357
-6	یادگار غالب		ص 3
-7	غالب ببلیوگرافی		ص 19
-8	ایضاً		ص 20
-9	خم خانۂ جاوید	جلد 2	ص 358
-10	حیات جاوید		ص 23

-11	ایضاً		ص 19
-12	تذکرۃ المشاہیر۔شبلی نعمانی		ص 44
-13	قاموس الکتب	جلد2	ص 300
-14	ایضاً	جلد2	ص 175
-15	علی گڑھ کے اردو مخطوطات		ص 61
-16	قاموس الکتب	جلد2	ص 200
-17	ایضاً	جلد2	ص 270
-18	حیات خسرو	سرورق	ص 2
-19	تذکرۃ المشاہیر۔شبلی		ص 46
-20	تاریخ ادبیات مسلمانان	جلد4	ص 446
-21	تذکرۃ المشاہیر۔شبلی		ص 48

و - تواریخ و تذکرہ

-1	حیات جاوید	ص 64
-2	ایضاً	ص 65
-3	آثار الصنادید (رعنا)	ص 4
-4	حیات جاوید	ص 653
-5	فکر و نظر سرسید نمبر۔آثار الصنادید	ص 233 تا 237
-6	حیات جاوید	ص 68 تا 69
-7	ایضاً	ص 86
-8	ایضاً	ص 88 تا 89
-9	ایضاً	ص 93
-10	ایضاً	ص 67

ز - تراجم

-1	نیرنگ خیال	ص 15

2-	کتابیات تراجم	جلد 1	ص 103، 126
3-	تذکرۃ المشاہیر - وقار الملک		ص 25
4-	ایضاً		ص 26
5-	قاموس الکتب	جلد 2	ص 302
6-	علی گڑھ کے اردو مخطوطات		ص 72 تا 73
7-	قاموس الکتب	جلد 2	ص 32

ح - تدوین

1-	حیات جاوید		ص 110 تا 111
2-	فکر و نظر - سر سید نمبر		ص 259
3-	حیات جاوید		ص 70 تا 72

ط - سفرنامہ

1-	حیات جاوید		ص 146
2-	ایضاً		ص 148 تا 160
3-	ایضاً		ص 195 تا 196
4-	اردو ادب میں سفرنامہ		ص 135 تا 136
5-	تذکرۃ المشاہیر - شبلی		ص 13 تا 19
6-	قاموس الکتب	جلد 2	ص 34

س - تنقید

1-	مقدمہ شعر و شاعری		ص 240
2-	خم خانۂ جاوید	جلد 2	ص 357
3-	فکر و نظر - حالی نمبر		ص 9
4-	آب حیات		ص 517
5-	خم خانۂ جاوید	جلد 5	ص 379

ص - ڈراما

-1	تاریخ ادبیات مسلمانان	جلد 4	ص 415
-2	کتابیات تراجم	حصہ 2	ص 81 تا 82
-3	ایضاً	حصہ 2	ص 266
-4	برصغیر کا ڈراما		ص 217 تا 223

ف - انجمنیں اور اخبار

-1	حیات جاوید		ص 63
-2	ایضاً		ص 99، 331
-3	ایضاً		ص 122
-4	کتابیات تراجم	جلد 1	ص 57
-5	حیات جاوید		ص 124
-6	ایضاً		ص 129
-7	ایضاً		ص 162 تا 163
-8	ایضاً		ص 89
-9	ایضاً		ص 123
-10	ایضاً		ص 127
-11	ایضاً		ص 137
-12	ایضاً		ص 240
-13	ایضاً		ص 242
-14	ایضاً		ص 258
-15	ایضاً		ص 258
-16	انجمن ترقی اردو ہند		ص 38 تا 60
-17	حسرت موہانی - حیات اور کارنامے		ص 350، 351
-18	فکر و نظر - شبلی نمبر		ص 367

19- رشیدیات ص 21،22

20- حسرت موہانی ص 271

21- ایضاً ص 272 تا 273

22- ایضاً ص 288 و مابعد

23- ویمنس کالج میگزین بیادِ شیخ عبداللہ ص 17 تا 24

17- آگرہ

		آگرہ	509
		الف - شاعری	511
1-	افضل-	بخشی فیض علی خاں	511
2-	توفیق-	میر توفیق علی	512
3-	رہا-	غلام محمد خاں	513
4-	سعید-	میر سعادت علی	513
5-	سفلی-	عنایت خاں	514
6-	زر-	شیخ بلاقی	515
7-	شیدائی-	مولوی ابوالحسن	515
8-	مہر-	حاتم علی بیگ	516
9-	ماہ-	مرزا عنایت علی بیگ	517
10-	تمنا-	مرزا مغل خاں	518
11-	آرام-	رائے بہادر شیونراین	519
12-	تپش-	میر مدد علی	519
13-	عاشق-	ماسٹر شنکر دیال	520
14-	نشاط-	بابو ہرگوبند سہائے	521

		ب - تاریخ و عروض	523
1-	مہر-	حاتم علی بیگ	523
2-	نشاط-	ہرگوبند سہائے	524
3-	تپش-	میر مدد علی	524
4-	مرزا-	ابراہیم بیگ چغتائی	524
		ج - سوانحات	525
1-	نامعلوم-	نامعلوم	525
2-	سیماب-	عاشق حسین	525
3-	ولی-	سید ولی	526
4-	ریاض-	شیخ ریاض الدین امجد	526
		د - داستان	529
1-	سید اصغر علی		529
2-	سجاد حسین		533
3-	کم اہم داستانیں		533
4-	شیخ محمد کریم الدین		533
5-	محمد ابراہیم		535
		ہ - تذکرے	537
1-	محمد نیاز علی		537
2-	حاتم علی بیگ		538
		و - ڈراما	539
1-	مرزا نظیر بیگ		539
		ح - مطبعے	543
1-	مطبع دہلی گزٹ		543

-2	مطبع سکندرہ	544
-3	مطبع مفید خلایق	544
-4	مطبع مفید خلایق	544
-5	مطبع مفید عام	544
-6	مطبع اسلام	545
	حواشی	546

آگرہ

شاہی کے زمانے میں وقتاً فوقتاً آگرہ کو ملک ہندوستان کے پایۂ تخت کا درجہ حاصل رہا ہے۔ انگریزوں نے ملک پر تسلط حاصل کرنے کے بعد اپنی مقبوضات کی تنظیم کی تو اس مرکزی صوبہ کا نام ''ممالک متحدہ آگرہ واودھ'' مقرر کر کے عملاً انھوں نے بھی اس شہر کی اہمیت کو تسلیم کیا۔

شاہی کے آخری دنوں میں آگرہ پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا چنانچہ بنارس کے راجا صاحب انگریزوں کی پناہ (قید) میں اسی شہر میں رہتے تھے۔ خود بادشاہ یعنی محمد اکبر شاہ ثانی کے بھائی شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ بھی بادشاہِ اودھ سے کبیدہ خاطر ہو کر یہیں آ رہے تھے۔ ان کی وجہ سے اس شہر کی رونقیں دوبالا ہو گئی تھیں۔ ویسے بھی یہ میر، نظیر اور غالب کا شہر تھا اور یہاں عالموں، فاضلوں اور شاعروں کی کثرت تھی۔ یہاں کے باشندے اپنی تہذیب، ثقافت اور زبان و بیان پر فخر کرتے تھے اور اطراف ملک میں رونما ہونے والی ہر جدید تحریک کو خوبی کے ساتھ اخذ و قبول کر لیتے تھے۔

الف - شاعری

آگرے میں نظیر اکبرآبادی کے شاگردوں اور عقیدت مندوں کی کثرت تھی۔ ان کے اثر سے اس شہر کی شاعری فطری انداز پر ابھر رہی تھی۔ بیشتر موضوعات اور مضامین روزمرّہ زندگی سے تعلق رکھتے تھے۔ زبان بھی عموماً بول چال کے مطابق اور طرز بیان بھی ویسا ہی تھا۔ معنی آفرینی اور دقت پسندی سے اس شہر والوں کو زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ البتہ راجا صاحب کاشی اور شاہزادہ سلیمان شکوہ کے متوسلین اور مقربین میں بیشتر وہ تھے جن کا مزاج اور طور لکھنوی تھا۔ ان کے علاوہ اسی شہر میں خاصی تعداد مرزا اسداللہ خان غالب کے شاگردوں اور دہلی والوں کی بھی تھی۔ اس طرح آگرے کی علمی اور شعری مجلسیں مختلف رنگوں اور طرزوں کی جامع ہوتی تھیں۔

1- افضل- بخشی فیض علی خاں

آگرے میں دفتروں اور عدالتوں کے حکام بیشتر انگریز تھے۔ اور وہ اپنی سہولت کے لیے ہندستانیوں کو مختلف کاموں میں شریک کر لیتے تھے۔ افضل کے حالات میں مرزا قادر بخش صابر نے لکھا ہے :

> "افضل تخلص، بخشی فیض علی خاں، پدر عالی مقام اس کا حکیم وارث علی خاں رؤسائے شہر اکبرآباد سے تھا اور اخلاق اس ستودہ کردار کے حدِّ بیان سے خارج ہیں۔

اوائلِ حال میں کسی سرکار میں عہدہ بخشی گری پر مامور تھا مگر اب عدالتِ دیوانی حکام آگرہ میں عہدۂ وکالت رکھتا ہے۔''[1]

افضل کا تعلق جیسا کہ اقتباس بالا سے ظاہر ہے آگرے کے معزز گھرانے سے تھا اور وہ فارسی زبان پر بھی حاکمانہ قدرت رکھتا تھا۔ صابر نے اس کا جو ایک شعر نقل کیا ہے وہ فارسی میں ہے۔

2- توفیق- میر توفیق علی

یہ بھی آگرے کے باکمالوں میں سے تھا۔ صابر کے تذکرے میں اس کا احوال اس طرح درج ہے:

> ''توفیق تخلص میر توفیق علی، متوطن قدیم آگرہ، اور اب مدت سے خاک شاہجہاں آباد کو شرفِ قدوم سے مشرف رکھتا ہے۔ زبان بھاکا میں مہارت تام اور دوہرہ وکبت کی تصنیف میں قدرت تام حاصل ہے۔ پچاس ہزار دوہرہ اس کے لوحِ حافظہ پر مرقوم ہے۔ بندشِ الفاظ اور بلندی معنی اور جدتِ تشبیہ اور حسنِ استعارہ میں کبیشران قدیم سے قدم آگے بڑھایا ہے۔ گاہ گاہ فکر ریختہ بھی کرتا ہے۔''[2]

حقیقت یہ ہے کہ شروع زمانے سے زبانِ اردو کی دو شاخیں ہو گئی تھیں۔ ایک وہ جس میں مقامی الفاظ اور مصطلحات وغیرہ کا استعمال ہوتا تھا اور ہندستانی اصنافِ شعری میں طبع آزمائی کی جاتی تھی، چنانچہ حضرت گنج شکر اور تقریباً بھی قدیم صوفی شعرا نے اسی روش کو اختیار کیا تھا اور ان کو کبیشر کہتے تھے۔ دوسری جماعت ان لوگوں کی تھی جو فارسی کی شعری اصناف میں طبع آزمائی کرتے تھے اور ان کی زبان میں عربی فارسی کی لفظیات وغیرہ کا صرف ہوتا تھا۔ اردو کی داستانوں میں عموماً دونوں قسم کا کلام شامل ہوتا تھا۔ توفیق بھی اُن باکمالوں میں سے تھا جو دونوں قسم کے شعر کہنے کی قدرت اور لیاقت رکھتا تھا۔ اس کا اردو کا ایک شعر یہ ہے ؂

دشمنوں سے آہ بے مہری کا کیا کیجیے گلہ　　　دوست ہی نا آشنا ہے، بے وفا، بے دید ہے

انگریزوں کے زمانے میں بتدریج کبیشروں کے کلام کو زبانِ اردو کے دائرے سے خارج کر دیا گیا تھا اور اس طرح اردو اور ہندی کو الگ الگ زبان کی حیثیت سے ترقی دی گئی۔

3- رہا- غلام محمد خاں

یہ بھی اپنے وقت کے باکمالوں میں سے تھے۔ ان کا احوال قادر بخش صابر نے اس طرح تحریر کیا ہے :

"رہا تخلص غلام محمد خاں، قوم افغان، ساکن اکبرآباد، شاگرد خلیفہ سید گلزار علی اسیر، جد بزرگوار اس کا سرکار والی بھرتپور میں عہدہ ہائے جلیلہ سے ممتاز رہا اور اس کے پدر عالی مقام نے، از بس کہ ایام طفلی میں سلح شوری غالب تھا، اُسی سرکار میں عہدۂ سپہ گری پر مامور ہو کر کثرتِ اعتبار سے ابنائے روزگار میں امتیاز بہم پہنچائے۔ کہتے ہیں کہ اس کامل خرد نے مولوی محمد کامل سے کہ نجوم و ہیئت و ہند سے میں یگانہ روزگار اور وحید قرون اور ادوار تھے، تمام کتب درسیہ ابتدا سے انتہا تک پڑھی ہیں۔ ریختہ میں زبان شستگی اور فکر بلندی سے خالی نہیں ہے۔" 3

لالا سری رام نے ان کے بارے میں لکھ دیا ہے کہ :

" غدر کے قریب قریب زمانہ میں انتقال کیا " 4

افسوس ہے کہ ان کی ولدیت وغیرہ کا پتہ نہیں چل سکا۔ ان کے دو شعر یہ ہیں ؎

کچھ وصف کیا میں نے جو بے ساختہ پن کا — اللہ رے بناوٹ کہ بگڑنے لگے سُن کر
پر کیا کریں جو دل ہی نہ ہو اختیار میں — کہنا ترا ہمارے سر آنکھوں پہ ناصحا

4- سعید- میر سعادت علی

آگرے کے پرانے شاعروں میں سے تھے۔ صابر کے تذکرے میں ان کا مذکور اس طرح آیا ہے :

" سعید تخلص، میر سعادت علی، ساکن بلوچ پورہ کہ ایک محلہ ہے محلات اکبرآباد سے۔ اول مدرسے میں عہدۂ مدرّسی رکھتا تھا۔ اب مولوی سید محمد امیر علی شاہ جاگیردار و رئیس اکبرآباد کی سرکار میں تحصیل دیہات و سرانجام امور ضروری رئیس موصوف پر مامور ہے اور عہدۂ قضا بھی اس کی ذات سے متعلق ہے۔" 5

لالا سری رام نے ان کے بارے میں بعض مفید معلومات قلمبند کی ہیں :

"سعید، سید سعادت علی خلف سید مہر علی، میرزا حاتم علی مہر سے تلمذ تھا۔ آگرہ میں شاعری کی نشوونما ہوئی۔ مولف تذکرہ شعروسخن کے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے۔ 1286ھ میں ان کی عمر بیالیس سال کی تھی۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ فسانہ گلدستہ نثر، گلزار سعادت، ذخیرۂ سعادت جیسی کتابیں اور کلیات سعید ان کی یادگار ہے۔ آگرہ میں ان کے شاگردوں کی کثرت تھی۔ شعرگوئی میں مشاق تھے۔ طبیعت منجھی ہوئی تھی اور زبان میں سلاست تھی۔" 6

ان کے کچھ شعر یہ ہیں ؎

حضرت نوح سے کہہ دو کہ سنبھالیں کشتی — آج طوفاں کی خبر دیدۂ تر دیتے ہیں

سب کے نزدیک وہی جان جہاں رہتا ہے — دل میں موجود ہے آنکھوں میں نہاں رہتا ہے

چھپائے عارض تاباں، کیا اندھیر زلفوں نے — غضب ہے نور کے چشمے پہ ظلمات جا ٹھہرے

پری وش اپنے دیوانے کو در سے کیوں اٹھاتا ہے — کہ تیرے زیر سایہ یہ سہارا پا کے آ ٹھہرے

5- سفلی- عنایت خاں

سفلی تخلص عنایت خاں عُرف کالے خاں، ہزل گویانِ ملک میں ان کا نام نکلا ہوا ہے۔ 7 آگرے کے باشندے تھے، عرائض نویسی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ بڑے حاضر جواب تھے۔ اسی نے ان کو راجا بلوان سنگھ کاشی کے دربار تک پہنچایا مرزا حاتم علی بیگ مہر سے تلمذ تھا۔ کلام اودھ پنچ، آگرہ پنچ، گلدستۂ دامن بہار میں چھپتا تھا۔ 1890 میں انتقال ہوا۔ ایک دیوان غیر مطبوعہ تھا۔ شاید ضائع ہو گیا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

واہ دا رے ملک الموت تری باریکی — گھس گیا ناک میں نمرود کی مچھر بن کر

کریں اشراف کیا فرمایئے اس قحط سالی میں — نہیں لتّا بدن پر اور پابند قبا ٹھہرے

بادہ پیوں میں کہاں سے میں فصل بہار میں — نقدی تھی جس قدر وہ گئی سب اُدھار میں

آیا، صاحب کے، میم کے، مس کے — دل، اٹھاؤں میں ناز کس کس کے

جو بھی ہو، سفلی نے اپنے زمانے کے حالات کی اچھی عکاسی کی ہے۔

شاہی کے آخری دنوں میں، سرکار انگریزی کے ایک اہم مرکز کی حیثیت آگرے کو حاصل تھی اور اس لحاظ سے اس شہر میں روزگار کے بھی نسبتاً بہتر مواقع تھے چنانچہ دہلی، لکھنؤ، الہ آباد وغیرہ کے رہنے والے بعض لوگ اس شہر میں آکر رہنے لگے تھے۔ ان میں سے کچھ شاعر بھی تھے چنانچہ سرسری طور پر ایک دو کا ذکر کیا جاتا ہے۔

6- زر- شیخ بلاقی

''زر تخلص، شیخ بلاقی ابن شیخ سعد اللہ ولد شیخ بلند، وطن اصلی آبا و اجداد کا بلدہ لاہور ہے۔ جد بزرگوار اس کا موضع گوہانہ میں وارد ہوا...... سپاہ گری اور اگاہے کار زراعت کو وسیلہ تحصیل معاش ٹھہرایا۔ اس بزرگ نے والد ماجد کی وفات کے بعد شیخ امام بخش سادہ کار دہلوی سے اس فن کو کسب کر کے خاک اکبر آباد کو مسکن مقرر کیا۔...نسبت تلمذ کی مرزا حاتم علی مہر اور مرزا عنایت علی ماہ سے رکھتا ہے۔'' 8

یہ مرزا قادر بخش صابر کا بیان ہے۔ لالا سری رام نے شیخ بلاقی زر کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''استعداد علمی بہت کم تھی۔ 1814 میں پیدا ہوئے۔ ساٹھ سال سے زیادہ عمر پائی۔'' 9

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

کون سی صورت ہے ملنے کی بتوں سے یہ بتا ۔۔۔ وہ تو طالب زر کے ہیں اور یاں خدا کا نام ہے

کبک و طوطی میں کچھ کمال نہیں ۔۔۔ ان میں تیری سی بول چال نہیں

مجھ سے کہتے ہو، مرے گھر سے نکل، باہر ہو ۔۔۔ کب میں باہر ہوں بھلا آپ کے فرمانے سے

سیمتن جان لے کے چھوڑیں گے ۔۔۔ اپنا اے زر ذرا سنبھالو دل

7- شیدائی- مولوی ابوالحسن

یہ امام بخش صہبائی کے عقیدت مند شاگرد تھے اور ان کے تخلص کے مناسبت سے انھوں نے اپنا تخلص مقرر کیا تھا۔ صابر نے ان کا احوال اس طرح لکھا ہے:

''شیدائی تخلص حال و حسن تخلص سابق، مولوی ابوالحسن متوطن فرید آباد....خرد سالی میں حضرت شاہجہاں آباد میں وارد ہو کر مولانا صہبائی کی خدمت میں

علم فارسی اور عروض وقافیہ کو بالاستیعاب حاصل کیا اور چند مدت مدرسہ
شاہجہاں آباد میں وظیفہ یابانِ سرکار انگریزی میں منسلک ہو کر علم ہندسہ اور
ریاضی میں رشکِ امثال واقران ہوا۔ مہین داور مدرسہ نے علوم مذکورہ اور
فارسی میں یگانہ دیکھ کر مدرسۂ اکبر آباد کا مدرس مقرر اور ساٹھ ستر روپے کا
مشاہرہ معین کیا...... "10

اس تفصیل سے سرکار انگریزی کے مدرسوں میں اساتذہ کے تقرر وغیرہ کے معاملات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ صابر نے شیدائی کے جتنے اشعار نقل کیے ہیں سب فارسی میں ہیں۔

8- مہر- حاتم علی بیگ

مہر تخلص، مرزا حاتم علی بیگ نام، مرزا فیض علی بیگ قزلباش خلف مرزا امراؤ علی خان بہادر کے بیٹے، فرخ آباد میں 1230ھ/ 1815 میں پیدا ہوئے۔ 1246ھ کے قریب شعر کہنا شروع کیا۔ کوئی دو برس کی مشق کے بعد شیخ ناسخ کے شاگرد ہوئے۔ 1264ھ/1848 میں منصفی کا امتحان پاس کیا۔ مرزا قادر بخش صابر نے لکھا ہے :

"ہر چند اصل میں سکنائے لکھنو سے ہے، مدت ہوئی کہ مقیم اکبر آباد ہے۔ ضبط
قوانینِ انگریزی کے وسیلے سے عہدۂ منصفی کے حصول میں کامیاب اور بعد کچھ
مدت کے چنار گڑھ ضلع مرزاپور میں عہدہ منصفی پر مامور ہو گیا ۔

از بس کہ سوزِ ہجر سے خوگر ہوئے ہیں ہم   منصف چنار گڑھ کے مقرر ہوئے ہیں ہم "11

مہر کا مسکن قدیم لکھنو تھا۔ وہاں سے وہ آگرے میں آ کر رہنے لگے۔ آگرے ہی میں کسی جج کے کہنے سے منصفی کے امتحان کی تیاری کی چنار گڑھ کے ماحول سے جلدی ہی مہر کی طبیعت اچاٹ ہوگئی اور وہ اس ملازمت سے برطرف ہو گئے۔

مہر نے نظم ونثر میں کئی کتابیں تصنیف وتالیف کی تھیں مثلاً الماس درخشاں (دیوان)، داغ نگار (مثنوی)، محیط آشنا (تذکرہ) وغیرہ۔ قمری حساب سے مہر چھیاسٹھ برس کی عمر پا کر 1296ھ/ 1879 میں بمقام ایٹہ فوت ہوئے۔ ان کے شاگردوں میں سے چھیالیس کے نام بتائے گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ دو ایک اور بھی ہوں۔ مہر کے یہ حالات ہم نے پروفیسر حنیف نقوی کے مضامین

مشمولہ ''تلاش وتعارف'' سے اخذ کیے ہیں۔ مہر کے کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

دروازے پہ بیٹھے ہیں، نکلوائے ہوئے ہیں
ہم نے تو ڈھئی دی، وہ غضب ڈھائے ہوئے ہیں

اغیارِ سیہ رو سے بہت ربط ہے ان کو
وہ چاند ہیں اے مہر تو گہنائے ہوئے ہیں

چلے بھی آؤ، قیامت بھی ہو چکی صاحب
بڑا عذاب ہے، رہتی ہے انتظار میں روح

نذرِ دل مانگتی ہیں آپ کی سرشار آنکھیں
عین مستی میں رہا کرتی ہیں ہشیار آنکھیں

محسن کے تذکرہ سراپا سخن کے لیے شعرائے آگرہ نے بہت غزلیں لکھی تھیں۔ ان کی خصوصیت یہ تھی کہ ردیف ایسی اختیار کی جاتی تھیں کہ ان کو متعلق غزل کا عنوان بنایا جاسکتا تھا گویا وہ غزلیں اپنی نوعیت میں نظمیں تھیں۔ آگرے میں ایسی غزلیں (= نظمیں) کہنے والوں میں مہر سب سے پیش پیش تھے۔ وجہ غالباً یہی معلوم ہوتی ہے کہ مہر کو انگریزی حکام کے درمیان رہنے کے مواقع نسبتاً زیادہ ملے تھے۔

مہر کی تصانیف کی تعداد اکیس بتائی گئی ہے۔ ان میں چار دیوان، تین مثنوی، ایک واسوخت اور متفرق منظومات کے چند مجموعے ہیں۔

9- ماہ- مرزا عنایت علی بیگ

مرزا عنایت علی بیگ نام، ماہ تخلص، مرزا فیض علی بیگ قزلباش کے چھوٹے بیٹے یعنی حاتم علی مہر کے چھوٹے بھائی تھے۔ بڑے بھائی کے تخلص مہر کی مناسبت سے انھوں نے اپنا تخلص مقرر کیا تھا۔ صابر نے لکھا ہے کہ :

> ''آگرے میں مصاحبت راجا بلوان سنگھ راجا والی کاشی سے ممتاز ہے۔''12

بعد کے زمانے میں مہر نے ان کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ :

> ''مولف کا چھوٹا بھائی مرزا عنایت علی سررشتہ دار کنٹونمنٹ چھاونی اکبرآبادی میں ہے۔''13

ماہ اگر اپنے بڑے بھائی سے دو برس چھوٹے ہوں تو ان کا سالِ ولادت 1232ھ/1817ء کے قریب ہوگا۔ ان کا پہلا دیوان ''ریاضِ ماہ'' کے نام قنوج سے چھپ کر شائع ہو چکا تھا چنانچہ نساخ اور نادر وغیرہ نے ان کو صاحبِ دیوان کہا ہے۔ تقریباً اسی زمانے میں انھوں نے ''داغِ جگرِ ماہ'' کے عنوان

سے ایک واسوخت بھی لکھا تھا جو مطبع مصدر النوادر آگرہ سے 1274ھ/ 1857 میں طبع ہوا تھا۔
بعد کے زمانے میں ممکن ہے کہ ان کے کلام کے اور مجموعے بھی مرتب ہوئے ہوں۔

ماہ کا شمار بھی اپنے زمانے کے استادوں میں ہوتا تھا۔ ان کے بعض شاگردوں کے نام یہ ہیں :

جمشید، مرزا جمشید بیگ، زر شیخ بلاقی ، ناطق شیخ احمد شاہ

ماہ کے چند شعر نمونہ کے طور پر درج ذیل ہیں ۔

بس دیر و حرم دو ہی مکاں اس کے ہیں مشہور — مل جائے یہاں یار تو کیوں ڈھونڈ ھیے گھر اور
اُڑتے ہوئے ہم دیکھ کے مرغانِ چمن کو — کیا حسرت پرواز میں پر دیکھ رہے ہیں
ہر روز نیا وعدہ ہے ، ہر روز نیا عذر — بن بن کے بگڑتا ہے مقدر کئی دن سے
کاندھوں پہ یاں جنازہ ہے ملکِ عدم میں روح — کوسوں بڑھا ہوا ہے پیادہ سوار سے

آخر میں یہ ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عنایت علی ماہ کا دیوان '' ریاضِ ماہ '' ان کے تیسرے بھائی مرزا عنایت علی بیگ عرف نتھے مرزا افسر علاقہ ریاست تر دانے چھپوایا تھا۔

10- تمنا۔ مرزا مغل خاں

ڈاکٹر کاظم علی خاں لکھنوی نے جو زمانہ حال کے محققین میں خود کو شمار کرتے ہیں۔14 تمنا کا نام ''مغل خاں'' لکھا ہے، لیکن مرزا قادر بخش صابر نے ان کا تعارف اس طرح قلمبند کیا ہے :

'' تمنا تخلص، مرزا مغل جان، چند مدت سے مقیم آگرہ اور مصاحبت راجا بلوان سنگھ بہادر راجا تخلص والی کاشی سے ممتاز ہے۔ اشعار ریختہ مرزا حاتم علی بیگ مہر کی نظرِ اصلاح سے گزرانتا ہے۔''15

لالا سری رام نے ان کی شاعری کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ :

'' وہاں (راجا کی محفلوں میں) شاعری کا رات دن چرچا رہتا تھا۔ شدہ شدہ یہ بھی شعر کہنے لگے۔''16

ان کے صرف دو شعر مل سکے ہیں ۔

بغل میں میکشوں کے ہیں شراب ناب کے شیشے — لیے بیٹھے ہیں پریوں کو یہاں میخوار پہلو میں
جام سفال جلوۂ مے سے دمک گئے — پرتو سے آفتاب کے ذرّے چمک گئے

آگرہ شہر مرزا اسداللہ خان غالب کا مولد اور مسکن قدیم بھی تھا۔ یہ صحیح ہے کہ مرزا بہ وجوہ وہاں سے ہجرت کر کے مستقلاً دہلی میں آ رہے تھے، لیکن آگرہ کی یادوں کو وہ کبھی بھلا نہیں سکے تھے اور اس شہر کے خوش باشوں کے ساتھ اُنھوں نے ہمیشہ اچھے روابط قائم رکھے تھے۔ اس شہر میں ان کے عقیدت مند اور دوست کئی تھے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بھی ایک درجن کے قریب تھی۔ ان میں کئی ہندو تھے اور بعض نثر نگار بھی تھے۔

11- آرام- رائے بہادر شیونراین

آرام تخلص، رائے بہادر شیونراین نام، منشی نندلال کے بیٹے اور بقول غالب ناظر بنسی دھرم کے پوتے۔ 183ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی، اردو کے علاوہ انگریزی بھی سیکھ لی تھی۔ جناب مالک رام نے ان کے حال میں لکھ دیا تھا کہ :

> '' ایک کتاب نثر میں '' قصہ قاصدانِ شاہی'' بھی لکھی تھی۔ خدا معلوم کہیں سے شائع ہوئی یا نہیں۔'' 17

صحیح یہ ہے کہ کتاب قاصدانِ شاہی میں بادشاہ سے متعلق لطیفے وغیرہ جمع کیے گئے ہیں اور اسے آرام نے اپنے مطبع مفید خلائق آگرہ میں چھپوایا تھا۔ 18 آرام نے سرکار انگریزی کی خدمات انجام دی تھیں، ان کے لیے انھیں خطاب '' رائے بہادر'' سے سرفراز کیا گیا تھا۔ ان کی ایک غزل کے دو شعر یہ ہیں :

وہ چاہیں جس قدر جور و جفا ہم پر کریں لیکن ہمیں تسلیم لازم ہے کہ پابند وفا ٹھہرے
یہ دنیا اک سرا ہے اس کو آخر چھوڑ جانا ہے اگر دو چار دن آ کر یہاں ٹھہرے تو کیا ٹھہرے

آرام نے 65-64 برس کی عمر پا کر 1898 میں رحلت کی تھی۔

12- تپش- میر مددعلی

ان کے بارے میں حکیم میر قطب الدین باطن نے اچھی معلومات درج کی ہیں :

> '' تپش تخلص، میر مددعلی نام، اصل ان کی ایران، مولد شریف جد دہلی، سلسلۂ نسب امام جعفر صادق تک پہنچتا ہے......شاگرد سید گلزار علی متخلص بہ اسیر.....نظم فارسی مرصع بخن ہندی مسجع '' 19

لالا سری رام نے ان کے حالات میں جو اضافہ کیا ہے اس طرح ہے :

''تپش مولوی سید مدد علی خلف مولوی میر نجف علی جعفری سبزواری، 1819
سال ولادت تھا اور 1869 میں آگرہ میں بود وباش تھی۔ فن شعر میں پہلے.....
گلزار علی کو چند غزلیں دکھائیں، پھر غالب کی خدمت میں حاضر ہوئے.....
صاحب استعداد تھے۔ خزینۃ القواعد، محاربات ہند، جغرافیہ منظوم، کئی رسالے
ان سے یادگار ہیں۔'' 20ے

جناب مالک رام نے جو مزید معلومات فراہم کی ہیں، یہ ہیں :

''محلہ زین خانہ میں سکونت رہی۔ فارسی مولوی قمر الدین سے، عربی ملا حسن اور
مفتی ریاض الدین سے پڑھی.... شیعہ مذہب کے پیرو تھے۔ متعدد تصانیف
فاتح الاذہان، محاربات ہند (1228ھ تا 1286ھ)، رسالہ مظہر علم
درحساب، ہدایت الانام بہ منقبت چہاردہ معصوم ان سے یادگار ہیں۔'' 21ے

ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

یار نے سن کے مرے نالے تجاہل سے کہا — کوئی تو روتا ہے واللہ مقرر باہر
تری ہے عفو کی عادت، مری ہے عصیاں کی — کیا ہے کس لیے پھر مورد قصور مجھے

13- عاشق۔ ماسٹر شنکر دیال

''عاشق تخلص، ماسٹر شنکر دیال ایم اے ابن گردھاری لال خلف چھبیلے رام پسر
خوشحال رائے ساکن موضع سانڈی، انگریزی وفارسی میں ایم اے تھے۔
1918 میں بہ عمر چھیاسٹھ سال انتقال فرمایا۔'' 22ے

مالک رام نے ان کے حالات میں مزید لکھا ہے :

'' خاندان کے مورث موضع سانڈی کے رؤسا میں تھے۔ حکومت اودھ نے
''رائے زادہ'' خطاب دیا تھا۔''

1857 کے ہنگامے میں بعض خدمات کے عوض سرکار انگریزی کی طرف سے
''بہی خواہ گورنمنٹ'' کا خطاب ملا.... عاشق کے خسر کو بھی 1857 کی خدمات کے

انعام میں بدایوں کا تحصیل دار مقرر کیا گیا....عاشق نے انگریزی اور فارسی میں
کلکتہ یونیورسٹی سے ایم اے اور پھر بی ایل کیا تھا.... 70 برس کی عمر میں فروری
1918 میں انتقال کیا....ان کا اردو کا صرف یہ شعر ملا ہے۔

پھر تمنا کو ہوا جوش کہ اصرار کرے　　پھر تغافل نے نکالا نیا طرز انکار" 23

14- نشاط- بابو ہرگوبند سہائے

نشاط تخلص، بابو ہرگوبند سہائے نام، منشی خوب چند 24 کے بیٹے، آگرے کے رہنے والے، قوم کے کایستھ تھے۔ دسمبر 1828 میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے بزرگوں کا وطن اور خود نشاط کا مولد علی گڑھ تھا۔ بزرگوں نے علی گڑھ اور متھرا میں جائداد چھوڑی تھی۔ جب نشاط آگرے میں منتقل ہوئے تو اس جائداد کو بیچ کر آگرے میں ہرگوبند گنج بسایا۔ آخر ہری دوار میں جا کر مئی 1891 میں مرے۔

نشاط فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ 25 انھوں نے مختلف علوم وغیرہ سے متعلق کئی کتابیں لکھی تھیں۔ بعض یہ ہیں :

مبادی الحساب منظوم ، تالیف ہرگوبند ، تعلیم اخلاق
الہام ضمیر ، نشاط الاحباب ، نشاط المحاسین
دیوان فارسی ، دیوان اردو وغیرہ

ان کی شاعری کا نمونہ یہ ہے ۔

تبسم پر اگر چین جبیں کا فیصلہ ٹھہرے　　ادائے معنی دع ما کدر، خذ ما صفا ٹھہرے
غم واندوہ وحسرت یا نشاط وشادی وفرحت　　وہی تسلیم ہے ہم کو، تری جس میں رضا ٹھہرے

یہ بات قابل ذکر ہے کہ نشاط نے غالب اور تفتہ دونوں سے کسب فیض کیا تھا۔ آگرے میں مذکورہ چار کے علاوہ مرزا غالب کے درج ذیل تلامذہ کے نام بھی لائق توجہ ہیں :

حقیر منشی نبی بخش ، طالب ڈاکٹر محمد حفیظ اللہ
عاشق محمد عاشق حسین خاں ، فوق مرزا محمد جان
منصور حافظ مصلح الدین وغیرہ

ب - تاریخ وعروض

1- مہر- حاتم علی بیگ

مرزا حاتم علی بیگ مہر اکبرآبادی کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ نظم ونثر میں انھوں نے متعدد کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ کچھ یہ ہیں :

الف- بیانِ بخشایش- ڈاکٹر حنیف نقوی 1 مختلف شواہد کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مہر نے چنّا جان نامی عورت سے غالباً باقاعدہ نکاح کرلیا تھا لیکن یہ رفاقت دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ پنج شنبہ نہم ذیقعدہ 1276ھ/ 31/ مئی 1860 کو چنا جان نے رحلت کی۔ اس سانحہ سے متعلق اپنے اور دوسروں کے کہے ہوئے قطعات تاریخ کو مہر نے ایک رسالے کی صورت میں مرتب کر کے اس کا تاریخی نام ''بیان بخشایش'' رکھا جس سے 1276ھ کے عدد برآمد ہوتے ہیں۔ یہ مجموعہ 1277 میں مطبع حیدری آگرہ میں چھپا تھا۔ نواب مرزا محمد علی خان بہادر حزین نے نہ صرف اس کی طباعت کے اخراجات برداشت کیے تھے بلکہ انھوں نے اس کے لیے تاریخ بھی کہی تھی ؎

عجب ردکشِ مہرِ انور ہے یہ　　ہزاروں دفاتر سے بہتر ہے یہ
حزیں سے کہا جب کہ تاریخ کو　　وہ بولا مصیبت کا دفتر ہے یہ
1277ھ

ب۔ شبیہ عشرت - مہر نے اس میں 2 اپنے بیٹے سخاوت علی بیگ کی شادی اور پوتے قاسم حسین کی ولادت کی تاریخیں جمع کر کے اس مجموعہ کا تاریخی نام ''شبیہ عشرت'' رکھا تھا۔ ساٹھ صفحہ کا یہ رسالہ مطبع مصدر اللطائف ایٹہ میں ستمبر 1871 میں چھپا تھا۔

اسی قسم کے اور بھی چند رسالے مہر نے تالیف کیے تھے مثلاً تہنیت جلوس ،عید قیصریہ،توقیر شرف وغیرہ

ج۔ پارۂ عروض - ڈاکٹر حنیف نقوی نے لکھا ہے کہ یہ رسالہ 3 علم عروض وقافیہ سے متعلق ہے۔ نام تاریخی ہے جس سے 1284ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ رسالہ مرزا قاسم حسین قزلباش کے اجازت نامہ کے تحت مطبع دبدبہ حیدری آگرہ میں اڑسٹھ صفحوں پر 1311ھ/ 94-1893 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

2- نشاط- ہرگوبند سہائے

منشی ہرگوبند سہائے نشاط مرزا غالب کے شاگرد تھے۔ ان کے بھی حالات لکھے جا چکے ہیں۔ ان کی بھی کئی تصانیف ہیں۔ ان میں ایک رسالہ ''ضوابط شاعری'' بھی ہے۔ 4 کتاب کے نام سے مطالب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

3- تپش- میر مددعلی

پنڈت کیفی نے خم خانۂ جاوید میں ان کا حال ''ط'' کے تحت 5 (یعنی طپش سے) لکھا ہے۔ اس میں ہے :

''محاربات ہند اور خزینۃ القواعد ان سے یادگار ہیں۔''

خزینۃ القواعد کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔

4- مرزا- ابراہیم بیگ چغتائی

مرزا تخلص 6 ابراہیم بیگ چغتائی اکبرآبادی نام تھا۔ قومی تاریخ سے بہت دلچسپی تھی چنانچہ ایک ضخیم منظوم کتاب ''جنگِ روم و یونان'' کے نام سے لکھی تھی۔ اس میں فاتحین سلف کے کارناموں کا بہت محبت سے بیان کیا گیا ہے 7 مرزا اشرف الدین بیگ (ناشر) نے اس کتاب کو خیر خواہ اسلام پریس آگرہ سے 1314ھ/1909 میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔ مذکورہ جنگ 1897 میں ہوئی تھی۔

ج - سوانحات

سوانح نگاری کی طرف آگرے میں کچھ زیادہ توجہ نہیں کی گئی تھی۔ صرف چند کتابوں کا حال معلوم ہوسکا ہے۔ اور ان میں سے بیشتر مذہبی شخصیات سے متعلق ہیں۔

1- نامعلوم۔ نامعلوم

''سوانح امیر ابوالعلا'' کے نام سے 1 ایک کتاب (قلمی) کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں محفوظ ہے جس کے مصنف کا نام تو معلوم نہیں ہے البتہ اس کا سالِ تصنیف 1306ھ/ 89-1888 اور سالِ کتابت 1311ھ ہے۔ یہ مختصری کتاب اڑتالیس صفحوں میں سما گئی ہے۔ یہ ابوالعلا صاحب چشتی اکبرآبادی کی سوانح بارہ ابواب پر منقسم ہے، اس طرح :

حضرت ابوالعلا صاحب کے حالاتِ زندگی، تاریخ ولادت، تربیت، بیعت، خلافت، کرامات، اخلاق و عادات، محفل سماع، اقوال، وفات، اولاد وغیرہ۔

2- سیماب۔ عاشق حسین

مولانا عاشق حسین صدیقی سیماب تخلص ابن مولوی محمد حسین صدیقی 2، ساکن آگرہ، ولادت بمقام آگرہ 1880 وفات بمقام کراچی 1951، شاگرد نواب مرزا داغ دہلوی، نظم و نثر میں متعدد کتابوں کے مصنف تھے ان میں کئی سوانح ہیں مثلاً :

سیرت حضرت 3 خدیجۃ الکبریٰ- یہ سو صفحوں پر 1326ھ/ 1908 میں عالمگیر الکٹرک پریس لاہور میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

3- ولی- سید ولی

سید محمد جونپوری صاحب جن کو ''مہدی موعود'' کے طور پر شہرت حاصل ہے، ان کی ''تحریک اصلاح وجہاد'' گجرات اور دکن کے علاقوں میں زیادہ تر گھر کر گئی تھی۔ مولانا سید ولی 4 سکندر آبادی (دکنی) ان کے ایک بڑے عقیدت مند تھے۔ انھوں نے ''مہدی موعود'' کی مفصل سوانح دو جلدوں میں ''سوانح مہدی موعود'' کے نام سے لکھی تھی۔ یہ کتاب پہلی بار مطبع مفید عام آگرہ میں 1321ھ/1903 میں 336 صفحوں پر چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

سید نصرت مہدی ید اللہی 5 پیش نظر اس کتاب کا جو نسخہ رہا ہے اس کا سال طباعت 1931 ہے یعنی یہ کتاب ایک سے زائد بار چھپ کر عقیدت مندوں کے ہاتھوں میں پہنچی تھی۔

4- ریاض- شیخ ریاض الدین امجد

ڈپٹی عبدالغفور خاں نساخ نے اپنے تذکرے میں ان کا تعارف اس طرح کرایا ہے :

> ''ریاض شیخ ریاض الدین امجد خلف شیخ غیاث الدین اشرف، باشندہ سندیلہ شاگرد وزیر'' 6

اپنی غزلوں میں اس نے ریاض تخلص نظم کیا ہے اور ایک جگہ لکھا ہے:

''سندیلہ راقم کا وطن اصلی ہے'' لیکن یہ شخص ''جہاں گشت'' معلوم ہوتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ''میں نے لکھنؤ بھی دیکھا ہے۔'' یہ متھرا اور آگرہ میں بھی رہا تھا۔ دہلی بھی گیا تھا اور اس شہر کا سفرنامہ بھی لکھا تھا جس کا تاریخی نام اس نے سرور ریاض رکھا تھا اس سفرنامہ میں ریاض نے اپنے بارے میں خاصی معلومات قلمبند کی ہیں۔ باوجود یہ کہ وہ خواجہ محمد وزیر وزیر لکھنوی کا شاگرد تھا اس کا کہنا ہے کہ :

> ''شاہجہاں آباد میں سب کی ایک وضع ہے۔ اور شہروں میں مختلف طرح اور قطع ہے.... اکبرآباد کی سادگی کا کیا کہنا ہے.... جیسا پایا ویسا اوڑھا... سب سے عمدہ روزمرہ اور محاورے شاہجہاں آباد کے۔ ان سے اُتر کے اکبرآباد کے لکھنؤ میں زمانہ کہتا ہے کہ تصنع ہو رہا ہے۔'' 7

مصنف نے اپنے سفر کا حال اس طرح بیان کیا ہے :

> ''1860 کی اکیسویں تاریخ کو مطابق یکم محرم 1277ھ کے ہفتہ کے دن دو گھڑی رات گھنٹے گھر سے اٹھا، سواری پر بیٹھا.....دہلی کا راستہ لیا۔ کوسی میں صبح کے وقت، پلول میں شام کو، فرید آباد میں قریب دو پہر کے پہنچ کر چند ے دم لیا۔'' 8

کوسی سے پہلے سفر کا آغاز اس نے کہاں سے کیا تھا، یہ بات معلوم نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ آگرے سے چلا ہو، یا شاید متھرا سے اپنا سفر شروع کیا ہو۔ زیادہ امکان اسی بات کا ہے کہ آگرے سے سفر کا آغاز کیا تھا اور پھر وہیں واپس آ گیا تھا چنانچہ اس نے اس سفر نامہ کو وہیں مرتب کیا تھا۔ اس کے لیے حاتم علی مہر اور عنایت علی ماہ وغیرہ نے تاریخیں کہی تھیں اور یہ مطبع حیدری واقع آگرہ کٹرہ حاجی محمد حسن میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اس سفر نامہ کو ڈاکٹر مختار الدین احمد نے 1962 میں ''صبح'' نام کے کسی رسالے میں چھپوایا تھا۔ افسوس ہے کہ انھوں نے قطعات تاریخ اور تقریظ وغیرہ کو شائع نہیں کیا ورنہ شاید ان سے زیادہ مفید معلومات حاصل ہوتیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کے بارے میں لکھا ہے :

> ''سفر نامہ کی ترتیب کے وقت مصنف شباب کی مستیوں سے سرشار تھا اور عبارت کی رنگینی اور شوخی کی اصل وجہ یہ ہے۔ کتاب میں رواج زمانہ کے مطابق اشعار بھی کثرت سے نقل کیے ہیں...مرزا غالب کا ذکر کتاب میں تین مقامات پر آیا ہے۔'' 9

د - داستان

یہ صحیح ہے کہ آگرے کو داستان نویسی کے ایک مرکز کی حیثیت حاصل نہیں ہے لیکن یہ شہر اس معاملے میں بھی بند نہیں ہے۔ یہاں گنتی کی داستانیں لکھی گئی ہیں اور ان کی طرف اہل تحقیق نے کما حقہ، توجہ بھی نہیں کی ہے۔

1- سید اصغر علی

تذکروں میں اس شخص کے حالات نہیں کے برابر ملتے ہیں۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کا یہ کارنامہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف اس کے حالات معلوم کیے بلکہ اس کی داستانوں کا بخوبی تعارف بھی کرایا ہے۔ لکھتے ہیں :

> "سید اصغر علی متخلص بہ اصغر اکبرآبادی پسر سید ارشد علی نبیرہ میر تپاں اکبرآبادی۔ یکم ربیع الثانی 1256ھ کو اکبرآباد میں پیدا ہوئے۔ عربی فارسی کی رسمی تعلیم حاصل کر کے مہاراجا پٹیالہ کے یہاں میر منشی ہو گئے..... آخری عمر میں وطن چلے آئے تھے۔ 11 جمادی الثانی 1297ھ/ 1880 کو اکبرآباد میں وفات پائی۔ شاعری سے مناسبت طبعی رکھتے تھے۔ قصیدہ گوئی میں کمال حاصل تھا صاحب تصانیف کثیرہ ہیں..."1

الف۔ شورشِ عشق۔ یہ اصغر کی پہلی داستان ہے۔ گیان چند نے اسے کم اہم حکایتوں اور

داستانوں میں شمار کیا ہے اور بس اتنا لکھا ہے :

''شورش عشق ازسید اصغرعلی اکبرآبادی۔ تاریخی نام ہے جس سے 1276ھ/1859-60 سال تصنیف معلوم ہوتا ہے۔ مطبوعہ 1893 گلشن ہند پریس آگرہ، ایک سودس صفحات ہیں۔ یہ رضالائبریری میں موجود ہے۔''

اس داستان کا ایک قلمی نسخہ دہلی یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے لیکن اس کا تعارف صحیح طور پر نہیں کرایا گیا ہے۔ لکھا ہے :

''شورش عشق اصغرعلی اکبرآبادی- 432 صفحات، کاتب محمد عسکری.... یہ مخطوطہ مصنف کی خودنوشت سوانح ہے۔ اس میں مصنف نے اپنے رومانی واقعات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے......''3

لالاسری رام نے تپاں تخلص کے ایک شاعر کا ذکر اس طرح کیا ہے:

''منشی سید ابرار حسین تپاں شاگرد منشی شبیر حسین نسیم بھرتپوری، طبیعت شوخ پائی۔ شعر مزے کا کہتے ہیں۔ زبان اور بندش کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ فتح پورسیکری ضلع آگرہ کے رہنے والے ہیں.... دہلی کا رنگ ان کے کلام میں پایا جاتا ہے....''4

شاید یہی اصغر کے دادا ہوں۔

اصغر کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ کسی پری رو پر عاشق ہو گئے تھے۔ انھوں نے غم غلط کرنے کے لیے یہ داستان شورشِ عشق لکھی تھی۔ اس کے سبب تالیف میں ہے :

''ملہم غیبی نے آواز دی کہ سودائے خام پکاتے پکاتے دماغ میں خلل آجائے گا..... بہتر ہے کہ ہوش میں آیئے۔ کوئی قصہ متضمن بہ حال عشق ومحبت تصنیف کیجیے..... سڑی تو تھے ہی۔ کچھ یہی دل میں سماگئی۔ اسی وقت قلم اٹھا کر یہ قصہ لکھنا شروع کیا مگر اپنے درد دل سے کام رکھا۔ شورش عشق نام رکھا...... ہاتف غیبی نے ارشاد کیا، چلو خوب ہوا، مادۂ تاریخ بھی اس میں نکل آیا۔''5

قصہ اس طرح ہے کہ عراق کا شہزادہ ماہِ تمام، چین کی شہزادی رشکِ قمر کی تصویر دیکھ کر عاشق ہو جاتا ہے۔ بے اختیار ملک چین میں پہنچتا ہے۔ وہاں کا بادشاہ اسے قید کر لیتا ہے۔ اس واقعہ کو سن کر رشکِ قمر اپنا حال غیر کر لیتی ہے۔ بادشاہ اسے بھی زنجیروں میں بندھوا دیتا ہے۔ ماہِ تمام کا باپ چین پر چڑھائی کر کے ماہ تمام اور رشکِ قمر دونوں کو رہا کراتا ہے۔ دونوں کی شادی کر دیتے ہیں۔ دونوں بادشاہ اپنی سلطنتیں انھیں دے کر خود یادِ الٰہی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اس داستان میں ایک ذیلی قصہ شہزادہ ترکستان او رشہزادی دمشق کے عشق کا ہے۔ ماہ تمام ان کے مقصد کو پہلے پورا کرتا ہے۔ اس قصے کی زبان وغیرہ کے بارے میں ڈاکٹر سہیل بخاری نے لکھا ہے:

> ''زبان بڑی پُر تکلف ہے۔ قافیہ اور سجع کا اس قدر التزام ہے کہ کوئی بات سیدھی نہیں، اور یہ اس زمانے کا عام دستور ہے۔ اس قصہ میں ماہ تمام نے رشکِ قمر کے نام انتیس خط روانہ کیے ہیں۔ یہ مصنف کی علمی قابلیت اور ندرت پسندی کا واضح ثبوت ہے۔ ہر رقعے میں ایک حرف ترک کیا ہے اس طرح اٹھائیس رقعوں میں اٹھائیس حروف ترک کر دیے ہیں۔ پھر انیسویں رقعہ میں حروف منقوطہ گرادیے ہیں۔ داستان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ماہ تمام اور شاہ چین کے مابین سوال و جواب کے ذریعہ سے عشق و محبت کی واردات کا بیان کیا گیا ہے۔ کتاب میں جابجا فارسی او رار دو کے اشعار درج کیے گئے ہیں۔ ہر فصل کی ابتدا بھی ایک شعر سے کی گئی ہے اس طرح کتاب شعریت میں ڈوبی ہوئی ہے۔'' 6

ب۔ گلشن جاں فزا۔ گیان چند نے اس کو بھی ''کم اہم حکایتوں او رداستانوں میں شمار کیا ہے اور جو معلومات قلمبند کی ہیں مختصراً اس طرح ہیں :

> ''گلشن جاں فزا یا افسانہ گلشن جاں فزا از سید اصغر علی رئیس آگرہ..... اس کتاب پر ایک ڈپٹی کلکٹر کی تقریظ ہے...... اس کتاب کی تاریخ 1281ھ ہے۔ وہ اس سے پہلے ''شورش عشق'' لکھ چکے تھے۔ رضا لائبریری کا ایڈیشن ابو العلائی پریس آگرہ کا مطبوعہ ہے۔'' 7

سبب تالیف اس کا بھی ویسا ہی ہے جیسا '' شورش عشق'' کا ہے۔ اس کا اختصار یہ ہے :

''ایک بار ایام فرقت اور عالم غربت میں خاموشی سے اکتا کر... خیال آیا کہ.... کوئی قصہ متضمن حال حسن وعشق گڑھ کر تحریر کیجیے..... مگر قصہ ایسا دلچسپ اور عبارت ایسی لطیف ہو کہ..... ممدوح از راہ ذرہ نوازی پسند فرمائے...... گلشن جاں فزا نام رکھا، اپنے کام سے کام رکھا۔''

ملک آذر بائیجان کا شہزادہ راحت جاں کوہ قاف کی شہزادی آرام جاں کو خواب میں دیکھ کر، اس کے عشق میں مبتلا ہو کر وزیر زادے جاں نثار کو ساتھ لے کر کوہ قاف کو روانہ ہوتا ہے۔ بڑی مصیبتیں اٹھا کر مقصد کو حاصل کر لیتا ہے۔ حمد ونعت کے بعد مولف نے مہاراجا مہیندر سنگھ والی پٹیالہ اور خلیفہ محمد حسن وزیر ریاست کی مدح اور پھر اکبرآباد کی تعریف کئی صفحوں میں لکھی ہے۔ لیکن اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ خاص بات بقول ڈاکٹر سہیل بخاری یہ ہے کہ :

'' عبارت مقفیٰ اور مسجع ہے لیکن گنجلک اور تعقید سے پاک ہے۔ مولف اپنی شیریں بیانی سے شعریت اور نغمگی پیدا کرنے میں خاص امتیاز رکھتے ہیں..... انھوں نے جابجا حسب موقع کافی دلچسپ اور معنی خیز اشعار درج کیے ہیں۔''8

ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ مطبع الٰہی اکبرآباد کے مالک محمد مجھو خاں نے کتاب پر منشی محمد یٰسین احمد نگینوی سے نظر ثانی کرانے کے بعد 1901 میں اسے بالتصویر چھپوایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ انھوں نے اسی کتاب کا ایک اور بالتصویر نسخہ الکٹرک پریس مظفرنگر کا چھپا ہوا بھی دیکھا ہے۔ یہ کتاب مصنف کی زندگی میں بھی چھپ سکی تھی یا نہیں، اس بارے میں یقین سے کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔

ج۔ وقائع منصور الزماں- سید اصغر علی کا سب سے بڑا کارنامہ شاید یہی ہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے لکھا ہے کہ :

''تقریباً چالیس کتابیں ان کی تصنیف سے ہیں جن میں شورش عشق، گلشن جاں فزا، وقائع منصور الزماں، مثنوی بہار خرد اور لغات اصغری وغیرہ خاص ہیں......

کہا جاتا ہے کہ سید اصغر علی نے وقائع منصور الزماں کی سات جلدیں بوستان خیال کے جواب میں لکھی تھیں جن میں سے صرف پہلی جلد طبع ہو سکی۔ باقی چھ جلدیں غیر مطبوعہ ہی رہیں۔ وہ مطبوعہ جلد ل-احمد صاحب اکبر آبادی نے مفتی انتظام اللہ صاحب گوپامئوی کے کتب خانے میں دیکھی ہے لیکن افسوس ہے کہ انقلاب روزگار کے ہاتھوں مفتی صاحب کا کتب خانہ جو منتشر ہو گیا اور اس میں یہ ہمیں دیکھنے کو نہیں مل سکی ـــــ ل-احمد صاحب نے راقم سطور سے یہ بیان کیا ہے۔"[9]

لغات اصغری کا بھی لکھا جانا سید اصغر علی اصغر اکبر آبادی کی زبان اور لفظیات وغیرہ سے مولف کی بخوبی واقفیت پر دلالت کرتا ہے۔

2- سجاد حسین

منشی سجاد حسین نام، انجم تخلص، کسمنڈی ضلع آگرہ کے رہنے والے، اپنے زمانے کے معروف انشا پرداز تھے۔[10] 1913 میں لکھنؤ میں جا کر وفات پائی۔ کچھ مدت تک حیدر آباد دکن میں بھی رہے تھے۔ انھوں نے داستان تو نہیں لکھی تھی لیکن قصے کہانی وغیرہ کی قبیل سے کئی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں مثلاً :

حیات شیخ چلی ، کائنات ، بگا بھگت ، نشتر وغیرہ

3- کم اہم داستانیں

آگرے سے متعلق چند کم اہم داستانوں اور حکایتوں کے تحت پروفیسر گیان چند نے درج ذیل کا بھی ذکر کیا ہے :

الف- "چھبیلی بھٹیاری- آگرہ 1869 شہزادہ امن شاہ ابن سکندر شاہ اور چھبیلی بھٹیاری کی واردات"[11]

ب- "افسانۂ رنگیں از نواب امجد علی خاں 1890 آگرہ"[12]

4- شیخ محمد کریم الدین

"شیخ محمد کریم الدین عرف شیخ غوث محمد قریشی متخلص بہ غوث ولد شیخ محمد باب اللہ

متخلص بہ باب متوطن بنارس نے 1864 / 1280ھ میں "فسانۂ غوث" کو
مرتب کیا جو ایک سو اٹھارہ صفحوں پر تمام ہوا" 13

پروفیسر گیان چند نے اس کے بارے میں جو لکھا ہے اس طرح ہے :

"فسانۂ غوث از شیخ محمد کریم اللہ عرف شیخ غوث محمد 1280ھ شروع میں بنارس کے مہاراجا ایسری پرشاد نراین سنگھ کی مدح ہے۔ یہ وہی مہاراجا ہیں جنھوں نے رجب علی بیگ سرور کی سرپرستی کی تھی۔" 14

معلوم ہوتا ہے کہ یہ غوث جس کا آبائی وطن بنارس تھا، وہاں سے بھوپال گیا اور وہاں اس نے نظم میں ایک کتاب لکھی "جس میں کل حال والیانِ بھوپال کا از ابتدائے ریاست تا زمانۂ نواب سکندر بیگم صاحبہ جو کچھ کہ گزرا مرقوم ہے موسوم بہ سکندر نامۂ غوث" پھر وہاں سے آگرے آیا اور اس شہر میں اس نے "یہ قصہ رنگین مسمیٰ بہ فسانۂ غوث مرتب کیا۔" یہیں مطبع آفتاب قدرت، لوہامنڈی، آگرہ میں یہ کتاب 1280ھ میں چھپ کر شائع ہوئی۔

قصہ اس طرح ہے کہ ملک خوارزم کو بادشاہ ہشام کے دو وزیر، ایک خرد کیش جو حاسد شیطانی صفت تھا اور دوسرا بہرہ ور جو نیک نفس تھا۔ بادشاہ کی ایما سے خرد کیش ایک ایسی عورت کی تلاش میں نکلا جس میں حسنِ دلفریب، عفت و پاک دامنی اور خوش آوازی تینوں صفتیں پائی جائیں۔ وہ اپنے مقصد میں ناکام ہو کر واپس آگیا۔ پھر بہرہ ور نے بادشاہ سے کہا یہ تینوں خوبیاں میری بیوی میں ہیں۔ خرد کیش نے اس بات کو جھٹلانا چاہا لیکن اسے ذلت اٹھانی پڑی۔ اس کو اور اس کی معاون عیارہ کو جس کا نام فتنہ نما تھا بادشاہ نے سولی دلوائی اور بہرہ ور پر انعام کی بارش ہوئی۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے اس داستان کے بارے میں لکھا ہے :

"یہ داستان طبع زاد معلوم ہوتی ہے اور جادو، طلسم اور جن و پری اور مافوق الفطرت عناصر سے خالی ہے۔ اس وقت جبکہ یہ باتیں عام تھیں، یہ اپنی قسم کی پہلی کوشش ہے۔ اسے ہم بہ آسانی ناول کا پیشرو کہہ سکتے ہیں۔ اس کا مرکزی خیال خیر و شر کے تصادم میں خیر کی فتح اور شر کی شکست ہے۔ بعض کردار نہایت جاندار ہیں خصوصاً فتنہ نما کا کردار حد درجہ دلچسپ بھی ہے کتاب کی زبان بوجھل

اور ثقیل ہے۔ عبارت میں عربی و فارسی کے الفاظ کی کثرت ہے۔ کتاب میں
مصنف نے اپنے بڑے بھائی اور مالک مطبع قدرت اللہ کے بہت سے
اشعار درج کیے ہیں پھر بھی عبارت میں کوئی دلکشی نہیں ہے۔''

مصنف کی طرح اس کے بھائی قدرت اللہ کے حالات بھی معلوم نہیں ہو سکے ہیں البتہ قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ اپنے نام کی مناسبت سے وہ قدرت تخلص کرتا تھا۔ ڈاکٹر گیان چند نے ''شمالی ہند کی مثنویوں کی فہرست'' میں ایک مثنوی کا نام اس طرح لکھا ہے :

ایوانِ قدرت　　قدرت اللہ بناری　　مطبوعہ 1866

5- محمد ابراہیم

گیان چند کے بقول عدم کی داستان بھی ''کم اہم حکایتوں اور داستانوں'' میں سے نام اس داستان کا ''گلزار عدم عُرف ترانۂ بلبل خوش تقریر'' ہے۔ 15 مصنف اس کا نیاز محمد ابراہیم عدم تخلص ہے۔ اس نے 1317ھ/ 1899 میں اسے تالیف کر کے آگرے سے شائع کیا۔ ماخذ اس کا مثنوی فخر تجار مصنفہ ظہور علی ظہور رامپوری ہے۔ اس پر گیان چند کا بے موقع اعتراض یہ ہے کہ ''ہیرو کا غیر شاعرانہ نام فخر تجار ہے۔''

ظہور کے نام میں گیان چند نے یہاں غلطی کی ہے۔ ''شمالی ہند کی مثنویوں کی فہرست'' میں انھوں نے اس کی دو مثنویوں کا نام اس طرح لکھا ہے :

(مثنوی)　فخر تجار　　ظہور احمد ظہور دہلوی　قبل 1899

(*)　قصہ نبل والا　ظہور علی ظہور دہلوی　1271ھ

پہلے اندراج میں شاید کاتب سے غلطی ہوئی ہے۔ ظہور کا صحیح نام ''ظہور علی'' اور بہ لحاظ سکونت وہ ''دہلوی'' تھا۔ اس کے تفصیلی حالات تو معلوم نہیں ہوئے۔ البتہ ڈاکٹر سہیل بخاری نے لکھا ہے:

''عدم کے آباواجداد قصبہ بڑھانی ضلع علی گڑھ میں آباد تھے۔ خود عدم سیتاپور میں پیدا ہوئے لیکن آگرے کو انھوں نے اپنا وطن بنا لیا تھا۔ وہ کتاب کے سبب تالیف میں بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ان کے دوستوں نے فرمائش کی کہ مثنوی فخر تجار کو رنگین عبارت میں تحریر کرو.... نیاز محمد ابراہیم متخلص بہ عدم نے

مثنوی فخر تجار مصنفہ ظہور علی متخلص بہ ظہور دہلوی کو 1317ھ/ 1899 میں خلعتِ نثر پہنایا اور مطبع ابر پریس آگرہ میں چھنو لال کاغذی کے اہتمام سے کل 174 صفحات پر بالتصویر طبع ہوئی ایک نام اس کا گلزار عدم اور دوسرا نام ترانہ بلبل خوش تقریر ہے.... اس داستان میں تریا چرتر کے واقعات درج ہیں۔ ایک سوداگر بچہ فخر تجار جونہایت سادہ لوح ہے اپنی فاحشہ زوجہ کے اصرار پر تجارت کی غرض سے سفر پر روانہ ہوا تو زوجہ نے تریا چرتر کا تحفہ لانے کی فرمائش کی واپسی میں اسے معشوق بالو نامی ایک عیارہ اور اس کی دو سہیلیاں اور ایک شہزادی ملی۔ اس نے ان چاروں سے شادی کر لی۔ گھر پہنچ کر معشوق بالو نے اس کی فاحشہ بیوی کا راز فاش کر دیا جس کی پاداش میں فخر تجار نے اس فاحشہ کو قتل کر دیا......داستان کی زبان پر عربی فارسی کا اثر کافی ہے.... قافیہ کا التزام بھونڈا اور مکروہ ہے.... اس میں اسباب تجارت کی فہرستیں دلچسپ ہیں۔ مصنف نے بادشاہ یا شاہزادے کے بجائے ایک سوداگر بچے کو ہیرو بنایا ہے جس کا تعلق طبقۂ عوام سے ہے۔''

۵ - تذکرے

1- محمد نیاز علی

وہ زمانہ تھا جب سندیلہ کے بعض خاندان آگرے میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اوپر شیخ ریاض الدین امجد کا ذکر کیا جا چکا تھا۔ پریشان بھی سندیلہ سے آنے والوں میں سے تھے۔ لالا سری رام نے ان کے حالات میں لکھا ہے :

"پریشان، شیخ محمد نیاز علی پریشان ابن شیخ رجب علی ساکنِ قدیم سندیلہ، مقیم آگرہ، مرزا حاتم علی بیگ مہر کے شاگرد و صاحب تذکرہ شعر و سخن و مثنوی سرمایہ عشق ہیں۔ 1866 میں اڑتیس سال کی عمر تھی اور آگرے میں مشاعرہ کیا کرتے تھے۔" 1

لالا صاحب نے مختلف مقاموں پر اسے تذکرہ کہا ہے مثال کے طور پر :

"سعید، سید سعادت علی ..... آگرہ میں شاعری کی نشو و نما ہوئی۔ مولف تذکرہ شعر و سخن کے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے۔ 1286ھ میں ان کی عمر بیالیس سال کی تھی..... آگرے میں ان کے شاگردوں کی کثرت تھی۔" 2

صحیح یہ ہے کہ یہ تذکرہ نہیں ہے۔ گل دستہ ہے اور اس کا تاریخی نام "شعر و سخن" ہے۔ اس کا سال اشاعت 1286ھ/1869 ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اس کے بارے میں لکھا ہے :

"(پریشان نے) اس کے لیے 16/ اکتوبر 1869 / 10/ رجب 1286ھ کو آگرے میں بہت بڑا مشاعرہ کیا اور اخباروں میں کئی ماہ اشتہار دے کر شعرا کے حالات و طرحی غزلیں جمع کیں۔ اشتہار میں شعرا سے خصوصی گزارش کی گئی تھی کہ وہ اپنے حالات میں اپنا اصل نام، تخلص، ولدیت، نام استاد، مدت شاعری، سکونت اور مشغلہ تصنیف و تالیف تفصیل سے ضرور درج کریں۔ اس مشاعرے کے لیے فارسی، اردو دونوں کے لیے طرحی مصرعے الگ الگ دیے گئے تھے۔"

اس میں شبہ نہیں کہ اس گل دستہ میں متعدد شاعروں کے بارے میں ضروری معلومات جمع ہو گئی تھیں لیکن شاعری کے طور میں کوئی جدت کی صورت سامنے نہیں آئی تھی۔

2- حاتم علی بیگ

مرزا حاتم علی بیگ نے بھی "محیط آشنا" کے نام سے شاعروں کا ایک تذکرہ مرتب کیا تھا۔ ڈاکٹر حنیف نقوی نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

"محیط آشنا۔ یہ ان شعرا کا تذکرہ تھا جن سے مہر کی ملاقات ہو چکی تھی۔ خود نوشت میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ جمادی الاولی 1286ھ/ اگست 1869 سے قبل مرتب ہو چکا تھا۔ یہ تذکرہ طبع نہ ہو سکا اور اب بظاہر اس کا قلمی نسخہ بھی کسی کتب خانے میں محفوظ نہیں ہے۔"4

حاتم علی مہر کا ایک اور تذکرہ 'ایاغ فرنگستاں' ہے۔ ڈاکٹر حنیف نقوی نے اس سے متعلق تحریر کیا ہے:

"ایاغ فرنگستاں ... یہ ان گورنروں اور لفٹنٹ گورنروں کا مختصر تذکرہ ہے۔ جنھوں نے برطانوی مقبوضات اور صوبہ شمال مغرب پر حکومت کی۔ یہ کتاب "بحضور جناب سر ولیم میور صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی بطور یادگار، پیش کش کے لیے 1873 میں مطبع مفید عام آگرہ میں بڑی تقطیع کے باون صفحات پر نہایت خوشخط جلی قلم میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ ایاغ فرنگستاں اس کا "اسم تاریخی" ہے۔ اس سے بھی 1873 ہی برآمد ہوتا ہے۔"5

اس میں بظاہر ان انگریز حکام کے ایسے کاموں کا بھی ذکر مل سکتا ہے جن کا زبان اردو سے کسی طور پر تعلق ہوگا۔

و - ڈراما

انگریز حکام کی کثرت کے سبب سے ڈرامے کے لیے شہرآگرے کی فضا سازگار ہوگئی تھی۔ حافظ محمد عبداللہ اور اُن کے شاگرد رشید مرزا نظیر بیگ نظیر اکبرآبادی کی کاوشوں نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ اس شہر کو تھیٹر کے ایک قابل ذکر مرکز کا درجہ حاصل ہوگیا تھا۔ اس زمانے میں حافظ عبداللہ کی ''لائٹ آف انڈیا تھیٹریکل کمپنی آگرہ کو اطراف ملک میں خاصی شہرت مل گئی تھی۔ 1

1- مرزا نظیر بیگ

مرزا نظیر بیگ نظیر کے والد مرزا اشرف بیگ محلّہ زین خانہ شہر آگرہ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے اپنے نام کی مناسبت سے یا شاید آگرے کے معروف استاد نظیر اکبرآبادی سے عقیدت کے سبب سے اپنے لیے بھی تخلص نظیر پسند کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈرامے سے ان کی دلچسپی خداداد تھی۔ 15/ دسمبر 1882 کو انھوں نے حافظ عبداللہ کی ''انڈین امپیریل تھیٹریکل کمپنی فتح پور'' میں ملازمت اختیار کی اور پھر حافظ صاحب کے شاگرد ہوگئے۔ پھر بتدریج ترقی کرکے وہ 1891 میں ''پارسی جوبلی تھیٹریکل کمپنی'' میں ڈائرکٹر ہوگئے۔ 2 چند سال مزید تجربہ حاصل کرلینے کے بعد انھوں نے خود اپنی ''بے نظیر اسٹار آف انڈیا تھیٹریکل کمپنی آگرہ دہلی گڑھ'' کے نام سے قائم کی لیکن وہ زیادہ مدّت تک چل نہ سکی۔

الف۔ نتیجۂ محبت – یہ مرزا نظیر بیگ کے ابتدائی ڈراموں میں سے ہے۔ پورا نام اس کا ''ستم عشق والفت عُرف نتیجہ محبت'' ہے۔ خود مصنف کا اس کے بارے میں کہنا ہے :

''اس کا قصہ مشہور مثنوی زہر عشق مصنفہ نواب مرزا شوق سے ماخوذ ہے۔
ماہ فروری 1892 میں شہر پیلی بھیت میں بہ زبانِ فصیح اردو نظم ونثر لکھا گیا تھا۔''3

ب۔ چتر ابکاولی – یہ دراصل کریم الدین مراد بریلوی کا ڈراما تھا۔ نظیر نے فتح گڑھ میں اس میں معمولی ردوبدل کر کے اسے اپنے طور پر مرتب کرلیا تھا۔ اس کے اسٹیج کیے جانے کا سال 1894 بتایا گیا ہے۔4 قصہ اس کا قصہ بکاؤلی وتاج الملوک سے ماخوذ ہے۔

ج۔ بھول بھلیاں – یہ شیکسپیئر کے مشہور ڈراما5 ''دی کامیڈی آف اررس'' کا نظیر بیگ کا کیا ہوا اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ پہلی مرتبہ 1896 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔

د۔ آئینہ دل فروش – یہ بھی ولیم شیکسپیئر کے ایک ڈرامے کا اردو ترجمہ ہے6 اصل ڈرامے کا عنوان ''دی مرچنٹ آف وینس'' ہے۔ مترجم اس کے بھی نظیر بیگ ہیں۔ یہ ترجمہ پہلی دفعہ 1898 میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا تھا۔

ہ۔ الہ دین کا چراغ7 یہ بہت معروف ڈراما ہے۔ آرام اور حافظ عبداللہ وغیرہ اسے اسٹیج کر چکے تھے۔ نظیر بیگ نے اپنے طور پر ترمیم وتنسیخ کر کے اسے پہلی مرتبہ 1898 میں اسٹیج کیا تھا۔

اپنی کمپنی کے بند ہو جانے کے بعد نظیر بیگ موقع بہ موقع مختلف تھیٹریکل کمپنیوں سے وابستہ رہے تھے۔ سطور بالا سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نظیر بیگ نے عموماً دوسرے مصنفین کے اور پرانے ڈراموں کو اپنے مزاج اور ضرورت کے مطابق تبدیل کر کے اسٹیج کیا تھا۔ ان کے ڈراموں میں مکالمے بیشتر منظوم ہوتے تھے۔ نثر کا استعمال نسبتاً بہت کم ہوتا تھا۔ شاید یہ بھی ایک بڑی وجہ تھی کہ ان کے ڈرامے خاص وعام میں مقبول ہوئے تھے۔

د۔ ست ہریش چندر8 نظیر بیگ کے اس ڈرامے کا پورا نام اس طرح ہے :

''8 ست ہریش چندر ناٹک نظیر عُرف تماشائے گردشِ تقدیر'' کہا گیا ہے کہ یہ ڈراما ایک مرتبہ چھپ کر شائع ہوا تھا۔

ز۔ رومیو جولیٹ۔ یہ ولیم شیکسپیئر کے مشہور ڈرامے 9 کا نظیر بیگ کا کیا ہوا اردو ترجمہ ہے۔ اس کا پورا نام اس طرح پر آیا ہے :

''رومیو جولیٹ آف شیکسپیئر عُرف عشق فیروز لقا گلنار سیر''

یہ ترجمہ پہلی مرتبہ 13 رفروری 1904 کو زیورِ طبع سے آراستہ ہوا تھا۔

ح۔ کھیل ہیملٹ نوایجاد۔ اپنے اس ڈرامے 10 کے تعارف میں خود مرزا نظیر بیگ نے تحریر کیا ہے:

''اس ناٹک کا قصہ میں نے خاص ایک تصنیف شدہ کتاب مسٹر شیکسپیئر صاحب کی نامی گرامی ڈراما نسٹ سے لے کر ترتیب دیا ہے...... چند غزلیں نامی گرامی شاعروں کی بھی ہیں جو بعد ضروری ترمیم کے اس میں داخل کی ہیں۔''

مرزا نظیر بیگ نے اپنے ڈراموں کے دیباچوں میں صاف لفظوں میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان کے پلاٹ اور موضوع نظیر بیگ کے طبع زاد نہیں ہیں۔ اتنا ہی نہیں، انھوں نے حسب موقع گیتوں وغیرہ کے بارے میں بھی ایمانداری سے تسلیم کرلیا ہے کہ وہ دوسرے شاعروں کے ہیں البتہ ان کا کہنا ہے کہ :

''میں نے ہر ایک چیز کی دھن تال کو فنِ موسیقی کے اعتبار سے قائم کیا ہے۔''

محمد عمر نورالٰہی نے نظیر بیگ اکبر آبادی کے ذکر میں لکھا ہے :

''ذیل میں ایک فہرست ان ڈراموں کی دی جاتی ہے جن کے بارے میں ظنِ غالب ہے کہ نظیر ہی کی تصنیف سے ہیں: فسانۂ عجائب، سروشِ سخن، ابوالحسن، نل دمن، رام لیلا، ماہی گیر۔'' 11

ان کے علاوہ ذیل کے دو ڈرامے بھی نظیر سے منسوب ہیں :

12 کرشن مُراری 13 اور بہارِ عشق

ڈاکٹر عبدالعلیم نامی نے نظیر بیگ کے ڈراموں کی تعداد بتیس بتائی ہے لیکن محققین نے ان کے علاوہ ایک دو ڈرامے اور بھی نظیر سے منسوب کیے ہیں۔

ح - مطبعے

اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے زمانے میں ہی آگرے میں چھاپہ خانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی انگریزی اور فارسی میں یکے بعد دیگرے اخبار بھی نکلنے لگے تھے۔ بہادر شاہ ثانی کے عہد میں آگرے میں کئی مطبعے قائم ہو گئے تھے۔ اردو کے اخبار بھی جاری ہو گئے تھے اور مختلف موضوعات سے متعلق فارسی، اردو وغیرہ زبانوں کی کتابیں بھی شائع ہونے لگی تھیں مثلاً

فضائل الشہدا از کلب حسین خاں نادر   خالق باری از امیر خسرو

دیوانِ تفتہ مصنفۂ مرزا ہر گوپال تفتہ   خلاصۂ گورنمنٹ گزٹ مرتب متالال

1857 کے ہنگاموں میں آگرے میں بھی ایک جماعت بہت پریشان ہو گئی تھی۔ کاروبار بھی ان کا برباد ہو گیا تھا۔ لیکن بعض لوگوں کے معاملات میں کوئی خرابی کی صورت معلوم نہیں ہوتی ہے۔ دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ آگرے میں انگریز حکام کی خاصی تعداد تھی۔ ان کی ضرورتوں کے لیے بھی چھاپے خانے لگائے گئے تھے۔ ان میں سے دو یہ ہیں :

1- مطبع دہلی گزٹ

1۔ یہ 1862 میں قائم کیا گیا تھا۔ اسی سال میں گزٹ چھپنا شروع ہو گیا تھا۔ مالک اس کا ولیم ڈیگو نامی ایک شخص تھا۔

2- مطبع سکندرہ

ضلع آگرہ - یہ چھاپہ خانہ بھی 1862 میں لگایا گیا تھا۔ اس کے مالک پادری سی بی ڈبلی تھے۔ 1857 کے بعد آگرے میں ہندستانیوں کے بکثرت مطبعے کام کر رہے تھے۔ یہاں ان میں سے بعض کے کوائف کا مختصراً بیان کیا جاتا ہے :

3- مطبع مفید خلایق

منشی شیونراین آرام نے 1856 میں یہ مطبع قائم کیا تھا۔ آرام کے حالات لکھے جا چکے ہیں۔ خود آرام اور ان کے بزرگوں اور عزیزوں نے سرکار انگریزی کی جو خدمات انجام دی تھیں جناب مالک رام نے ''تلامذۂ غالب'' میں ان کا صراحت سے ذکر کیا ہے۔ آرام نے اپنے اس مطبع سے ایک پندرہ روزہ گل دستہ ''معیار الشعرا'' کے نام سے جاری کیا تھا۔ پھر 1857 میں انھوں نے ایک ماہوار رسالہ ''بغاوت ہند'' کے نام سے نکالا تھا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ یہ مطبع تھوڑی سی مدت تک بند رہ کر پھر کام کرنے لگا تھا۔ شروع میں یہ مطبع آگرہ کالج کے احاطہ میں تھا، پھر ایک دوسری عمارت میں منتقل ہو گیا۔ 1858 میں اسی مطبع سے ایک اردو اخبار ''مفید خلایق'' اور اس کا ہندی حصہ ''ستیہ پرکاش'' نکلنے لگا تھا۔ یہ اخبار ہفت روزہ تھا، اور سات سو سے بھی زیادہ تعداد میں چھپتا تھا۔

4- مطبع مفید عام

لالا سری رام کے تذکرے میں اس مطبع کے مالک کے حالات اس طرح سے درج ہیں :

> ''صوفی، منشی احمد خان خلف محمد زماں خاں مالک مطبع مفید عام آگرہ تھے۔ مولوی غلام امام شہید سے تلمذ تھا۔ عالم شباب میں گوالیار جا کر مہاراجا سندھیا کے ملازم ہوئے۔ غدر کے کئی سال بعد آگرہ آئے اور مطبع مفید عام جاری کیا۔ 1296ھ میں چھیالیس سال کی عمر تھی۔ عرصہ ہوا انتقال فرمایا۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور پیرانہ سالی میں بھی زندہ دلی کا دم بھرتے تھے۔ بلقیس، فریادِ دل، خلجان، فسونِ مائل نامی مثنویاں ان کی تصنیف سے ہیں...''[4]

ان کے دو شعر یہ ہیں ؎

برنگِ سبزہ جو اٹھے وہ پامالِ شتا ٹھہرے　　　　کوئی کیا خاک اس عالم میں آئے اور کیا ٹھہرے

خدا کے واسطے صوفی غرورِ زہد کم کیجیے　　　　بُتوں سے دل لگا کر تم تو حضرت پارسا ٹھہرے

جناب بشارت فروغ نے ان کی ایک تصنیف 5 ''حسن وعشق'' اور 6 مولود شریف جدید کا بھی ذکر کیا ہے اور ان کا سالِ وفات 26/ نومبر 1891 بتایا ہے۔

نادر علی خان نے اس مطبع کے اجرا کا سال 1869 بتایا ہے اور لکھا ہے کہ 7 اسی سال میں ایک اخبار'' مفید عام'' بھی جاری ہوا۔ یہ مطبع نفاست اور صحت طباعت کے لیے پورے ملک میں مشہور اور ممتاز تھا۔

5- مطبع اسلام

مولوی وارث علی نے 1893 میں مطبع اسلام آگرہ مہتم کی حیثیت سے جاری کیا تھا۔ اسی مطبع سے وہ ایک اخبار ''اسلام'' کے نام سے نکالتے تھے۔ اس اخبار کے مشمولات کا اندازہ اس کے نام سے کیا جا سکتا ہے۔

ooo

حواشی

الف۔ شاعری

1-	گلستانِ سخن	حصہ 1	ص 273
2-	ایضاً	حصہ 1	ص 357
3-	ایضاً	حصہ 1	ص 523
4-	خم خانۂ جاوید	جلد 3	ص 566
5-	گلستانِ سخن	حصہ 2	ص 16
6-	خم خانۂ جاوید	جلد 4	ص 209
7-	خم خانۂ جاوید	جلد 4	ص 216
8-	گلستانِ سخن	جلد 1	ص 529 تا 530
9-	خم خانۂ جاوید	جلد 3	ص 621
10-	گلستانِ سخن	حصہ 2	ص 88 تا 90
11-	ایضاً	حصہ 2	ص 401
12-	ایضاً	حصہ 2	ص 323

13-	تلاش وتعارف		ص 125
14-	ایضاً		ص 107
15-	گلستان سخن	حصہ 1	ص 351
16-	شمخانۂ جاوید	جلد2	ص 132
17-	تلامذۂ غالب		ص
18-	ہندستانی پریس		ص 52
19-	گلستان بے خزاں		ص 57
20-	شمخانۂ جاوید	جلد2	ص 35
21-	تلامذۂ غالب		ص
22-	ہندو شعرا		ص 95
23-	تلامذۂ غالب		ص
24-	وفیات مشاہیر اردو		ص 609
25-	تلامذۂ غالب		ص

ب - تاریخ وعروض

1-	تلاش وتعارف		ص 143
2-	ایضاً		ص 173 تا 175
3-	ایضاً		ص 143 تا 144
4-	شمخانۂ جاوید	جلد6	ص
5-	ایضاً	جلد5	ص 437
6-	کتابی دنیا		ص 53
7-	قاموس الکتب	جلد2	ص 380

ج - سوانحات

1-	آصفیہ کے اردو مخطوطات	جلد1	ص 227

-2 وفیات مشاہیر اردو ص 324

-3 قاموس الکتب جلد2 ص 157

-4 ایضاً جلد2 ص 226

-5 مہدویوں کا حصہ ص 17، 165

-6 سخن شعرا ص 198

-7 سرور یاض ص 47

-8 ایضاً ص 13

-9 ایضاً ص 8

د - داستان

-1 اردو داستان ص 225

-2 اردو کی نثری داستانیں ص 877

-3 دہلی کے اردو مخطوطات ص 33 تا 34

-4 خم خانۂ جاوید جلد2 ص 32

-5 اردو داستان ص 226

-6 ایضاً ص 227 تا 228

-7 نثری داستانیں ص 878

-8 اردو داستان ص 279 تا 281

-9 ایضاً ص 225

-10 وفیات مشاہیر اردو ص 95

-11 اردو کی نثری داستانیں ص 879

-12 ایضاً ص 875

-13 اردو داستان ص 276

-14 نثری داستانیں ص 877

15-	ایضاً		ص 882
16-	اردو داستان		ص 334 تا 336

ہ - تذکرے

1-	خم خانۂ جاوید	جلد 2	ص 10
2-	ایضاً	جلد 4	ص 209
3-	اردو شعرا کے تذکرے		ص 43
4-	تلاش و تعارف		ص 144
5-	ایضاً		ص 147

و - ڈراما

1-	تاریخ ادبیات مسلمانان	جلد 4	ص 415
2-	اردو اسٹیج ڈراما		ص 163
3،4-	تاریخ ادبیات مسلمانان	جلد 4	ص 430
5-	کتابیات تراجم	حصہ 2	ص 79
6-	ایضاً	حصہ 2	ص 74
7-	تاریخ ادبیات مسلمانان	جلد 4	ص 430
8-	اردو اسٹیج ڈراما		ص 164
9-	کتابیات تراجم	حصہ 2	ص 89
10-	اردو اسٹیج ڈراما		ص 164
11-	ناٹک ساگر		ص 371
12-	برصغیر کا ڈراما		ص 228
13-	تاریخ ادب اردو	حصہ نثر	ص 153
14-	اردو اسٹیج ڈراما		ص 163

ح - مطبعے

1،2-	ہندستانی پریس		ص 55
3-	ایضاً		ص 52
4-	خُم خانۂ جاوید	جلد 5	ص 349
5،6-	وفیات مشاہیر اردو		ص 384،27
7-	ہندستانی پریس		ص 55

18-بندیل کھنڈ

i- کالپی

ii- باندہ

iii- چرکھاری

iv- مہوبا

	بندیل کھنڈ		555
	الف - شاعری		557
	کالپی		557
1-	بیتاب-	احمد بخش خاں	557
2-	قلق-	محمد امجد علی	558
3-	ثغق-	محمد سعدالدین خاں	558
4-	شفیق-	خواجہ نورالدین خاں	559
5-	ہاشمی-	محمد نادر حسین خاں	560
6-	عسکری-	محمد حسن عسکری	560
	باندہ		563
1-	علی-	نواب علی بہادر	565
2-	نادر-	مرزا عباس بیگ	565
3-	گوہر-	احمد علی خاں	566
4-	دلیر-	نواب امراؤ بہادر	566
5-	شرقی-	منشی سید ابوالحسن	567
	چرکھاری		569

-1	شاکر۔	سید شاکر حسین	569
-2	کوثر۔	سید اصغر علی	570
-3	شرر۔	منشی عزیز احمد خاں	570
-4	شعلہ۔	مولوی محمد یحییٰ علوی	570
		مہوبا	571
-1	شایاں۔	نیم نراین	571
-2	اخگر۔	احمد نور خاں	571
		دیگر	573
-1	ظہور۔	منشی محمد ظہور خاں	573
-2	نجم۔	سید نجم الدین علی خاں	573
		ب - ڈراما	575
	حواشی		578

بندیل کھنڈ

شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی کے زمانہ میں نواب غازی الدین خاں عمادالملک نظام تخلص نے پریشان حالی میں کالپی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس زمانے میں بھی ان کی سخن شناسی کی دھوم تھی۔ انشاء اللہ خاں انشا کے حالات میں مذکور ہے کہ :

> ''(انھوں نے) سال گذشتہ (یعنی 1214ھ/1800-1799 میں) ایک قصیدہ زبانِ ریختہ میں غیر منقوط یعنی جن کے اشعار میں کوئی حرف صاحب نقطہ نہیں ہے۔ نواب عمادالملک کی مدح میں لکھ کر کالپی بھجوایا اور صلے میں اس کے انعام تحسین و آفرین کا بہت سا پایا۔'' 1

غازی الدین خاں ہفت زباں ہفت قلم ہونے کے علاوہ اپنے زمانے میں ''بادشاہ گر'' بھی رہے تھے۔ بے سروسامانی کے باوجود ان کے فیض سے کالپی کو رونق حاصل ہوئی۔ ان کی اولاد بھی نسلاً بعد نسلٍ یہیں سکونت پذیر رہی اور ان کی سرپرستی میں اس علاقے میں علوم وفنون اور شعروادب پھلتے پھولتے رہے۔

کم وبیش اسی زمانے میں انگریزوں نے مرہٹوں کو شکست دے کر دریائے کین کے مشرق و مغرب کے علاقے پر دور تک قبضہ کر لیا اور اس خطہ کو بندیل کھنڈ نام دیا۔ 2 باندہ اس کا

صدر مقام ہوا اور باندہ کے نواب شمشیر بہادر انگریزوں کے وظیفہ خوار ہو کر رہ گئے۔

نواب شمشیر بہادر کے زمانہ میں جاگیر کا سارا کام کاج مراٹھی زبان میں ہوتا تھا۔ ان کے انتقال 24-1823 کے بعد نواب ذوالفقار علی مسند نشین ہوئے تو اس علاقے میں زبان اردو کو پنپنے کا موقع ملا۔ اسی زمانے میں سعادت یار خاں رنگین باندہ میں آئے اور ان کے بعد بندیل کھنڈ کے علاقے میں اردو نظم و نثر کا رواج ہوا۔

الف - شاعری

کالپی

انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں بندیل کھنڈ کے علاقے میں علم ودانش کے دو قابل ذکر مرکز وجود میں آ چکے تھے: کالپی اور باندہ۔

نواب غازی الدین خاں کے اخلاف کی جاگیر کالپی سے ملحق قصبہ کدورا میں تھی۔ وہیں یہ لوگ مقیم تھے۔ اس جگہ کے بعض شاعروں کا احوال تحریر کیا جاتا ہے۔

1- بیتاب۔ احمد بخش خاں

ڈپٹی کلب حسین خاں نادر نے ان کے بارے میں تحریر کیا ہے :

''بیتاب تخلص افضل الدولہ، منتظم الملک نواب احمد بخش خان بہادر، از عزیزان عماد الملک نواب غازی الدین خاں وزیر دہلوی، مقیم قصبہ کدورا ضلع کالپی، صاحب دیوان۔'' 1

محسن اور نساخ کے تذکروں میں ان کے نام کے ساتھ ''مرحوم'' لکھا ہے 2 جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انتقال بہت پہلے ہو چکا تھا۔ ان کی ایک غزل جو کلب حسین خاں نادر نے نقل کی،

غالبًا طرحی تھی۔ اس کے شعروں میں اس زمانے کے خلفشار کا اثر دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں صرف دو شعر درج کیے جاتے ہیں ۔

نہیں ہے آج جو وہ گلعذار پہلو میں — اچھل رہا ہے دلِ بیقرار پہلو میں
نہ منہ سے اُف کبھی نکلے ہمارے اے قاتل — لگائے گن کے جو خنجر ہزار پہلو میں

2- قلق۔ محمد امجد علی

مرزا قادر بخش صابر کے تذکرے میں قلق کا ذکر اس طرح چھپا ہے :

''قلق تخلص ہے سید والا حسب، عالی نسب، محمد امجد علی ولد سید علی کا۔ وطن اس کے آباو اجداد کا شاہجہاں آباد، مگر بقلیب ادوار سے اقامت بزرگوں کی لکھنؤ۔ یہ سید بلند مرتبت عین ایام شعبان میں وارد کالپی۔۔۔۔فنون نظم میں قدرتِ تمام حاصل ہے۔''3

معلوم ہوتا ہے کہ قلق کے والد کا نام غلط چھپ گیا ہے۔ یہ بیشتر تذکروں میں ''محمد علی'' ہے۔ محسن کے تذکرے میں بھی ہے :

''میر امجد علی قلق ولد میر محمد علی، مولد ان کا لکھنؤ، مسکن کدورا جاگیر نواب امیر الملک توابع ضلع کالپی۔ ان کے بہت شاگرد اپنے عہد کے اس موضع میں استاد ہیں۔ صاحب دیوان شاگرد فخر الملک نواب میر منو بیتاب۔''4

ان کے دو شعر نمونہ کے طور پر لکھے جاتے ہیں ۔

وہ صاف دل ہوں میں کہ پس از مرگ بھی مرے — مرقد پہ بیٹھنا نہیں ممکن غبار کا
کم ہمتی سے تو نہ گیا، ورنہ اے قلق — ملکِ عدم کو قافلے تھوڑے نہیں گئے

3- شفق۔ محمد سعد الدین خاں

''شفق تخلص۔۔۔۔انور الدولہ سعید الملک نواب محمد سعد الدین خان بہادر صولت جنگ خلف نواب احمد بخش خان بہادر بیتاب ابن نواب ناصر الدولہ بہادر ناصر تخلص ولد وزیر الملک نواب عماد الملک نظام تخلص۔۔۔۔فنِ سخن میں سید امجد علی قلق سے استفادہ کیا ہے۔ خاک لطافت بنیاد کالپی کو ان کے قدوم بہار توام سے۔۔۔۔ناز ہے۔''5

اور محسن کے تذکرے میں ان کے بارے میں جو لکھا ہے، یہ ہے :

''شفق تخلص، نواب انورالدولہ سعیدالملک.... عرف منجھلے صاحب خلف نواب احمد بخش خاں بہادر عرف میرمنو بیتاب، عزیزوں میں نواب امیرالملک نواب باونی ضلع کالپی مغفور کے جو اولاد میں نواب غازی الدین خاں کی ہیں باشندۂ کدوراضلع کالپی، صاحب دیوان شاگرد میرامجد علی قلق''6

لالا سری رام نے ان کے بارے میں اس طرح رائے درج کی ہے :

''شفق ... شاعر گرامی قدر، مصنف چشمہ فیض اور صاحب دیوان تھے۔ مرزا غالب سے خط وکتابت رہتی تھی.... طرز بیان مرغوب اور خوش اسلوب ہے۔''7

اس میں یہ اشارہ نہیں ہے کہ شفق نے مرزا غالب کے شاگردی اختیار کر لی تھی البتہ مالک رام نے صاف لکھا ہے کہ ''بعد میں مرزا غالب سے مشورہ کرنے لگے تھے۔''

ان کی غزل کے کچھ شعر یہ ہیں ؎

گھر سے وحشت میں نکلتے ہی وطن بھول گئے — یہ فضا دشت کی دیکھی کہ وطن بھول گئے

یہ ضعف ہے کہ سانس کا لینا محال ہے — بارگران ہے روح تن زار کے لیے

برنگِ نقش قدم جسم رہ گیا ہر جا — چلا قضائے عدم کو جو قافلہ دل کا

4- شفیق- خواجہ نورالدین خاں

انورالدولہ شفق کے چھوٹے بھائی شفیق کا ذکر محسن کے تذکرے میں اس طرح آیا ہے :

''شفیق تخلص، نواب خواجہ نورالدین خاں عرف سانولے صاحب، برادر حقیقی نواب محمد سعدالدین خاں شفق خلف نواب احمد بخش خاں بہادر بیتاب، عزیزوں میں نواب امیرالملک کے، باشندہ موضع کدوراضلع کالپی، صاحب دیوان، شاگرد رشید امجد علی قلق''8

مرزا قادر بخش صابر نے اپنے تذکرے میں ان کا حال فروغ تخلص کے ساتھ تحریر کیا ہے9 اس سے ظاہر ہے کہ ان کے یہ دو تخلص تھے۔ کلام کا انداز یہ ہے ؎

محشر میں سراٹھا نہیں سکتے ہیں شرم سے — بے شرم اے شفیق ہماری خدا کے ہاتھ
روئے روشن کے تصور میں جو غش آیا مجھے — آنکھ میں بدلے اندھیرے کے اجالا ہو گیا
گیا افلاس لیکن پستی طالع نہیں جاتی — دیا حصہ فلک نے مجھ کو قارون کے خزانے کا

معلوم ہوتا ہے کہ شفیق کو مضمون تازہ کی تلاش اور روزمرّہ کے صَرف کا شوق تھا۔ وہ بات میں سے بات بھی پیدا کرتے تھے۔

5- ہاشمی- محمد نادر حسین

عبدالغفور خاں نساخ نے ان کے ذکر میں بس اتنا لکھا ہے :

''ہاشمی تخلص محمد نادر حسین خاں خلف شیخ فرخ حسین حرماں تخلص، نائب واستاد نواب محمد حسین خاں رئیس کالپی۔''[10]

مرزا قادر بخش صابر نے ضمناً حرماں اور نواب محمد حسین کے تعلق کو بھی بہتر طور پر ظاہر کیا ہے۔ لکھا ہے:

''ہاشمی تخلص، محمد نادر حسین خاں.... گل زمین کالپی میں رئیس کامگار اعظم الدولہ نصیر الملک نواب محمد حسین خان بہادر کی سرکار میں نیابت سے سرفراز..... پدر عالی وقار اس کا شیخ فرخ حسین حرماں تخلص....رئیس ممدوح اور اس کے والد ماجد مغفور ناظم الدولہ نواب امیر الملک بہادر ظفر جنگ کی استادی کے شرف سے مشرف تھا۔''[11]

سرو اس قامتِ موزوں پہ فدا ہوتا ہے — رنگِ گل دیکھتے ہی رخ کو ہوا ہوتا ہے
فاتحہ خواں ہوئی روحِ مجنوں پر — ہے برادر پہ حق برادر کا
ہاشمی دیکھیے کیا پائے قرار آخر کار — عشق اور عقل میں دن رات ہے جھگڑا رہتا

6- عسکری- محمد حسن عسکری

''عسکری تخلص....محمد حسن عسکری کہیں برادر دلبند نادر حسین خاں ہاشمی تخلص... حضرت استادی استادالا نامی نے درج تذکرہ کے واسطے...اشعار طلب کیے۔ ایک غزل قطعہ بند مسمّیٰ ''بذریعہ نیاز'' اپنے افکار گوہر نثار کے ساتھ شہر

کالپی سے بھیجی.....اس کو نذر نگاہ احباب کرتا ہوں.... ''

عسکری کے امام بخش صہبائی کے ساتھ اچھے روابط تھے۔ یہ بات اس حقیقت کی غمازی کرتی ہے کہ دہلی کے شعری اور ادبی حلقوں میں بھی عسکری باعزت طور پر معروف تھے۔ ان کے چند شعر یہ ہیں ۔

چھوٹا نہ عسکری کبھی دل اس کے دام سے　　زلف اس کی اک نمونہ ہے قید فرنگ کا
آمد گل ہے طرب ساز ، صبا پھرتی ہے　　بلبلو مژدہ کہ گلشن کی ہوا پھرتی ہے

بذریعہ نیاز

ہے ظفر شاہ جو ملکِ سخن آرائی کا　　اس کے در پر ہے مجھے شوق جبیں سائی کا
ذوق ہے زمزمہ پیرائے گلستانِ سخن　　چاشنی گیر ہوں میں اس کی شکر خائی کا
اسدِ کلک فصاحت کا میں اس کے ہوں شکار　　شیر غالب ہے نیستانِ سخن زائی کا
فیض سے اس کے نہ کیونکر ہو مرے دل کو سرور　　جام لبریز لطافت سے ہے صہبائی کا

باندہ

نواب شمشیر بہادر ثانی ابن نواب علی بہادر اول کی وفات کے بعد ان کے مختلف البطن بھائی نواب ذوالفقار علی 1823 میں مسند نشین ہوئے۔ یہ مذہب پسند اور علم دوست رئیس تھے چنانچہ ان کے صاحبزادے علی بہادر بھی کمسنی میں نہ صرف شعر کہنے لگے تھے بلکہ حافظ قرآن پاک بھی ہو گئے تھے۔ کسی سلسلے میں ان کا کانپور جانا ہوا۔ وہاں منیر شکوہ آبادی سے ملاقات ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے سے متاثر ہوئے۔ نوعمر اور نومشق شاعر نے منیر کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ اسی زمانے میں منیر باندہ گئے۔ یہ واقعہ 1848 کا ہے۔

علی بہادر نے حافظ کر لیا اس موقع پر بڑا جشن ہوا۔ منیر نے بھی قصید لکھا۔ ایک شعر یہ ہے ؎

ہزاروں حافظ و قاری کا ہے وہاں مجمع   بڑے بڑے علما اور صاحبانِ کمال

اس سے باندہ کے ماحول کا اندازہ کیا جانا چاہیے۔ منیر نے چند تاریخیں بھی کہی تھیں۔ ایک یہ ہے ؎

ہجری و عیسوی سنین وصفِ حضور میں   حافظ مصحف مجید   خرمنِ فیض آپ ہیں

1264ھ / 1848

منیر نے باندہ میں اسی سال میں اپنا پہلا دیوان ''منتخب العالم'' مرتب کیا تھا۔علی بہادر نے بھی اس کی تاریخ کہی تھی۔

فکرِ علی کو نامِ تاریخی کی　　ہاتف نے کہا　　منتخب العالم لکھ

1264ھ

اس موقع پر باندہ میں منیر کا قیام مختصر رہا۔وہ اسی سال میں فرخ آباد چلے گئے تھے۔

دوسرے سال یعنی 1265ھ/1849 (ماہ صفر کے بعد، غالباً سال کے آخری مہینوں میں) نواب ذوالفقار علی نے وفات پائی۔علی بہادر ان کی جگہ مسند نشین ہوئے۔علی بہادر 1250/1835ھ (ماہ رمضان یا اس کے کچھ بعد) پیدا ہوئے تھے۔اپنے والد کی وفات کے وقت یہ پندرہ سال پورے کر کے سولھویں سال میں لگ گئے تھے۔اس کے دو برس بعد جب علی بہادر انگریزی حکومت کے ضابطہ کے مطابق بالغ ہو گئے تو ان کو نوابی کے حقوق حاصل ہوئے۔جشن ہوا۔منیر نے قصیدہ لکھا۔نواب علی بہادر نے 14/اگست 1873 کو بنارس میں رحلت کی۔

حافظ نواب علی بہادر صاحب دیوان شاعر ہونے کے علاوہ ایک مثنوی ''مہر و ماہ'' کے بھی مصنف تھے ان کے متوسلین میں کئی شاعر تھے۔مرزا اسد اللہ خان غالب سے بھی ان کی خط و کتابت تھی چنانچہ ان کے یہ شعر مشہور ہیں۔

غالب خدا کرے کہ سوار سمند ناز　　دیکھوں علی بہادر عالی گہر کو میں

مرزا غالب کے حالات میں یہ واقعہ توجہ طلب ہے کہ کلکتہ جاتے ہوئے، جب وہ لکھنؤ پہنچے اور وہاں کے معاملات سے انھیں مایوسی ہوئی تو انھوں نے باندہ کا رخ کیا۔وہ نواب ذوالفقار علی کا زمانہ تھا۔مرزا نے نواب اور ان کے بعض متعلقین کے ساتھ اپنی رشتہ داریوں کو ظاہر کیا اور مولوی محمد علی خاں صدر امین باندہ کے ساتھ اچھے روابط قائم کر لیے اور اس طرح انھوں نے اپنے سفر کلکتہ کے اخراجات کا بندوبست کر لیا۔یہ بھی خیال کیا گیا ہے کہ مرزا نے مولوی محمد علی خاں وغیرہ کے اثر سے ہی فارسی میں شعر گوئی کی طرف خصوصی توجہ کی تھی۔

اس تفصیل کے بعد اس زمانہ کے باندہ کے چند شاعروں کا مجملاً ذکر کیا جاتا ہے۔

1- علی- نواب علی بہادر

سید محسن علی محسن موسوی نے ان کا تعارف اس طرح کرایا ہے :

'' عالی دودمان، حافظ قرآن، اشرف الامرا، رئیس باندا، نواب علی بہادر علی تخلص ولد نواب ذوالفقار علی بہادر، اولاد میں سلاطینِ دکھن کے، ملقب بہ پیشوا، صاحب دیوان اور مثنوی مہر و ماہ شاگرد سید اسماعیل حسین منیر۔''

1857 کے ہنگاموں میں نواب مذکور بھی پریشان ہوئے اور 1858 میں باندہ کو چھوڑ کر اندور چلے گئے۔ آخر میں بنارس گئے اور وہیں وفات پائی۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

خیالِ زلف میں ہے رنجِ بے حساب میں روح بلا میں ہے دلِ آشفتہ پیچ و تاب میں روح
ہمیں سمجھتے ہیں اس رنگِ سرخ کی تہ کو عتاب چہرے سے ظاہر ہے پیار دل میں ہے

2- نادر- مرزا عباس بیگ

امیر مینائی کے تذکرے میں نادر کا احوال اس طرح درج ہے :

'' عباس تخلص، مرزا عباس بیگ نام، اصل وطن بانس بریلی...علم انگریزی سے آگاہ، انشا نویسی میں مشہور، ایک مدت تک وابستہ دامنِ دولت ریاست رامپور رہے، پھر لکھنؤ گئے، خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد ہوئے۔ انھوں نے تخلص.....بجائے عباس نادر تجویز کیا۔ وہاں سے باندہ گئے۔ نواب کی سرکار میں نوکر ہوئے۔ چالیس برس کی عمر تھی کہ غدر ہوا، وہیں پھانسی پائی.....ایک مثنوی ان کی ہے کہ فسانۂ عجائب کو مثنوی لیلیٰ و مجنوں کی بحر میں موزوں کیا ہے۔ سنا گیا کہ دیوان بھی مرتب کرلیا ہے مگر نہ دیوان کا پتہ لگا، نہ مثنوی کا نشان ملا'' 18

لالا سری رام نے بعض باتیں مختلف لکھی ہیں یعنی

'' بدقسمتی سے اس وقت بریلی کا حاکم مشرقی لٹریچر..... سے ناواقف تھا اس نے پھانسی کا حکم دے دیا۔ اگر کوئی ہندستانی ہوتا۔ تو اس سے یہ غلطی سرزد نہ ہوتی'' 19

گویا پھانسی کا حکم باندہ میں نہیں، بریلی میں دیا گیا تھا۔ یہ صحیح نہیں۔ منیر شکوہ آبادی نے جو قطعہ تاریخ کہا ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ حادثہ باندہ میں پیش آیا تھا۔ نادر کے دو شعر یہ ہیں ۔

پیتا نہیں شراب کبھی بے وضو کیے ۔۔۔ قالب میں میرے روح کسی پارسا کی ہے
عباس روز حشر یہ کہتا اٹھوں گا میں ۔۔۔ لوٹا مجھے بتوں نے، دُہائی خدا کی ہے

3- گوہر- احمد علی خاں

محسن نے ان کا حال اس طرح تحریر کیا ہے :

''احمد علی خاں گوہر تخلص، ولد الف خاں، باشندۂ قدیم فیض آباد، مقیم فتحپور ہنسوا، ملازم نواب باندا، شاگرد اسماعیل حسین منیر''21

نساخ کے تذکرے میں بھی یہی ہے۔22 یہ الفاظ کی بندش سے شعر میں جان ڈال دیتے تھے۔ ان کی ایک غزل کے دو شعر یہ ہیں ۔

تمھاری زلفِ سیہ سے ہے پیچ و تاب میں روح ۔۔۔ وبال جسم کو ہے، پڑ گئی عذاب میں روح
ادا و ناز کرشمہ سے ناک میں دم ہے ۔۔۔ غضب میں جان، مصیبت میں دل، عذاب میں روح

4- دلیر- نواب امراؤ بہادر

لالا سری رام نے ان کے سلسلہ میں نوابین باندہ کی تاریخ لکھ دی ہے۔ افادیت کے خیال سے یہاں اس کا اختصار درج کیا جاتا ہے :

''دلیر نواب امراؤ بہادر ملقب بہ شمشیر بہادر ثانی (فی الواقع یہ ثانی نہیں، ثالث تھے) خلفِ دوم نواب علی بہادر ثانی - 1725 میں راجا چھتر سال رئیس پنا کی درخواست پر باجے راؤ پیشوا نے باندہ کو غضنفر جنگ محمد خاں بنگش سے آزاد کرایا۔ راجا کی ایک بیٹی بھی آزاد ہو کر آئی لیکن مسلمانوں کے لشکر میں رہنے کی وجہ سے راجا نے اسے اپنے یہاں جگہ نہ دی۔ باجے راؤ نے اسے اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ اس کے بطن سے بیٹا پیدا ہوا۔ اس نے باجے راؤ کی اجازت سے اسلام قبول کیا اور یہ شمشیر بہادر بانی خاندان باندا ہوا۔ 1761 کی پانی پت کی لڑائی

میں زخمی ہوکر واپسی میں اس نے بھرتپور میں انتقال کیا۔ اس کے بیٹے علی بہادر اول نے مادھو جی سندھیا کی مدد سے نہ صرف بندیل کھنڈ کے اکثر اضلاع فتح کیے بلکہ غلام قادر روہیلہ کو بھی گرفتار کر کے نابینا بادشاہ شاہ عالم ثانی کی خدمت میں دہلی بھیج دیا۔ اس کے صلے میں اسے ماہی مراتب اور دوسرے مدارج حاصل ہوئے۔ علی بہادر کالنجر میں مرے تو جنازے کو دہلی لاکر قطب صاحب میں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد شمشیر بہادر ثانی مسند نشین ہوئے۔ انھوں نے 1812 میں سرکار انگریزی سے معاہدہ کیا۔ غدر کے زمانہ میں علی بہادر ثانی رئیس باندہ تھے۔ ان کے بیٹے دلیر (امراؤ بہادر شمشیر بہادر ثالث) 1273ھ میں باندہ میں پیدا ہوئے۔ ان دلیر کے بڑے بھائی نواب ذوالفقار بہادر ثانی تھے۔ غدر کے بعد ، خاندان اندور بھیج دیا گیا تھا۔ ذوالفقار ثانی کو پنشن بقدر گزارہ ملتی تھی۔ دلیر فن سخن میں جلال لکھنوی کے شاگرد تھے۔ 1339ھ میں انھوں نے اپنا دیوان شائع کیا تھا۔ یہ طرز ناسخ کے مقلد اور پرگو شاعر تھے۔'' 23

منیر شکوہ آبادی نے دلیر کی ولادت کی تاریخ کہی تھی

ع شمشیر بہادر سوم ماہ جہاں

1273

ان کے چند شعر یہ ہیں ۔

کیونکر نہ ہو زبان کا دعویٰ مجھے دلیر — شاگر دہوں منیر کا ، سید جلال کا

ہم سے مطلب ہی جب نہیں تم کو — کیوں کیا کرتے ہو ہماری بات

جو کعبہ میں شیخ حرم دیکھتے ہیں — وہی بت کدے میں بھی ہم دیکھتے ہیں

دردِ دل کا مزا وہ کیا جانیں — جن کا دل عمر بھر دُکھا ہی نہیں

5- شرقی- منشی سید ابوالحسن

''منشی سید ابوالحسن خلف سید تصدق حسین باشندہ باندہ- منشی رشید محمد رشید سے تلمذ، اردو فارسی کی استعداد معقول تھی۔ شملہ، جودھپور وغیرہ میں بہ سلسلہ

ملازمت مقیم رہے۔ 1920 میں بہ عمر پینسٹھ سال انتقال ہوا۔ ایک دیوان
غیر مطبوعہ تھا جو چوری ہو گیا۔"24ے

کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

جو درد والم باقی ہیں پیش آئیں گے شرقی   تقدیر کے لکھے کو مٹایا نہیں جاتا
کیا خدا کو بھی ہے منظور بتوں کی خاطر   الٹی پھر آئی دعا چرخ سے اکثر ہوکر

چرکھاری

بندیل کھنڈ کے علاقے میں ریاست چرکھاری کو بھی شعروسخن کے ایک مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہاں کے بعض شاعروں کا احوال تحریر کیا جاتا ہے :

1- شاکر۔ سید شاکر حسین

''شاکر تخلص مولوی سید شاکر حسین خلف مولوی سید عنایت حسین کنتوری، وکیل ریاست چرکھاری بندیل کھنڈ، آپ کے حقیقی چچا مولانا کرامت حسین مرحوم جج الہ آباد ہائی کورٹ تھے۔ شاکر ریاست چرکھاری کی طرف سے نوگاؤں چھاونی ایجنسی میں وکیل ہیں۔ آپ کے حقیقی ماموں خان بہادر اصغر علی کوثر ریاست چرکھاری میں مدارالمہام ہیں۔ شاکر کی طبیعت بہت شوخ اور چلبلی ہے۔ مشورہ دوستانہ مولوی سید نذیر حسن فتنہ سندیلوی سے ہے۔ عروض اور عربی، وفارسی، انگریزی میں قابلانہ استعداد ہے۔''25

ان کے دو شعر یہ ہیں ؎

چشم مَیوں دیکھتے ہی یار کی مست دوڑے خانہ خمار سے
سو جاؤں نہ کیوں غم سے کہ پیرانہ سری ہے جو آہ کا جھونکا ہے نسیم سحری ہے

2- کوثر- سید اصغر علی

'' کوثر تخلص سید اصغر علی نام، خان بہادر خطاب، ریاست چرکھاری میں مدار المہام ہیں۔ خوش فکر، عالی خیال شاعر ہیں۔''26ے

ان کا کلام فی الوقت دستیاب نہیں ہو سکا۔

3- شرر- منشی عزیز احمد خاں

'' شرر تخلص منشی عزیز احمد خاں عرف پھول خاں شرر، خلف منشی گلاب خاں، متوطن ریاست چرکھاری، ملک بندیل کھنڈ- پہلے احقر تخلص تھا۔ اب کچھ عرصہ سے شرر ہے۔ ریاست چرکھاری کے شعرا میں پُرگو اور مشاق، غزل پڑھنے کا انداز نہایت دلکش ہے۔ مولانا سید نذیر حسن فتنہ سے تلمذ ہے۔ بارہ پندرہ برس سے شعر کہتے ہیں۔ کلام میں سلاست، متانت کے ساتھ لطفِ زبان بھی موجود ہے۔ فی الحال رکارڈ ہاؤس چرکھاری میں کلرک ہیں ۔

اس نے جب پیار سے چھیڑا ہے عدو کو سرِ بزم پھوٹ کر روئی ہے ناکامیٔ قسمت مری
جب کبھی ساغر ملا ہاتھوں سے گر کر چور تھا ہر جگہ نام کیا پھوٹی ہوئی تقدیر نے'' 27ے

4- شعلہ- مولوی محمد یحییٰ علوی

'' شعلہ تخلص مولوی محمد یحییٰ علوی، سب انسپکٹر پولیس خلف مولوی ابراہیم کاکوروی، کوتوال شہر و مجسٹریٹ ریاست چرکھاری ملک بندیل کھنڈ، مضمون آفرینی کے ساتھ متانت اور سنجیدگی کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ مولوی سید نذیر حسن فتنہ رئیس سندیلہ کے عزیز اور شاگرد ہیں ۔

جان کر کا کلِ پیچاں کے گنہگاروں میں پا بہ زنجیر پھرایا مجھے بازاروں میں
آتشیں رخ پہ ترے مرتے ہیں اغیار اگر جھونک دے سب کو دہکتے ہوئے انگاروں میں'' 28ے

مہوبا

مہوبا میں بھی بعض قابلِ ذکر شاعر موجود تھے۔ یہاں صرف دو کا احوال درج کیا جاتا ہے :

1- شایاں- پیم نرائن

کلب حسین خاں نادر نے لکھا ہے :

''شایاں 29 پنڈت پیم نرائن خلف پنڈت رام نرائن، منصف مہوبا الل خطہ، متوطن بریلی''اور ارمغان گوکل میں چھپا ہے 30 :''دہلی کے'' رہنے والے ہیں۔ یہ غالباً سہوِ قلم ہے۔

ان کی ایک غزل کے دو شعر یہ ہیں ؎

اس طفل کا جو قول ہے وہ بے ثبات ہے — ہر بات اس کی کھیل تماشے کی بات ہے

شایاں نہیں ہے جائے مسرت نشاطِ دہر — دو چالوں میں یہ بازیِ شطرنج مات ہے

2- اخگر- احمد نور خاں

''کوتوال مہوبا 31، متعلقہ بندیل کھنڈ احمد نور خاں نام، اخگر تخلص، خلف نور محمد خاں باشندہ رامپور، صاحب دیوان۔''

نساخ نے 32 بھی یہی لکھا ہے۔

ان کے دو شعر یہ ہیں ۔

کیا میرے سیمتن کے ہے تاثیر ہاتھ میں　　مٹی ہوے ابھی تو ہوا کسیر ہاتھ میں
کیونکر ہمارا عقدہ دل واکسی سے ہو　　آتی نہیں ہے زلفِ گرہ گیر ہاتھ میں

دیگر

اب علاقہ بندیل کھنڈ کے بعض اور شاعروں کا حال لکھا جاتا ہے :

1- ظہور- منشی محمد ظہور خاں

'' ظہور تخلص منشی محمد ظہور خاں ساکن ریاست ٹیکم گڑھ، ملک بندیل کھنڈ، ان کا پیشہ ارباب نشاط کو تعلیم دینا ہے۔ فن موسیقی میں باکمال اور یگانہ، علمیت زیادہ نہیں مگر نوشت وخواند میں مجبور بھی نہیں۔ بہت خوش آواز، خوش لحن ہیں۔ کلام مولوی سید محمد نذیر حسن عباسی تخلص فتنہ، رئیس سندیلہ کو دکھاتے ہیں۔'' 33

2- نجم- سید نجم الدین علی خاں

لالا سری رام کی یادداشت میں ہے :

'' سید نجم الدین علی خاں (نجم تخلص) خلف حکیم ابوسعید خاں، ضلع جھانسی میں محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔'' 34

نساخ نے ان کو 35 '' داروغہ ضلع جھانسی'' لکھا ہے۔

ان کے دو شعر یہ ہیں ؎

جو درد کہ سر میں ہے وہ سر جائے تو جائے یہ بار گراں تن سے اتر جائے تو جائے
عیسیٰ سے دوا عشق کی ہرگز نہیں ہوتی یہ مرض ہے وہ جب کوئی مر جائے تو جائے

ان شعروں کو پڑھ کر شیخ ابراہیم ذوق کا یہ شعر یاد آتا ہے ؎

الفت کا نشہ جب کوئی مر جائے تو جائے یہ درد سر ایسا ہے کہ سر جائے تو جائے

ب - ڈراما

بندیل کھنڈ کا علاقہ انیسویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرے میں ہی انگریزوں کی مقبوضات میں شامل ہوگیا تھا۔ شدہ شدہ وہاں انگریزی تہذیب کے اثرات بھی ظاہر ہونے لگے۔ انیسویں صدی کے نویں عشرے میں اس علاقے میں ڈراموں کے لکھے جانے کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا تھا چنانچہ ایک ڈرامے کا پتہ چلتا ہے جس کا عنوان ہے

''ثمرۂ نیک و بدسلوک''

اس ڈرامے کی 1 مصنفہ بی امیر جان ادا تخلص ساکن شہر باندہ تھیں جو ایک مدت تک حافظ محمد عبداللہ کی '' دی انڈین امپیریل تھیٹریکل کمپنی آف انڈیا'' کی چیف ایکٹریس رہی ہیں۔ مارچ 1884 میں جب یہ کمپنی باندہ گئی تھی تو اس کے ڈراموں کو دیکھ کر ادا کو بھی ناٹک لکھنے کا شوق ہوا۔ کچھ مدت کی مشق کے بعد جنوری 1886 میں فتح پور ہنسوا جا کر مذکورہ کمپنی میں شامل ہوگئیں۔ پھر '' بہ اعانت حافظ محمد عبداللہ متخلص بہ حافظ پروپرائٹر کمپنی مذکورہ ماہ اپریل 1886 میں انھوں نے یہ ناٹک تصنیف کیا اور اس کو ''ثمرۂ نیک و بدسلوک معروف بہ عشق بکاولی و تاج الملوک'' نام دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ناٹک مارچ 1884 اور جنوری 1886 کے درمیان لکھا گیا تھا۔

اس ڈرامے کے لیے اپریل 1886 میں دیباچہ لکھا گیا تھا لیکن کئی برس کے بعد 1908 میں اسے بہ اہتمام محمد مچھو خاں و محمد حسین خاں مطبع الٰہی آگرہ میں چھپ کر شائع ہونا نصیب ہوا۔ اس امکان سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا کہ کسی اور کو بھی باندہ کے آس پاس میں ڈراما نویسی کا شوق ہوا ہو۔

یہ ذکر آ چکا ہے کہ بندیل کھنڈ کا علاقہ دریائے جمنا کے جنوب (=جمنا پار) میں دریائے کین کے مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے۔ بعض روایتوں کی بنیاد پر جمنا کے شمال میں بسنے والے "جمنا پار" کے علاقے کو کمتر درجہ کا (کم حیثیت) خیال کرتے ہیں۔ یہ بھی اتفاق ہے کہ اتر پردیش کے بعض بڑے شہر کانپور، لکھنؤ، الہ آباد جمنا کے شمال میں واقع ہیں۔ غرض سبب جو بھی ہو واقعہ یہی ہے کہ اہل تحقیق نے بھی بندیل کھنڈ کے علمی معاملات کی طرف کم سے کم توجہ کی ہے۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر نادر علی خاں نے اپنی محققانہ تصنیف "ہندستانی پریس 1556 تا 1900" میں [1] "بھرپور سعی" کرنے کا دعویٰ کیا ہے، اس کے باوجود اس کتاب میں بندیل کھنڈ کے شہروں میں سے ایک کا بھی نام نہیں آیا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ شہر جالون ہی میں 1853 میں کم سے کم ایک مطبع "انڈین اسٹینڈرڈ پریس" کے نام سے ضرور کام کر رہا تھا۔ اسی مطبع میں کشن نراین کی کتاب "تواریخ بندیل کھنڈ و جالون [2]" 483 صفحوں پر 1853 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اس مطبع کا وجود اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ اہل بندیل کھنڈ کو چھاپے خانے لگانے سے دلچسپی پیدا ہو چکی تھی چنانچہ یقین کرنا چاہیے کہ 1857 کے بعد جب حالات بہتر ہوئے تو پریس کو بھی ترقی ہوئی ہوگی اور اس علاقے میں بھی تصنیف و تالیف کے سلسلے جاری ہو گئے ہوں گے۔ افسوس ہے کہ بندیل کھنڈ کی نثری تحریریں اب بیشتر نایاب ہو چکی ہیں۔ صرف ایک دو کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

1- شمس الہدانی بیانِ ولادتِ مصطفیٰؐ معروف بہ فیضِ محمدی

اس کتاب کے مصنف مولوی فیض بخش ساکن باندہ تھے۔ یہ کتاب مطبع گلزار محمدی لکھنؤ میں 1890 میں چھپی تھی۔ کل اڑتالیس صفحے ہیں۔

2- حالاتِ خاندانِ نواب باندہ

یہ تو نہیں معلوم کہ یہ حالات کب اور کس نے لکھے تھے لیکن نواب امراؤ بہادر دلیر کے حالات میں لالا سری رام نے ان کا حوالہ دیا ہے لکھا ہے :

''ان کے خاندانی مطبوعہ حالات سے پایا جاتا ہے.......... ''[4]

لالا صاحب کے بقول یہ حالات ان کے پاس خود دلیر نے بھیجے تھے۔

3- بندیل کیسری

ڈاکٹر ناتھ شرما اس کتاب کے مصنف ہیں[5] بندیل کیسری سے مراد مہاراجا چھتر سال سے ہے جو اٹھارھویں صدی عیسوی کے آٹھویں عشرہ میں پورے بندیل کھنڈ پر قابض تھا۔ 1782 میں اس نے اپنے علاقے کی تقسیم کی۔ بندیل کھنڈ کا علاقہ باجی راؤ پیشوا کے حصے میں آیا۔ نوابین باندہ اسی پیشوا کے اخلاف تھے۔

> '' ڈاکٹر شرما نے اس کتاب میں مہاراجا چھتر سال کی زندگی کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ یہ کتاب بھارت پستک بھنڈار امرتسر نے شائع کی ہے۔ کل 121 صفحے ہیں۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ کتاب کب چھپی تھی۔''

4- مجموعۂ اخلاق

اس کتاب کے مصنف رنجور سنگھ باشندہ بندیل کھنڈ تھے۔ یہ کتاب ایک سواڑتالیس صفحوں پر ڈائمنڈ جوبلی پریس بندیل کھنڈ میں 1897 میں چھپی تھی۔ اس میں اخلاقیات کی تعریف کے بعد خدا کی عبادت اور ماں باپ کی فرائض وغیرہ سے متعلق اخلاقی نقطۂ نظر سے مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

اوپر جو مذکور ہوا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس خطہ میں اردو نثر کی ترویج میں اہل ہنود نے بھی قابل توجہ حد تک حصہ لیا تھا۔

ooo

حواشی

-1	گلشن ہند		ص 41
-2	باندہ اور غالب		ص 28 تا 34

الف - شاعری

-1	تذکرہ نادر		ص 43
-2	سخن شعرا		ص 72
	سراپا سخن		ص 245
-3	گلستان سخن	جلد 2	ص 299
-4	سراپا سخن		ص 189، 225 وغیرہ
-5	گلستان سخن	جلد 3	ص 65
-6	سراپا سخن		ص 199، 225، 277
-7	خم خانۂ جاوید	جلد 5	ص 6
-8	سراپا سخن		ص 162، 200، 225
-9	گلستان سخن	جلد 2	ص 279

-10	سخن شعرا		ص ۹
-11	گلستان سخن	جلد2	ص 473
-12	شہر چاہ گراں		ص 26
-13	ایضاً		ص 43تا44
-14	باندہ اور غالب		ص 94تا96وغیرہ
-15	ایضاً		ص 62تا63
-16	سراپا سخن		ص 303
-17	شہر چاہ گراں		ص 89،93
-18	انتخاب یادگار		ص 218
-19	خم خانہ جاوید	جلد5	ص 567،568
-20	باندہ اور غالب		ص 33تا34
-21	سراپا سخن		ص 306
-22	سخن شعرا		ص 403
-23	خم خانہ جاوید	جلد3	ص 401تا403
-24	ایضاً	جلد4	ص 547
-25	ایضاً	جلد4	ص 435
	تذکرہ نادر		
-26	ایضاً		ص 500 تا501
-27	ایضاً	جلد4	ص 556
-28	تذکرہ نادر		ص 86
-29	ارمغان گوکل		ص 49
-30	سراپا سخن		ص 196

حواشی

1-	گلشن ہند		ص 41
2-	تاندہ اور غالب		ص 28 تا 34

الف - شاعری

1-	تذکرہ نادر		ص 43
2-	سخن شعرا		ص 72
	سراپا سخن		ص 245
3-	گلستان سخن	جلد 2	ص 299
4-	سراپا سخن		ص 189، 225 وغیرہ
5-	گلستان سخن	جلد 3	ص 65
6-	سراپا سخن		ص 199، 225، 277
7-	خم خانۂ جاوید	جلد 5	ص 6
8-	سراپا سخن		ص 162، 200، 225
9-	گلستان سخن	جلد 2	ص 279

-10	سخن شعرا		ص 559
-11	گلستان سخن	جلد 2	ص 473تا474
-12	شہر چاہ گراں		ص 26
-13	ایضاً		ص 43تا44
-14	باندہ اور غالب		ص 94تا96وغیرہ
-15	ایضاً		ص 62تا63
-16	سراپا سخن		ص 303
-17	شہر چاہ گراں		ص 89، 93
-18	انتخاب یادگار		ص 218
-19	خم خانۂ جاوید	جلد 5	ص 567، 568
-20	باندہ اور غالب		ص 33تا34
-21	سراپا سخن		ص 306
-22	سخن شعرا		ص 403
-23	خم خانۂ جاوید	جلد 3	ص 401تا403
-24	ایضاً	جلد 4	ص 547
-25	ایضاً	جلد 4	ص 435
	تذکرہ نادر		
-26	ایضاً		ص 500 تا501
-27	ایضاً	جلد 4	ص 556
-28	تذکرہ نادر		ص 86
-29	ارمغان گوکل		ص 49
-30	سراپا سخن		ص 196

-31	سخن شعرا		ص 19
	خم خانۂ جاوید	جلد5	ص 480
-32	ایضاً	جلد6	ص 209
	سخن شعرا		ص 505

ب - ڈراما

-1	برصغیر کا ڈراما		ص 259 تا 268
-2	ہندوستانی پریس		ص 10
-3	قاموس الکتب	جلد2	ص 431
-4	ایضاً	جلد1	ص 716
-5	خم خانۂ جاوید	جلد3	ص 202
-6	مثنوی مہر و ماہ		ص 31
-7	قاموس الکتب	جلد2	ص 307
-8	ایضاً	جلد3	ص 60

19-رامپور

		نوابین رامپور	587
1-	ناظم-	یوسف علی خاں	587
2-	نواب-	کلب علی خاں	588
3-	مشتاق-	مشتاق علی خاں	589
4-	رشک-	سر حامد علی خاں	589
5-	بیگم صاحبہ جاورہ-	بیگم صاحبہ جاورہ	590
		الف - شاعری	591
1-	افکار-	اصغر علی خاں	591
2-	خرد-	مرتضیٰ خاں	592
3-	بیتاب-	عباس علی خاں	592
4-	تمیز-	غلام احمد	593
5-	نامی-	حسین شاہ خاں	594
6-	گرم-	محمد مظفر خاں	594
7-	امیر-	مظفر علی خاں	595
8-	تسلیم-	امیر اللہ	596
9-	داغ-	نواب مرزا خاں	598

10-	بیڈھب-	مظفر شاہ خاں	599
11-	جان صاحب-	میر یار علی	599
12-	عجیب-	لالا دامودر سین	600
13-	ہزل-	عبدالرحیم	600
14-	بلدیو-	چوبے بلدیو داس تواری	601
15-	تاب-	امداد اللہ خاں	601
16-	نواب-	کلب علی خاں	602
		ب - تاریخ و معما	603
1-	کنز التاریخ		603
17-	ا ژنگ صفدر		603
18-	افادۂ تاریخ		604
		ج - عروض و قوافی	605
1-	رسالہ در عروض		605
2-	ترجمہ عروض سیفی		605
3-	عروض با قافیہ		606
4-	شرح حدایق البلاغہ		606
5-	بحر الفصاحت		606
6-	مقصد البلاغہ		607
7-	رسالہ عروض		607
8-	زر کامل عیار		608
		د - قواعد	609
1-	قواعد حامدی		609
2-	رسالہ تحقیق تنقیح		609

3-	رسالہ تذکیرو تانیث	611
4-	مفید الشعرا	611
5-	قواعد المنتخب	612
	ہ - تحریر و املا	613
1-	تذکرہ خوشنویسان	613
2-	تنقیح الانشا	613
3-	سہل ممتنع	614
4-	اصول نستعلیق	614
5-	دفتر خطاط	615
6-	معیار الاغلاط	615
	و - فرہنگ و لغات	617
1-	کنز المصادر	617
2-	علوم ادبیہ زبان اردو	618
3-	رسالہ بسیط	618
4-	تصویر اللغات	618
5-	رسالہ الفاظ مترادفہ	619
6-	بحر البیان	619
7-	امیر اللغات	619
8-	بہار ہند	620
9-	سرمہ بصیرت	620
10-	فرہنگ حامدیہ	620
11-	گلشن فیض	620
12-	سرمایہ زبان اردو	621

ز - اردو شعرا کے تذکرے		623
1- تواریخ عجیبہ		623
2- انتخاب یادگار		624
3- تذکرہ شعرائے رامپور		625
ح - سوانحات		627
1- تزک جہانگیری		627
2- ذکر بتول		628
3- نجیب التواریخ		628
4- اختلال ادوار		629
5- حالات خاندان حکیم اعظم خاں		629
ط - داستانیں		631
1- اصغر-	اصغر علی خاں	631
2- رسا-	میر احمد علی	632
3- حیدر-	حیدر علی خاں	633
4- گرم-	مظفر خاں	633
5- اخگر-	فتحیاب خاں	634
6- بیتاب-	عباس علی خاں	634
7- تصور-	حیدر مرزا	635
8- واثق-	جعفر شاہ	636
9- بیخود-	احمد علی خاں	637
10- رسا-	انبا پرساد	637
11- رضا-	غلام رضا	637

12-	علیم-	مرزا علیم الدین	637
13-	وصال-	محمد مرتضیٰ حسین	637
		ی - ڈراما	641
	حواشی		642

نوابین رامپور

نوابین رامپور کے انگریز حکمرانوں کے ساتھ عموماً بہت اچھے تعلقات رہے تھے۔ سلطنت مغلیہ کی بساط الٹنے کے بعد سے پہلی جنگ عظیم تک رامپور میں یکے بعد دیگرے چار نواب مسند نشین ہوئے تھے۔ مشہور ہے کہ حاکم کو جو بات پسند ہے وہی ہنر ہے، چنانچہ رامپور اور اہل رامپور کے معاملات کے سلسلے میں نوابین رامپور کی پسند اور ان کی سرگرمیوں کو جاننا ضروری ہے۔

1- ناظم- یوسف علی خاں

ناظم تخلص 1، نواب محمد یوسف علی خاں بہادر ابن نواب محمد سعید خان بہادر، 5/مارچ 1816 کو پیدا ہوئے۔ اپنے والد کی مسند نشینی 2 سے پہلے ایک عرصہ تک دہلی میں مقیم رہے اور آزردہ او رمومن خاں سے علوم فارسی وعربی کی تحصیل کی۔ پھر مرزا اسداللہ خان غالب سے تلمذ اختیار کیا۔ 13 رجب 1271ھ/1855 کو خود مسند نشین ہوئے۔ اس کے کوئی دو سوا دو برس کے بعد 3 ''واقعہ عظیم آشوب غدر کا پیش آیا'' لیکن نواب صاحب کی حکمت عملی سے یہ ریاست پوری طرح محفوظ رہی۔ سرکار انگریزی کی طرف سے نواب صاحب کو خطابات اسٹار آف انڈیا اور فرزند دلپذیر دولتِ انگلشیہ سے سرفرازی ملی۔ آخر زمانہ میں مظفر علی خاں اسیر کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ دیوان

میں غزل کے علاوہ قطعات، واسوخت، رباعیات، مسدسات، مخمسات سب کچھ داخل ہے۔
نواب صاحب نے 24 ذیقعدہ 1281ھ/1865 میں وفات پائی تھی۔

نواب ناظم کی شاعری وغیرہ کا ذکر اس سے پہلے کی جلد میں کیا جاچکا ہے۔ یہاں صرف دو تین شعر لکھے جاتے ہیں ؎

ہرگز نہ اٹھونگا حشر کو بھی	اس کوچے میں گر مزار ہوگا
وفا کی ہم نے اور تم نے جفا کی	تم اچھے، ہم برے، قدرت خدا کی
فرہاد ہوس پیشہ نے بھی دی تو سہی جان	پر شیوۂ ارباب وفا اور ہی کچھ ہے

2- نواب- کلب علی خاں

نواب تخلص نواب کلب علی خاں ابن نواب یوسف علی خاں، ولادت 19/اپریل 1835 5 مسند نشینی 24 ذیقعدہ 1281ھ/ 1865، زیارت حرمین شریفین سے 1289ھ/1873 میں شرف یاب ہوئے اور 1304ھ/ 23/مارچ 1887 میں وفات پائی۔ تحقیق لفظی کا شوق شروع سے تھا۔ کلام اپنا امیر مینائی کو دکھاتے تھے۔ دیوان فارسی کا نام تاج فرخی اور اردو زبان میں چار دیوان نشید خسروانی، دستنبوئے خاقانی، درۃ الانتخاب اور توقیع سخن ہیں۔ رامپور کے کتب خانے میں ایک اور دیوان "مضامین رفیع" کے نام سے موجود ہے۔ حضرت کی اردو فارسی نثریں بلبل نغمہ سنج، ترانۂ غم، قندیل حرم اور شگوفۂ خسروی مطبوع ہوکر مشہور ہوئیں۔

بلبل نغمہ سنج کا سال تصنیف 1272ھ/ 1856 ہے۔ محمد حسن خاں کے مطبع حسنی رامپور میں 1280ھ/1864 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے لکھا ہے کہ اس میں :

> " اردو فارسی کے علاوہ، ہندی کے دوہے اور کبت بھی لکھے ہیں اور عربی کی ترکیبیں بھی... بیگماتی زبان بھی خوب لکھی ہے۔" 6

قصۂ مہر و ماہ- یہ بھی نواب کی تصنیف بتائی گئی ہے۔ رامپور میں اس کے دو قلمی نسخے ہیں۔ پہلے کا کاتب کریم اللہ ہے اور کل 317 ورق ہیں۔ دوسرا مہدی علی خاں کا کتابت کردہ ہے اور اس میں 333 ورق ہیں۔

داستانِ بدیع الزماں - اس کا قلمی نسخہ صرف 23 اوراق پر محیط ہے۔ یہ نسخہ بھی رضا لائبریری میں ہے اور نواب کلب علی خاں کی تصنیف بتایا گیا ہے۔

صنم کدۂ فرنگ - اسے بھی نواب موصوف کی تالیف کہا گیا ہے۔ سال تصنیف اس "نثر مرصع" کا 1284ھ / 1867 ہے اور اس کی کتابت 139 ورق پر میر عوض علی نے کی ہے۔

تذکرۂ اساتذہ - تین جلدیں بخط مولف یعنی نواب کلب علی خاں - دوسری جلد صرف نو ورق اور تیسری تینتیس ورق کی ہے۔ پہلی جلد کا حال معلوم نہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب کلب علی خاں زود نویس بھی تھے۔ رام بابو سکسینہ نے ان کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ :

> " انھوں نے اپنی دانشمندی، قدر دانی اور مردم شناسی سے اپنی چھوٹی سی ریاست میں بڑے بڑے اہل کمال اور ارباب فن کو جمع کر لیا تھا جس کی نظیر ہندوستان کی کسی دوسری ریاست میں نہیں ملتی۔" 7

نواب کے کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

کیا یہاں سے وہاں سوا ہوگا　　حشر میں بھی یہی خدا ہوگا
اس کی بیداد پر تو مرتا ہوں　　لطف کرتا تو کیا ستم کرتا
اثر آیا دعا میں اس دم ہائے　　دل میں جب کوئی مدعا نہ رہا
دلبری کے چلن تو لاکھوں ہیں　　اتنے دل میں کہاں سے لاؤں

3- مشتاق- مشتاق علی خاں

نواب مشتاق علی خاں فرزند دویم نواب کلب علی خاں نواب 1304ھ / 1887 میں مسند نشین ہوئے اور فروری 1889 میں رحلت کر گئے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود شعر نہیں کہتے تھے لیکن ان کی علم دوستی اور شاعر نوازی میں شبہ نہیں۔ احمد حسن خاں عروج اور امیر مینائی جیسے باکمالوں کے ان کے عہد کے قصیدوں کے قلمی نسخے رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہیں۔

4- رشک- سر حامد علی خاں

رشک تخلص 8 نواب سر حامد علی خان بہادر خلف مشتاق علی خاں 31/ اگست 1875 کو

پیدا ہوئے۔ کم سنی میں 27/ فروری 1889 میں مسند نشین ہوئے۔ جون 1896 میں حکومت کے اختیارات ملے، صغرسنی میں یورپ، امریکہ اور جاپان وغیرہ ممالک کی سیر کی۔ جون 1930 میں رحلت کر گئے۔ رام بابو سکسینہ کا کہنا ہے کہ رشک روشن خیال اور تعلیم یافتہ رئیس ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے شاعر اور شعرا کے مربی و سرپرست بھی تھے۔ گاہ گاہ شعر کہتے تھے۔ منشی محمد احمد قمر وضر یر ابن امیر مینائی سے اصلاح لیتے تھے۔ ان کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ بہ خطِ مصنف اُنسٹھ ورقوں پر مشتمل رضا لائبریری میں محفوظ ہے۔

سید محمد داؤد زنگی پوری نے ''انوار حامدیہ'' کے نام سے ایک چھ ورقی کتابچہ لکھا تھا۔ محمد رشید اللہ نامی کاتب کا لکھا ہوا اسی زمانے کا اس کا قلمی نسخہ رضا لائبریری میں موجود ہے۔ خود نواب محمد حامد علی خاں آف رامپور کی تصنیف کردہ ساڑھے پانچ سو صفحے کی ایک کتاب سیر حامدی مفید عام پریس آگرہ سے 1896 میں چھپی تھی جس کے ناشر محمد قادر علی خاں صوفی تھے۔ یہ کتاب نواب صاحب کا سفر نامہ ہے جس کا سالِ تصنیف 1893 ہے۔ ایشیا، امریکہ اور یورپ کی اسی سال میں نواب صاحب کی سیاحت کی یہ روداد ہے۔

5- بیگم صاحبہ جاورہ- بیگم صاحبہ جاورہ

لالا سری رام نے لکھا ہے کہ ''ہز ہائنس (نواب محمد حامد علی خاں) کی شادی نواب صاحب جاورہ کی ہمشیرہ سے ہوئی ہے۔'' ان کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ رضا لائبریری میں ایک قلمی ''مجموعہ غزلیات'' ہے جس کی مصنفہ کا نام ''بیگم صاحبہ جاورہ = زوجۂ نواب حامد علی خاں'' لکھا ہے۔ ضخامت اس کی ایک سو بیس ورق کی ہے۔

الف - شاعری

نواب یوسف علی خاں ناظم کے حالات میں امیر مینائی نے یہ ذکر بھی کیا ہے کہ :

''واقعۂ عظیم آشوب غدر میں حضرت فردوس مکاں (ناظم) کی رائے حکمت پیرانے کیا کام فرمایا..... کہ یہاں کی رعایا میں بھی ہر شخص مامون ودلشاد رہا بلکہ ممالک نزدیک و دور سے ہزار ہا آدمیوں نے یہاں آکر پناہ لی....''[1]

فائدہ اس صورت حال کا یہ بھی ہوا کہ یہ ''دارالامن'' ارباب علم وفن کا مرکز بن گیا۔ خود اس شہر کے باشندوں میں بھی بیشتر نظم ونثر کی اچھی لیاقت رکھتے تھے چنانچہ بعض کا یہاں مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

1- افکار- اصغر علی خاں

''افکار صاحبزادہ اصغر علی خاں ولد صاحبزادہ احمد یار خاں بہادر افسر.....فکر رسا ان کی بات کرنے میں طاق ہے اور بڑا مزہ یہ ہے کہ عاشقانہ مذاق ہے۔ کہتے ہیں کہ اخوندزادے احمد خاں غفلت اور خواجہ حیدر علی آتش اور شیخ ابراہیم ذوق اور شیخ علی بخش بیمار، یہ چاروں میرے استاد ہیں۔ اٹھاون برس کی عمر ہے۔''[2]

حال میری آہ کا لکھا فرشتوں نے اگر　　تو جلا رکھا ہے کاغذ نامۂ اعمال کا
تم تو محشر میں نہ ہوگے کہہ دو　　ورنہ اک اور قیامت ہوگی

2- خرد- مرتضیٰ خاں

''خرد تخلص صاحبزادہ محمد مرتضیٰ خاں ابن صاحبزادہ محمد علی حسن خاں ابن صاحبزادہ عظیم اللہ خان ابن صاحبزادہ مصطفیٰ خاں ابن صاحبزادہ الہ یار خاں ابن نواب علی محمد خاں، مرد نو جوان ہیں، چوبیس برس کا سن- پہلے آغا علی نقی غمی تخلص سے اصلاح لیتے تھے۔ اب تھوڑے دنوں سے اس ہیچ مداں کو کلام دکھا لیتے ہیں۔''3

یہ بیان تھا امیر مینائی کا۔ لالا سری رام نے ان کے بارے میں یہ لکھا ہے :

'' پہلے آغا غمی سے مشورہ کرتے تھے پھر جلال سے اصلاح لینے لگے.... 1266ھ/1850 سال پیدائش ہے۔ ان کا کلام بہت اچھا ہوتا ہے۔ طبیعت میں جدت، شوخی، مضمون آفرینی سب کچھ ہے۔ اب سنا ہے کہ بسمل تخلص کرلیا ہے۔ بعض بعض شعر بے مثل کہہ جاتے ہیں۔''4

کلیسا کیا، حرم کیا، بت کدا کیا — تمھیں ڈھونڈا ہے گھر گھر ہم نے کیا کیا

ایماں کی خیر حضرتِ زاہد منائیے — یہ بُت وہ ہیں کہ جن کو خدا کا بھی ڈر نہیں

میں بھی اللہ سے روز ایک نیا دل مانگوں — آئے دن آپ جو تازہ ستم ایجاد کریں

بیدار ہوں یا خواب کا عالم ہے الٰہی — حیرت ہے شب وصل کہ وہ میرے گھر آئے

3- بیتاب- عباس علی خاں

'' بیتاب تخلص صاحبزادہ محمد عباس علی خان بہادر ابن صاحبزادہ محمد عبد العلی خاں ابن نواب غلام محمد خاں..... یہ صاحبزادے مومن خاں کے شاگردوں میں بہت ممتاز، ہم چشموں میں خوش فکری کی بدولت سرفراز ہیں۔ چھیاسٹھ برس کی عمر ہے۔''5

بشارت فروغ نے لکھا ہے کہ انھوں نے غالب سے بھی اصلاح لی تھی۔ سال ولادت 1809 ہے اور وفات جون 1883 میں ہوئی تھی۔ ان کے دیوان ''گل دستۂ باغ جناں'' کے ایک سے زائد قلمی نسخے خود ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے رضا لائبریری میں موجود ہیں۔ ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

ضد تو دیکھو کہ نہ کی غیر کی جانبداری — بولنا یوں بھی انھیں ہم سے گوارانہ ہوا
سونے نہ دیا ان کوتو اغیار نے شب بھر — اور نالہ ہوا مفت میں بدنام ہمارا
وہ نزاکت سے اور ضعف سے ہم — ہاتھ میں تھام کر کر بیٹھے
درِ جاناں پہ گرپڑے بیتاب — خوب یہاں آکے پاؤں پھیلائے

اوپر جن لوگوں کا مذکور ہوا ان سب کا تعلق ''والیانِ ملک'' سے تھا۔ اب بعض ان شاعروں کا ذکر کیا جاتا ہے جو ریاست رامپور کے باشندے تھے اور طبقۂ عوام سے متعلق تھے۔

4- تمیز- غلام احمد

''تمیز تخلص غلام احمد نام، جدید الاسلام، چونتیس برس کی عمر، نواب مرزا خاں داغ سے تلمذ ہے۔ گیارہ برس سے حیدرآباد دکن میں کسی عدالت میں نائب محافظ دفتر ہیں۔ ذہن اچھا ہے، طبیعت رسا ہے'' 7

حافظ احمد علی شوق نے ان کے بارے میں اچھی معلومات فراہم کی ہیں۔ خلاصہ اس کا یہ ہے :

'' اصلی نام رام دیال اور والد کا نام خیالی رام، قوم تنبولی، رامپور میں 1232ھ/ 1817 میں پیدا ہوئے ۔ نظام رامپوری، پھر داغ دہلوی کے شاگرد ہوئے۔ میاں احمد علی شاہ کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہوئے۔ دو مرتبہ حج کیا۔ شادی نہیں کی۔ جمادی الآخر 1317ھ/ 1899 کو وفات پائی۔ ایک دیوان عشقیہ ایک دیوان نعتیہ اور ایک مثنوی جس میں اپنے اسلام لانے کا حال اور بزرگانِ سلسلہ کی تعریف کی ہے، ان کی یادگار ہیں۔'' 8

کلام کا نمونہ یہ ہے ۔

لوٹو بتو تمیز ہے بیچارہ بے وطن — اللہ کے سوا نہیں کوئی غریب کا
لوگ کس طرح سے کرتے ہیں خدا کو راضی — مجھ سے تو اک بت کافر بھی منایا نہ گیا
سامنے اس نے بلایا مجھے بہر تعزیر — کام آئیں تو کچھ آخر کو خطائیں آئیں
ہر اک بلبل میں ہے شان اویسی — ہر اک غنچے میں ہے بوئے محمدؐ

5- نامی- حسین شاہ خاں

امیر مینائی کے تذکرے میں ان کا حال اس طرح درج ہے :

"نامی تخلص حسین شاہ خاں ولد کلو خاں، ترپچن برس کی عمر ہے۔ نظم ونثر دونوں کا ذوق ہے۔ بڑے صاحب استعداد ہیں۔ مدرسہ عالیہ سرکار میں کتب فارسی کا درس دیتے ہیں۔ خود مولوی شیخ احمد علی سے اصلاح لیتے ہیں۔"9

احمد علی شوق نے ان کے حالات میں اتنا اضافہ کیا ہے :

"رامپور میں تقریباً 1237ھ/ 1822 میں پیدا ہوئے۔ فارسی عربی کتابیں علمائے رامپور سے پڑھیں۔ صاحبزادہ باقر علی خاں کے رفقا میں تھے۔ سینکڑوں شاگرد ہوئے۔ 24/ اگست 1894 کو انتقال ہوا۔"

ان کا اردو کلام دستیاب نہیں ہوسکا۔

6- گرم- محمد مظفر خاں

"گرم محمد مظفر خاں ولد محمد خاں، طبیعت بہت گرم ہے۔ شیخ ابراہیم ذوق دہلوی کے شاگرد تھے۔ ساٹھ برس کی عمر ہوئی۔ جمادی الآخر کی دسویں تاریخ 1285ھ/ 1868 میں جے پور میں قضا کی۔ ان کے فرزند فتح یاب خاں بھی شاعر تھے۔ اخگر تخلص کرتے تھے۔"11

یہ امیر مینائی کا بیان ہے۔ احمد علی شوق نے اس پر جو اضافہ کیا ہے یہ ہے :

"قوم پٹھان رامپور میں پیدا ہوئے۔ نواب محمد عبداللہ برادر حقیقی نواب محمد سعید خاں کی مصاحبت میں دہلی اور میرٹھ میں رہے تھے۔"12

محمد مظفر خاں گرم کا قلم نثر اور نظم دونوں میں یکساں سرگرم تھا۔ رضا لائبریری میں دو حصوں میں کلیات گرم کا خطی نسخہ محفوظ ہے۔ اس کی مجموعی ضخامت نوسو چونسٹھ ورق کی ہے۔ گرم کے قصیدوں اور مثنویوں کے بھی کئی قلمی نسخے مذکورہ کتب خانہ میں موجود ہیں۔ ان کی نثری تصانیف کا حال الگ لکھا جائے گا۔

ان کے غزل کے کچھ شعر یہ ہیں۔

واعظ کا روزہ اور مرا ہجر ایک ہے ہم دونوں پوچھتے ہیں کہ دن کس قدر رہا
اندھیر ہے تو یوں بھی سہی اے شب فراق ہو غیر پر عذاب مرے اشتباہ میں
مرجائیں روز ہجر، شب وصل جی اٹھیں گرموت وزندگی پہ خدا اختیار دے
تجھ پہ ہنستا ہے چاکِ جیب مرا شرم اے بخیہ گر نہیں آتی

باہر سے آ کر جن لوگوں نے رامپور میں سکونت اختیار کی تھی ان میں بعض بہت نامور اور ممتاز شعرا بھی تھے۔

7- اسیر- مظفرعلی خاں

اسیر تخلص، تدبیر الدولہ منشی مظفر علی خاں بہادر جنگ نام وخطاب تھا۔ واجد علی شاہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے :

"یہ شخص (اسیر) دس پندرہ برس کے سن میں راقم کا ہم پیالہ اور ہم نوالہ رہا....اباً عن جدً اس کے نمک خوار میرے باپ دادا کے رہے....پینسٹھ برس کے سن میں عقد کیا.... جب امر انتزاع سلطنت اودھ واقع ہوا.... یہ از بسکہ زوجہ کا مبتلا بہت تھا، حق نمک مالک یک قلم فراموش کر کے گھر میں جا چھپا....بیس برس سے مجھ سے اس سے فراق ہے۔ طرفہ تر یہ کہ اب والی رامپور کو اپنا بادشاہ بنا کر یہ سید بنی فاطمہ ملکی ان کا نمک کھاتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ یہ مطلع اس شخص نمک فراموش کا ہے۔

دل گنہ کرنے میں خیرہ ہوگیا جو صغیرہ تھا کبیرہ ہوگیا " 13

رامپور میں ان کے قیام کے زمانے کا حال امیر مینائی نے اس طرح تحریر کیا ہے :

"استادی منشی مظفر علی ابن سید مددعلی ابن سید محمد علی ابن سید محمد معین الدین ابن محمد صالح کروری حضرت عباس علمبردار...کی اولاد میں ہیں، مولد ان کا قصبہ امیٹھی ہے.... نواب محمد سعید خاں لکھنؤ میں رونق افروز تھے اس زمانے میں یہ نوکر ہوئے....فن شعر میں شیخ غلام ہمدانی مصحفی کے نامی شاگرد ہیں۔ ایک دیوان فارسی اور چھ دیوان اردو ہیں، ایک دیوان قصائد اردو کا اور چند مثنویاں اور رسائل علم عروض وقوافی فارسی اور اردو اور ایک عربی میں ہے....عمر اب 75 برس ہے۔" 14

اسیر کے کلام کا نمونہ یہ ہے ۔

دل جلا کر رخ محبوب کا جلوا دیکھا
ہم نے گھر پھونک کے کیا خوب تماشا دیکھا

آنکھ اس کی پھری مجھ سے یہ باور نہیں آتا
کیا ضعف سے بیمار کو چکر نہیں آتا

التجا کیا کرے وہ غیروں سے
جو کبھی شرم سے دعا نہ کرے

اے تیغ جفا کی نہ کرنا
سوگند تجھے مرے لہو کی

8- تسلیم۔ امیر اللہ

امیر مینائی کے تذکرے میں ان کا ذکر مختصراً اس طرح درج ہے :

"تسلیم شیخ امیر اللہ ابن عبدالصمد انصاری، ان کے بزرگوں کا وطن قدیم فیض آباد، میرزا محمد اصغر علی خان نسیم دہلوی ان کے استاد، لکھنؤ میں نشوونما پائی۔ حضور پُر نور کی قدر دانی یہاں کھینچ لائی۔ باون برس کی عمر ہے۔ چار مثنویاں اور دو دیوان اردو ان سے یادگار ہیں۔" 15

تسلیم کا 16 سال ولادت 1234ھ/1819 ہے۔ غدر کے زمانے میں 17 رامپور گئے۔ کسمپرسی میں رہے۔ پھر لکھنؤ واپس آ گئے۔ نواب کلب علی خاں نے 1285ھ/1868 کے بعد کسی وقت ان کو رامپور میں بلا لیا تھا۔ لالا سری رام ان کے مداح تھے۔ انھوں نے تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے۔ ضروری باتیں یہ ہیں :

"اس وقت نوے برس کے قریب عمر ہے۔ کلام میں فصاحت، بلاغت، متانت، شوخی کمال کے درجے تک پہنچی ہوئی ہے خوش نویسی میں بھی ید طولیٰ حاصل ہے۔ اصل وطن قصبہ بدیع المنزل عرف بدّ سرائے مضافات دریاباد میں ہے۔ اپنے استاد نسیم دہلوی سے اس قدر عقیدت وارادت ہے کہ ہمیشہ سے آپ کی وضع بھی قدیم دہلی کے درباریوں کی سی رہی۔ آپ کا قول ہے ۔

میں ہوں تسلیم شاگرد نسیم دہلوی
مجھ کو طرز شاعرانِ لکھنؤ سے کیا غرض" 18

تسلیم نے چار دیوان اور کئی مثنویاں تصنیف کی ہیں۔ بعض مثنویاں یہ ہیں :

i- ''نالۂ تسلیم'' 1269ھ/ 1852 میں تصنیف کی اور 1272ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے چھوائی۔

ii- ''شام غریباں'' سال تصنیف 1279ھ/ 63-1862 ہے۔ یہ نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔

iii- ''دل و جاں'' 1311ھ/ 94-1893 میں تصنیف کی۔ آخر 1894 میں قومی پریس لکھنؤ میں چھپی۔

iv- ''سنبلستان خیال یا صبح خنداں'' 1294ھ/ 1877 کی تصنیف ہے۔

v- ''خنجر عشق'' تاریخی نام ہے۔ سال تصنیف 1323ھ/ 1905 ہے۔

vi- ''گوہر انتخاب'' شہر ماکردل کی تعریف میں ہے۔ یہ 1315ھ/ 98-1897 میں شائع ہوئی۔

vii- ''تاریخ بدیع'' 1297ھ/ 1880 میں لکھی گئی اور اگلے سال چھپ کر شائع ہوئی۔ اس میں علاقہ روہیل کھنڈ کے امرا کے حالات اور اس علاقے کی تاریخ نظم کی گئی ہے۔

viii- ''تواریخ کامل'' اس میں نواب مشتاق علی خاں کی مسند نشینی سے نواب حامد علی خاں کو اختیارات ملنے تک کے واقعات نظم کیے گئے ہیں۔ سال تصنیف اس کا 1308ھ/ 91-1890 ہے۔

ix- ''سفرنامۂ خسروی'' سال تصنیف اس کا 1312ھ ہے۔ اس میں نواب حامد علی خاں کے سفر یورپ کے حالات نظم کیے ہیں۔ نواب اس سفر کے لیے 1311ھ/ اکتوبر 1893 میں روانہ ہوئے تھے۔

یہ بات یقینی ہے کہ تسلیم کے تصانیف ان کے علاوہ اور بھی تھیں جن کے بارے میں کافی معلومات اب دستیاب نہیں ہیں۔ تسلیم کی غزل کے دو ایک شعر نمونہ کے طور پر یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

وطن میں تازہ وارد ہوں، طبیعت گھر میں کیا بہلے ابھی پھرتا ہے آنکھوں میں مری نقشہ بیاباں کا
وہ ہوا خواہِ اسیری تھے کہ آزادی کے بعد رو دیے ہم دیکھ کر خالی قفس صیاد کا

مجھے مرنے دے جیتے جی بتوں پر　　مزا ناصح یہی ہے زندگی کا
بھولے سے بھی نہ جانب اغیار دیکھنا　　شرط وفا یہی ہے، خبردار دیکھنا

تسلیم نے لکھنؤ میں مئی 1911 میں وفات پائی تھی۔

9- داغ- نواب مرزا خاں

امیر مینائی نے بہت اختصار سے ان کا ذکر کیا ہے :

"داغ نواب مرزا خاں خلف نواب شمس الدین خاں مغفور، چوالیس برس کی عمر، صاحب دیوان، شیخ محمد ابراہیم ذوق دہلوی کے شاگردوں میں فرد کامل، خوش مذاق ہونے میں یکتائی حاصل، سرکار فیض آثار کے ملازم و معتمد خاص، اصطبل و فراش خانے کی داروغگی سے اختصاص، وطن اصلی ان کا دہلی، مدت سے مع اہل و عیال یہیں ہیں سرکار دولت مدار کے ہم رکاب زیارت حرمین شریفین کو بھی گئے۔"19

لالا سری رام نے داغ کے حالات بہت تفصیل سے درج کیے ہیں۔ یہاں خلاصہ کے طور پر صرف ضروری باتیں تحریر کی جاتی ہیں :

"داغ بتاریخ 12 ذی الحجہ 1246ھ/ 1831 عیسوی/ 14 بیساکھ ست 1888 بکرمی روز چہارشنبہ بمقام شاہجہاں آباد دہلی محلہ گلی ماران پیدا ہوئے۔ فن شہسواری و سپہ گری کے کل اصول اور کرتب قلعے میں رہ کر سیکھے۔ فن شعر میں گیارہ بارہ برس کی عمر میں شیخ ذوق کے شاگرد ہوئے۔ غدر کے بعد مرزا داغ مع اپنے قبائل کے رامپور چلے گئے۔ وہاں ان کا قیام کم و بیش چالیس سال تک رہا۔ نواب کلب علی خاں کی وفات کے بعد دہلی چلے آئے اور مختلف مقامات لاہور، امرتسر علی گڑھ، متھرا، جے پور، اجمیر وغیرہ کی سیر کی-1305ھ/88-1887 میں حیدر آباد گئے۔ پھر دہلی چلے آئے۔ 1308ھ میں آصف جاہ سادس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسی وقت سے سلسلہ اصلاح کا شروع ہوا۔ پھر ورود حیدر آباد سے ایک ہزار روپیہ ماہوار کے حساب سے 'رحمت ہوا۔ مرزا صاحب نے وہاں نہایت عزت و آبرو سے اٹھارہ برس تک قیام کیا۔ 9 ذی الحجہ 1322ھ/ 17/ فروری 1905 کو وفات پائی۔

چار دیوان یعنی گلزار داغ، آفتاب داغ، مہتاب داغ اور یادگار داغ اور ایک مثنوی فریاد داغ ہے۔''20

داغ کے خطابات یہ تھے: ''سلطان الشعرا، بلبلِ ہندوستان، جہاں استاد، ناظم یار جنگ، دبیرالدولہ، فصیح الملک بہادر۔'' ان کے چند شعر یہ ہیں ؎

جو تمھاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا ۔۔۔ تمھیں منصفی سے کہہ دو تمھیں اعتبار ہوتا

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا ۔۔۔ جھوٹی قسم سے آپؐ کا ایمان تو گیا

دی موذن نے شبِ وصل اذاں پچھلی رات ۔۔۔ ہائے کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

لطف آرام کا نہیں ملتا ۔۔۔ آدمی کام کا نہیں ملتا

رامپور میں اُس زمانے میں جو خوشحالی تھی اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ وہاں ہزل اور ریختی وغیرہ کو بھی فروغ حاصل ہوا۔

10- بیڈھب۔ مظفر شاہ خاں

امیر مینائی کے تذکرے سے ان کے بارے میں اسی قدر معلوم ہو سکا ہے کہ :

''بیڈھب تخلص، مظفر شاہ خاں ولد نادر شاہ خان، انیس برس کا سن، نئی طرح کا تخلص، نئے رنگ کا کلام ہے۔ بطور خود کہتے ہیں۔ کسی سے مشورہ نہیں۔ ایک شعر ان کا لکھا جاتا ہے'' ؎

دامنِ دل سے مرے داغِ مصیبت دھووے ۔۔۔ آشنا ایسی الٰہی کوئی دھو بن ہو جائے21

11- جان صاحب۔ میر یار علی

''جان صاحب تخلص، میر یار علی نام، ولد میر امن شاگرد نواب عاشور علی خاں لکھنوی، تریسٹھ برس کی عمر ہے۔ ریختی کہنے میں یکتا، صاحب طبع رسا ہیں، وطن ان کا لکھنؤ ہے۔ اب کئی برس سے اس سرکار دولت مدار میں نوکر ہیں۔ دو دیوان چھپ گئے، دور دور تک مشتہر ہیں۔ اور بھی کلام ہے۔ ''

یہ امیر مینائی کا بیان ہے۔ لالا سری رام نے اس پر خاصا اضافہ کیا ہے :

''زندہ دل، خندہ پیشانی، مرنج مرنجان آزاد منش، اپنی تمام عمر خاص صنف ریختی

میں بسر کردی، مشاعروں میں زنانہ لباس سے شریک ہوتے اور پڑھنے میں وہ
ناز آفرینیاں کرتے تھے کہ باید وشاید، لکھنؤ کی شاہی کے زمانے میں تلاش
معاش میں دہلی اور بھوپال وغیرہ گئے۔ آخر 1290ھ/ 1873 میں تریسٹھ
برس کی عمر میں نواب کلب علی خاں کے دامن دولت سے وابستہ ہوئے۔
ستر برس سے زیادہ عمر پا کر وفات پائی۔''23ے

کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

خصم وہ جورووں کا اے بوا چوسر کا پانسہ ہے — بدی جس سے کریگا سامنا ہووئیگا ذلت کا
ایک ایک نقطے پر اتی لڑتے ہیں مردود ے — محفل مشاعرہ کی اکھاڑا ہے بھیم کا
کیا زمانہ برا ہے اُچھی بی — کوئی کرتا نہیں کسی کا پاس
روز پھر آتی ہے لونڈی مری جا کر خالی — بھاڑ میں جائے کرایہ، وہ کریں گھر خالی

12- عجیب- لالا دامودر سین

''عجیب تخلص لالا دامودر سین عرف ڈوری لال ولد لالا کنور سین لذت، وکیل
عدالت، فکر مضمون خیز ہے، طبیعت تیز ہے۔ اکیس برس کا سن ہے، کئی برس سے
ضلع بریلی کے محکمہ اسسٹنٹی میں نائب سررشتہ دار ہیں، یہاں کے قیام تک راقم
سے تلمذ تھا۔ یہ چند شعر ان کے لکھے گئے ؎

نہ بجھی پر نہ بجھی آگ ہمارے دل کی — تیرے چھینٹوں سے بھی کچھ اے مژہ تر نہ ہوا
خونِ جگر شراب ہے لختِ جگر کباب — یہ ذائقہ کہاں ہے کباب وشراب میں
مرے سینے پہ رکھو پائے نازک — جگہ ہے یہ تمھارے نقشِ پا کی'' 24ے

جیسا کہ مذکور ہوا ان کے والد لالا کنور سین بھی شاعر تھے، لذت تخلص کرتے تھے اور عموماً
فارسی میں کہتے تھے۔ مولوی محمد غیاث الدین عزت کے شاگرد تھے۔

13- ہزل- عبدالرحیم

''ہزل عبدالرحیم خاں ولد سعادت خاں، پچاس برس کی عمر ہے، ہزل گوئی میں
یکتا ہیں، شاگرد میر احمد علی رسا ہیں۔ یہ دو شعر ان کے ہیں۔''25ے

جس سے اے بزل چلی آتی ہے ساری خلقت　　رفتہ رفتہ ہم اُسی راہ گذر تک پہنچے
حلقہ پائیں ترا اے ماہ سیما چاہیے　　اب مری اکیسویں انگلی کو چھلا چاہیے

یہ ذکر آچکا ہے کہ نواب کلب علی خاں نے خود اپنی نثری تحریروں میں غزل اور مثنوی کے شعروں کے علاوہ کبت اور دوہے وغیرہ بھی شامل کیے تھے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امرا اور شاہانِ سلف کی روایات کے مطابق نواب صاحب نے بھی خالص ہندستانی شعری اصناف کی کماحقہ سرپرستی کی تھی چنانچہ رامپور میں متعدد شاعر ایسے تھے جنھوں نے ان اصناف میں امتیاز حاصل کرلیا تھا۔ امیر مینائی نے اپنے تذکرے میں ان کا احوال اور کلام بھی درج کیا ہے۔ ان شاعروں کو عموماً کبیشر کہتے تھے۔ امیر مینائی کے تذکرے میں جن کبیشروں کا ذکر آیا ہے ان میں زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہے، اور ہندو کبیشروں میں بیشتر فارسی داں ہیں۔

14- بلدیو- چوبے بلدیوداس تواری

''بلدیو چوبے بلدیوداس تواری ابن چوبے جگناتھ تواری ابن باسدیو تواری برادر کلاں چوبے پران سکھ، اس کبیشر کی عمر تریسٹھ برس کی ہے۔ عہد ولی عہدی سے سرکار فیض آثار میں نوکر ہیں، کسی قدر فارسی سے بھی آگاہ، ماقیمان اور کریما دونوں کتابوں کا ترجمہ فارسی سے بھاکھا میں کیا ہے۔''26

''تعریف جشن باغ بےنظیر در بحر ترہنگی'' کا پہلا شعر اس طرح ہے :

سبھ دن	ہرءیو	مجس سلیو	میلا کینو	شکھ دائی
مبارک	خدانے دیا	اچھی نیک نامی پائی	جشن کیا	آرام دینے والا
دیس تیں آئی،	گُنی سُہائی	اَت جَس گائی	چھب	چھائی
شہر سے	ہنرمند اچھے اچھے	بہت سی تعریف	حُسن	پھیل گیا

15- تاب- امداداللہ خاں

''تاب تخلص صاحبزادہ امداداللہ خاں ابن صاحبزادہ کفایت اللہ خاں کفایت تخلص، اخوندزادے احمد خاں غفلت کے شاگرد رشید..... فنون متداولہ میں کمتر کوئی فن ایسا ہوگا جس میں داخل نام نہ تھا.... عجب مرد نیک نہاد تھے۔ زبان

بھا کھا اور اردو دونوں میں استاد تھے۔ اکسٹھ برس کی عمر پائی۔ جمادی الآخر کی پہلی تاریخ 1279ھ/1862 میں رحلت فرمائی۔ کلام اکثر تلف ہوگیا۔"27؎

ان کے ایک "کبت در تعریف معشوقہ" کا آغاز اس شعر سے ہوا ہے ؎

دہاں تو بدھ یہاں بھال ہرت بندی اجی کنبھ کچ چکھ مین گر اُر بسی ہے
عطارد پیشانی سبز ٹیکا ڈول پستان آنکھ مچھلی مشتری دل میں آباد
بھرکٹی پناک بھج ثلا مکتا نچھتر بھوم سُت سیس پھول شکر آرسی ہے
ابرو قوس قزح بازد میزان مروارید ستارے مریخ سر کا زیور زہرہ

16- نواب۔ کلب علی خاں

آخر میں یہ ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نواب کلب علی خاں نواب تخلص نے امیر المومنین حضرت عمرؓ ابن الخطاب اور اور حضرت عثمانؓ ابن عفان کی مدح میں بھی قصیدے لکھے تھے اور اس اعتبار سے بھی وہ اکثر رؤسائے زمانہ ممتاز تھے۔ انھوں نے زبان وبیان کے لحاظ سے بھی وسیع النظری کا ثبوت پیش کیا تھا اور عمدہ کبت لکھے تھے۔ ان کے ایک کبت کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے ؎

28 گینڈ گت ، مَن ہرن ، سدھا اذھرن ، چندبدن بسیلی باز کاری تن ہیں
گینڈے کی چال دل ربا ہونٹ مہوش زہریلی سیاہ
برہا کے دکھ کو بید ہیں سری سی سوبھا سکھ دین بھرودہن نین مدھ سین مگن ہیں
فراق طبیب بھی شان راحت رساں ابروکمان شرابی آنکھیں مچھلی مست

امیر مینائی نے اس کبت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

"بندگان عالی نے اس کبت میں عجب حُسن رکھا ہے اور قدرت گویائی کا رنگ دکھایا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ مذہب ہنود میں سمندر سے چودہ رتن یعنی جواہر نکلے ہیں..... جاننا چاہیے کہ اس کبت میں بندگان عالی نے معشوق کے سراپا کو سمندر قرار دے کر یہ چودہ چیزیں بطور تشبیہات اس سمندر سے نکالی ہیں"

معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب کے زیر اثر اس قسم کی شاعری رامپور ہی نہیں اردگرد کے مراکز میں بھی خوب پھلی پھولی۔

ب - تاریخ و معما

تاریخ گوئی اور فنِ معما سے متعلق رامپور میں غالباً دو تین سے زیادہ کتابیں نہیں لکھی گئی تھیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں :

1- کنز التاریخ

یہ نام تاریخی ہے اور اس سے سال تالیف 1319ھ/ 1901 معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مولف محمد مجیب اللہ خاں عرف حافظ عبدالرحمٰن احسان تھے۔ ان کا حال امیر مینائی کے تذکرے میں بھی درج نہیں ہے۔ یہ کتاب کنز التاریخ مطبع حسنی رامپور میں 1327ھ/1909 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔ اس میں 1326ھ سے 1350ھ تک کے لیے اسمائے ذکور اور اسمائے اناث بھی شامل کیے گئے ہیں۔

2- ارژنگ صفدر

لالا سری رام نے اس کتاب کے مصنف کے بارے میں جو لکھا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے:

> "صفدر عالی جناب نواب صفدر خاں بہادر خلف نواب محمد سعید خاں بہادر .....امیر
> مینائی سے استفادہ کیا ہے....فن مصوری و نقاشی میں بھی اچھی مہارت حاصل کی تھی
> فن معما میں ایک کتاب، ارژنگ صفدر، شائع ہو چکی ہے....دیوان طبع ہو چکا ہے"[1]

اس کتاب کے بارے میں مزید معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔

3- افادۂ تاریخ

یہ جلال لکھنوی کی تصنیف ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن نے اس کے بارے میں جو لکھا ہے اس کا ماحصل یہ ہے:

''یہ مختصر سا رسالہ 1303ھ/86-1885 میں طبع ہوا۔ یہ جلال کے قیام رامپور کے زمانہ کا رسالہ ہے۔ اس میں قواعد اور فوائد تاریخ گوئی کا بیان ہوا ہے اور تاریخ گوئی کے قواعد، تقیہ، تخرجہ کے اصولوں سے بحث کی گئی ہے۔''[2]

جلال کے قیام رامپور سے متعلق امیر مینائی نے تحریر کیا ہے:

''جلال میر ضامن علی خلف حکیم اصغر علی، زمانۂ حضرت فردوس مکاں نواب محمد یوسف علی خاں میں پہلے ان کے والد ملازم سرکار دولت مدار ہوئے، پھر بہ حکم قدردانی یہ بھی طلب ہو کر نمک خوار ہوئے۔ اب تک دونوں مورد مراحم سلطانی ہیں۔ مرزا محمد رضا برق سے تلمذ رکھتے ہیں، چوالیس برس کی عمر ہے۔''[3]

ج - عروض وقوافی

علم عروض وقافیہ سے نوابین رامپور کو عموماً دلچسپی رہی ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اس ریاست میں ان موضوعات سے متعلق کئی کتابیں اور رسالے لکھے گئے تھے۔

1- رسالہ در عروض

اس نام سے ایک دو ورقی رسالہ رامپور کی رضا لائبریری میں بتایا گیا ہے لیکن اس کے مصنف کا نام وغیرہ کچھ معلوم نہیں ہے۔

2- ترجمہ عروض سیفی

اس ترجمہ سے متعلق اپنے تذکرے میں امیر مینائی نے جو لکھا ہے، اس طرح ہے:

''احسن تخلص حکیم مظہر احسن خاں ولد حکیم محمد مجتبٰی خاں لکڑی کی تجارت کا مشغلہ ہے، کسب کمالات کا ولولہ ہے۔ چھبیس برس کا سن، جوہر قابل... علم عروض وقافیہ میں مولوی جمال شاہ اور جناب منشی مظفر علی اسیر کے فیض صحبت سے بصیرت حاصل کی.... عروض سیفی کا ترجمہ اردو زبان میں لکھا ہے۔''[1]

حافظ احمد علی شوق نے اسی مضمون کو اس طرح قلمبند کیا ہے:

''عروضِ سیفی فارسی کی شرح اردو میں نہایت بسط سے لکھی ہے...... پہلی بحث

ہی میں قیام تھا۔ 1891 میں سینتالیس برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ پیلی بھیت ہی میں دفن ہوئے۔''2

3- عروض با قافیہ

امیر مینائی کے تذکرے میں اس کتاب کا مذکور اس طور پر آیا ہے :

''آشفتہ مولانا محمد سعد اللہ خلف مولوی نظام الدین ....اٹھائیس تالیفات ہیں .....عروض با قافیہ میزان الافکار، شرح معیار الاشعار....اکہتر برس کی عمر ہے۔''3

اس بیان پر احمد علی شوق نے اس طرح اضافہ کیا ہے:

''مفتی محمد سعد اللہ 1219ھ/1824 میں مراد آباد میں پیدا ہوئے ..... تصانیف کثیر ہیں .....عروض با قافیہ عربی مطبوع ،شرح عروض با قافیہ مطبوع، شرح معیار الاشعار.... 1294ھ میں رامپور میں وفات پائی۔''4

اس اقتباس میں جن شرحوں کا ذکر آیا ہے، غالباً وہ سب فارسی میں ہیں۔

4- شرح حدایق البلاغہ

شوق کے تذکرے میں اس شرح کے مصنف کا احوال اس طور پر درج ہے :

مولوی5 عبدالرزاق خاں طالب ابن عبدالعزیز خاں ، رامپور میں 1255ھ/ 1839 میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام مظہر علی ہے...تصانیف میں میزان سخن منظوم فارسی عروض کو بہ تفصیل لکھا ہے۔ رامپور میں چھپ گئی ہے....حدیقۃ البیان میں حدایق البلاغہ کے باب تشبیہ واستعارہ کی شرح لکھی ہے اور اس کے مصنف نے جو اعتراض قدما کے کلام پر کیے ہیں ان کا رد کیا ہے۔ یہ بھی چھپ گئی ہے۔ ایک کتاب اردو زبان میں فارسی صرف ونحو کے متعلق لکھی ہے۔ وہ غیر مطبوعہ ہے ...ذی الحجہ 1334ھ/اکتوبر 1916 میں انتقال فرمایا۔''

5- بحر الفصاحت

احمد علی شوق نے اپنے تذکرے میں اس کتاب کے مصنف اور اس کی تصانیف کا حال اس طرح قلمبند کیا ہے :

''مولوی نجم الغنی خاں ولد مولوی عبدالغنی خاں ربیع الاول 1276ھ/ 1859

میں رامپور میں پیدا ہوئے.... آخر میں اجمیر کے اسکول میں پرنسپل رہے۔ان کی کچھ تصانیف یہ ہیں.... نہج الادب قواعد فارسی مطبوعہ۔رسالہ نجم الغنی قواعد فارسی مطبوعہ، منتہی القواعد مطبوعہ، بحر الفصاحت مطبوعہ مفتاح البلاغت مطبوعہ.... معیار الافکار مطبوعہ....''6

حکیم نجم الغنی خاں کی کتاب بحر الفصاحت منشی نول کشور کے مطبع لکھنؤ سے بار بار چھپتی رہی ہے۔اس سے اس کی افادیت اور مقبولیت کا اندازہ کیا جانا چاہیے۔

6- مقصد البلاغہ

بلاغت کے مباحث سے متعلق یہ کتاب مولوی محمود عالم 7 صرفی ونحوی (وفات 1302ھ/1885) ابن مولوی محمد شاہ کی تالیف ہے۔یہ مولوی صاحب کچھ مدت تک بنگال میں بھی سکونت پذیر رہے تھے۔وہ اپنے زمانے میں علم صرف ونحو میں بے مثال عالم سمجھے جاتے تھے۔

7- رسالہ عروض

اس رسالہ کا خطی نسخہ 8 علی گڑھ کی مولانا آزاد لائبریری میں موجود ہے۔مصنف اس کے حافظ محمد سلامت اللہ ہیں۔کتابت اس کی خود انھوں نے بیس ورقوں پر 1889 میں کی تھی۔رسالہ کا آغاز اس عبارت سے ہوا ہے:

'' علم عروض وہ علم ہے جس سے کیفیت موزونیت کلام واستعمال الفاظ وحروف ووزن اشعار معلوم ہوتا ہے...'' اور خاتمہ اس مثال پر ہوا ہے:

'' زاہد ہوکر جو شغل سے چھوڑ دیا

زاہد ہو مفعولن، کرجُ شغ فاعلن لِ سے چھوڑ مفاعیل، دیا فعل ''

حافظ 9 سلامت اللہ مولانا ارشاد حسین کے شاگرد اور مرید وخلیفہ تھے۔اصل وطن اعظم گڑھ تھا۔ مختلف علوم وفنون میں کامل تھے۔8- جمادی الاول 1338ھ/1920 کو جمعہ کے دن وفات پائی، رامپور میں اپنے مرشد کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔کئی کتابوں کے مصنف تھے۔بعض یہ ہیں :

ریحان الصرف، تلخیص الافادات، سلطان الانشا (تین جلدوں میں)

8- زرکامل عیار

امیر مینائی نے اپنے استاد مظفر علی اسیر کی تصانیف کا شمار اس طرح کرایا ہے :

"زرکامل عیار شرح معیار الاشعار اور رسائل علم عروض وقوافی فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں ہیں اور رسالہ بیان اضافات اور رسالہ تشریح الحروف زبان فارسی میں اور فوائد مظفر یہ علم نحو میں بہ زبان عربی ہے۔ان میں سے کچھ کتابیں مطبوع ہو کر شائع ہوگئی ہیں اور کچھ باقی ہیں۔"10

معیار الاشعار عروض وقافیہ کے علم سے متعلق نصیر الدین محقق طوسی کی معتبر تصنیف ہے۔ اسیر نے اس کتاب کا ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ اس کے دقت طلب مباحث کو آسان بنا دینے کی بھی کوشش کی تھی۔زرکامل عیار کی تمہید میں اسیر نے لکھا ہے :

"کتاب معیار الاشعار تصنیف...محقق طوسی پر......مولوی سعد اللہ نے حاشیہ لکھا ہے اور انصاف کو بالائے طاق رکھ کر جا بجا اعتراض کیے ہیں اور شرح شیخ مہدی علی زکی مشتہر بہ ملک الشعرا کی بھی ہے، بعضے مطالب زیادہ حاشیہ اور شرح سے ذہن میں آئے اور بعض مقامات صحت سے بھی رہ گئے ہیں لہٰذا احقر العباد نے مطالب نو وکہن عبارت اردو میں بہ طریق ترجمہ لکھے اور نام اس کا زرکامل عیار در ترجمہ معیار الاشعار رکھا۔"

د - قواعد

اہلِ رامپور کو زبان و بیان کے ضابطوں اور قاعدوں وغیرہ سے بھی خاصی دلچسپی رہی ہے چنانچہ قواعد سے متعلق بعض کتابوں کا ذکر "عروض وقوافی" کے سلسلے میں آچکا ہے۔ یہاں چند اور کتابوں کا مجملاً تعارف لکھا جاتا ہے۔

1- قواعدِ حامدی

اس کتاب کے مصنف [1] حکیم نجم الغنی خاں رامپوری تھے۔ کتاب کا نام اس حقیقت کی غمازی کررہا ہے کہ اس کی تصنیف میں کسی نہ کسی طور پر نواب حامد علی خاں والی رامپور کو بھی دخل رہا ہے۔ چار سو اٹھاسی صفحوں کی یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبع العلوم بنارس میں 1896 میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔

حکیم نجم الغنی خاں نے قواعد اور اُس کے متعلقات سے متعلق کئی معتبر کتابیں چھوڑی ہیں۔ بعض کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔

2- رسالہ تحقیق تنقیح

اس رسالے کے مصنف نصیر احمد خاں تھے۔ احمد علی شوق کے تذکرے میں ان کا ذکر اس طرح آیا ہے :

''مولوی نصیر احمد خاں تخلص سحاب ولد محمد سعید خاں افغان امان زئی، رامپور میں
1845 میں پیدا ہوئے۔ ..... شاعری میں سید اسماعیل حسین منیر کے شاگرد
.... زمانے نے فرصت نہ دی ورنہ یہ جوہر قابل ہندوستان میں بے مثل ہوتا۔
12/ اگست 1898 میں انتقال ہوا۔''2

مذکورہ رسالے کا جو قلمی نسخہ دہلی یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے وہ چونسٹھ ورق کا ہے اور خود مصنف کے ہاتھ کا 1295ھ/ 1878 کا لکھا ہوا ہے۔ ترقیمہ نہیں ہے۔ رسالہ کا آغاز اس عبارت سے ہوا ہے: 3

''حمد و شکر اس عالم الغیوب کے لیے جس کی کتاب مبین حکمت سے عَلَّمَ آدَمَ
الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا ایک لفظ ہے اور اس کے دفتر علم سے..... ''

اور اس شعر پر رسالہ کا اختتام ہوا ہے۔

اب اے صبا رقم کر تنقیح جلال کی ہے تردید

ڈاکٹر محمد حسن نے ''تنقیح جلال'' کے بارے میں اتنا لکھا ہے:

''تنقیح اللغات صحت لغات میں ہے۔ مطبوعہ نسخہ دستیاب نہیں ہوتا۔ حضرت آرزو
اپنے ہاں ایک قلمی نسخہ بتاتے ہیں جس میں سنہ تالیف و تصنیف درج نہیں ہے۔''4

صبا سے مراد غالباً منشی محمد صابر حسین سہسوانی خلف منشی محمد احتشام الدین صدیقی ہیں جو بقول امیر مینائی5 تاریخ گوئی میں طاق، صنائع بدائع میں صاحب ایجاد اور ریاست رامپور کے نمک خوار تھے۔ ان کے دوسرے مصرعے سے نصیر احمد کے رسالے کا سال تصنیف 1295ھ / 1878 برآمد ہوتا ہے۔ اس رسالے کے بارے میں بتایا گیا ہے:

'' یہ مخطوطہ فارسی، عربی، ترکی کے دو سو دس مشکل الفاظ کی اردو شرح ہے۔
مصنف نے لسانی نقطۂ نظر سے ان الفاظ کا مطالعہ کیا ہے اور ہند یورپی زبانوں
کی تاریخ سامنے رکھ کر ان کی اصل کا پتہ لگانے کی کوشش کی ہے۔''6

جلال کے رسالہ تنقیح اللغات کے رد میں کئی لوگوں نے رسالے لکھے تھے۔ ان میں سے سب سے زیادہ مشہور ظہیر احسن شوق نیموی عظیم آبادی شاگرد امیر اللہ تسلیم کا رسالہ ''ازاحۃ الاغلاط''

بہ زبان فارسی ہے۔ جلال کے شاگردوں نے ان کے جواب الجواب شائع کیے۔ پھر ان کے بھی جواب لکھے گئے۔ ان میں بھی ظہیر احسن شوق کے رسالہ "سرمۂ تحقیق" کو شہرت ملی۔ اس کے بارے میں پروفیسر محمد حسن نے لکھا ہے کہ

"سید محمد اسماعیل معاصی کے رسالہ "رد تردید" کا جواب یہ فرض کر کے دیا گیا ہے کہ وہ حضرت جلال کی تصنیف ہے۔ سرمہ تحقیق میں رد تردید کے لفظ لفظ سے اختلاف کیا ہے۔"7

3- رسالہ تذکیر و تانیث

حکیم میر ضامن علی جلال نے ایک رسالہ "کارآمد شعرا" کے نام سے الفاظ کی تذکیر و تانیث سے متعلق لکھا تھا جو 1293ھ/1876 میں چھپ گیا تھا۔ جلال نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ "ناقص، ناتمام اور غلط" چھپا تھا۔

4- مفید الشعرا

جلال لکھنوی نے اپنے رسالہ تذکیر و تانیث کو "تکمیل و تصحیح" کے بعد 1301ھ/1884 میں مطبع گلزار محمدی میں مفید الشعرا کے نام سے چھپوایا۔ اس کے دیباچے میں انھوں نے لکھا ہے:

"......مولف سراپا خطا اس کی تکمیل و تصحیح اور اپنے ولی نعمی کا نام نامی اور اوصاف گرامی خطبہ میں داخل کر کے بار دگر معرض طبع میں لاتا ہے اور پھر وہ شاہد معنی بہ امداد و اعانت....نواب محمد کلب علی خاں ....زیور ترتیب سے مرتب اور مزین ہو کر....جلوہ دکھاتا ہے اور اب نام اس کا مفید الشعرا رکھا جاتا ہے...... "8

اس رسالے کو دوسری بار 1347ھ/ 1928 میں مطبع مجیدی کانپور سے چھپوایا۔ اس وقت چونکہ نواب کلب علی خاں کا انتقال ہو چکا تھا، ان کے نام کے ساتھ "دام اقبالہم" کی جگہ "خلد آشیاں" بنا دیا گیا۔ متن میں کوئی بڑی اہم تبدیلی نہیں کی گئی۔

یہ رسالہ ایک مقدمہ، چند فوائد اور چھتیس فصلوں پر مشتمل ہے۔ فصلوں کی تقسیم حروف ابجد کے اعتبار سے کی گئی ہے مثلاً پہلی فصل ان اسما کی تذکیر و تانیث پر مشتمل ہے جن کے آخر میں الف آیا ہے جلال کے اس رسالے کے خلاف بھی مختلف حلقوں سے آوازیں اٹھی تھیں۔

5- قواعد المنتخب

یہ مختصر سا رسالہ میر ضامن علی جلال نے ریاست منگرول میں قیام کے زمانے میں لکھا تھا چنانچہ دیباچے میں ہے :

"....اور دیباچہ اس کا مزین مجلی نام نامی واسم گرامی....ولی نعمت نواب شیخ حسین میاں بہادر ..فرماں روائے ملک کاٹھیاواڑ والی ریاست منگرول....کیا جاتا ہے۔"9

مصنف نے اس کا تاریخی نام "منتخب القواعد " رکھا تھا جس سے سال تالیف 1304ھ معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے پیش نظر اس کا تیسرا ایڈیشن ہے جو 1951 میں مولانا عبدالماجد دریابادی کے "پیش لفظ" کے ساتھ الناظر بک ایجنسی لکھنؤ نے شائع کیا تھا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بار یہ حیدر آباد میں نواب میر محبوب علی خاں کے زمانہ میں چھپا تھا پھر 1310ھ/93-1892 میں یہ منگرول میں چھپا۔ مصنف نے اس کی تمہید میں لکھا ہے :

"حکیم سید ضامن علی جلال لکھنوی عرض کرتا ہے کہ ہیچ مداں کی.....آٹھ کتابیں .....یہ ہیں۔

تنقیح اللغات، گلشن فیض، سرمایۂ زبان اردو لغت میں، مفید الشعرا بحث تذکیر وتانیث میں، افادہ تاریخ بحث قواعد تاریخ گوئی میں، شاہد شوخ طبع اردو کا دیوان اول، کرشمہ گاہ سخن دیوان دوم، مضمون ہائے دلکش دیوان سوم، اور اب یہ نویں تالیف ہے کہ ایک مختصر سا رسالہ چند قواعد میں زبان ہندی الاصل کے۔ وہ قواعد سلف سے آج تک نہیں لکھے گئے اور وہ زبان ہندی الاصل جو اردو میں بھی مستعمل ہے، تالیف کیا گیا ہے اور نام اس کا منتخب القواعد رکھا گیا ہے اور بنا اس کی صرف دو بابوں پر قائم کی گئی ہے۔"10

مطبوعہ کتاب کے سرورق پر اس کا نام "قواعد منتخب" چھپا ہے۔

قواعد سے متعلق جلال نے جو کتابیں لکھی تھیں، یہ رسالہ بھی انہی کا تسلسل ہے اس لیے باوجود یہ کہ اس کی تالیف کا کام رامپور میں نہیں ہوا تھا، اس مقام پر اس کا ذکر مناسب معلوم ہوا۔

۵ - تحریر و املا

نوابین رامپور بیشتر علم دوست تھے۔ ان کے بارے میں اہل تذکرہ نے اس قسم کے جملے لکھے ہیں:

" حصرِ محامد جلیلہ بندگان حضور مجال زبان نہیں، شمار فضائل جمیلہ مقدور بیان نہیں۔"

خوشنویسی کے فن سے بھی اس زمانے میں دلچسپی عام تھی چنانچہ اس ریاست میں اس فن سے متعلق کئی کتابیں لکھی گئی تھیں۔ بظاہر اس فن کی بھی یہ نواب سرپرستی کر رہے تھے۔

1- تذکرہ خوشنویسان

ریاست حسین خاں نامی اس زمانے میں ایک علم دوست، صاحب علم شخص رامپور میں تھے۔ انھوں نے مختلف موضوعات سے متعلق مضامین کے مجموعے اور کتابوں کے انتخاب جمع کیے تھے جو رامپور کی رضا لائبریری میں محفوظ ہیں۔ ان کی مرتب کردہ ایک قلمی کتاب "تذکرۂ خوشنویسان ودیگر مضامین" بھی ہے جو اکیانوے اوراق پر محیط ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں قابل ذکر خوشنویسوں کی خاصی تعداد تھی۔

2- تنقیح الانشا

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جس کا پورا نام "تنقیح الانشا و تصحیح الاملا" ہے۔ مولوی عبد العلی آسی

مدراسی اس کے مصنف تھے۔ اس کے نام سے رسالے کے مشمولات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ رضا لائبریری میں اس کا ایک قلمی نسخہ سات ورق کا ہے۔ خیال کیا گیا ہے کہ یہ بہ خطِ مصنف ہے۔

3- سہل ممتنع

اس رسالے کا جو خطی نسخہ رامپور میں ہے اس کا پورا نام ''سہل الممتنع لا ثانی'' ہے۔ یہ چھتیس ورق کا ہے اور اسے بخطِ مصنف سمجھا گیا ہے۔ امیر مینائی نے اس کے منصف کا احوال اس طرح قلمبند کیا ہے :

''عدیل میر عوض علی صاحب خوشنویس سید حسینی خلف میر چاند علی..... اہل بصیرت جانتے ہیں کہ خطِ نستعلیق کو انھوں نے کیسی رونق دی ہے.... برکت کا یہ حال ہے کہ جس نے چند سے تلمذ اختیار کیا محروم نہ رہا۔ بہت شاگرد خوشنویس کامل ہوگئے۔ بعض رسائل جو ان کی تالیف ہیں، نام ان کے لکھے جاتے ہیں: رسالہ سہل ممتنع - املا کے بیان میں صحت السلوک - طب میں ...اصل وطن ان کا ملیح آباد.... اسی برس کی عمر ہے۔ سالہائے دراز سے یہیں (رامپور میں) رہتے ہیں۔''1

حافظ احمد علی خاں شوق نے عدیل کے حال میں یہ بھی تحریر کیا ہے :

''فن خوشنویسی حافظ نور اللہ سے حاصل کیا...اس وقت جس قدر نستعلیق کے خوشنویس موجود ہیں، میر صاحب ہی کے سلسلے سے فیضیاب ہیں۔ چند رسائل تصنیف فرمائے مگر کوئی طبع نہیں ہوا.... رامپور میں فالج گرا۔ 27 محرم 1298ھ/ دسمبر 1880 میں انتقال ہوا۔2

یہ رسالہ نواب یوسف علی خاں ناظم کے زمانے میں لکھا گیا تھا۔

4- اصولِ نستعلیق

یہ رسالہ بھی میر عوض علی عدیل کا تالیف کردہ ہے۔ اس کے مباحث اور مشمولات اس کے نام سے ظاہر ہیں۔ غیر مطبوعہ رہ جانے کی وجہ سے اب یہ رسالہ نایاب ہوگیا ہے۔ حافظ احمد علی شوق نے عدیل کی تصانیف میں اس کا بھی نام لکھا ہے۔

5- دفتر خطاط

جیسا کہ نام سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے یہ ایک ضخیم تالیف ہے اور اس میں خطاطی کے اصول اور مسائل سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ اس کے مصنف کے حالات امیر مینائی نے اسی قدر لکھے ہیں:

"کریم تخلص محمد کریم اللہ خاں ابن محمد امیر خاں، تینتالیس برس کی عمر ہے.... خوشنویسوں میں ملازم سرکار ہیں۔ ان کے باپ بھی نوکر تھے۔"3

اور احمد علی خاں شوق نے ان کی کتاب اور خود ان کے بارے میں تحریر کیا ہے:

"مولوی کریم اللہ خاں ولد امیر خاں لودھی قندھاری.... خوشنویسی میں میر عوض علی عدیل کے شاگرد تھے.... نستعلیق خفی وجلی میں بہت شہرت حاصل کی..... ذیقعدہ کی بائیسویں تاریخ تیرہ سو چوبیس ہجری/1906 میں فالج سے رامپور میں انتقال کیا.... مطبوعہ کتاب، دفتر خطاط، ہے جس میں فن خوشنویسی کو خوب تفصیل سے فارسی زبان میں لکھا ہے۔ نول کشور پریس میں چھپی ہے۔ تصنیف 1303 ہجری/ جنوری 1907 معنون بہ نام نواب محمد کلب علی خاں..... ہے۔"4

6- معیار الاغلاط

یہ امیر مینائی کی تالیفات میں سے ہے۔ اس کا ذکر حافظ احمد علی شوق کے تذکرے میں اس طرح آیا ہے:

"منشی امیر احمد مینائی..... کی تصانیف سے..... معیار الاغلاط متعلق لغات مشہورہ..... ہے۔"5

امیر نے اپنی مشہور لغت امیر اللغات میں بھی املا اور تحریر کے مسائل سے حسب ضرورت بحث کی ہے۔

و - فرہنگ ولغات

نوابین رامپور کے امتیازات میں ایک یہ بھی ہے کہ انھوں نے لغت نویسی کے کام کی طرف خصوصیت سے توجہ کی تھی۔ اسے ان کی سرپرستی کے فیوض میں ہی شمار کرنا چاہیے کہ اس ریاست میں چھوٹی بڑی، ہر قسم کی اتنی لغتیں تیار ہوئی تھیں کہ اطراف ملک میں کسی دوسرے مرکز پر وجود میں نہیں آسکیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ رامپور میں لغت نویسی کا کام عموماً ان لوگوں نے کیا تھا جو کم سے کم اپنے حلقے میں شاعر کی حیثیت سے معروف تھے اور ان کے بارے میں کہا جا سکتا تھا کہ وہ الفاظ اور اصطلاحات کے محل استعمال وغیرہ سے واقف تھے۔

1- کنز المصادر

اس کے مصنف مولوی محمد علی محمد رامپوری تھے۔ ان کے بارے میں احمد علی شوق نے لکھا ہے :

> ''مولوی سید محمد علی، مولوی حیدر علی رامپوری کے بھائی تھے۔ بڑے شاعر فارسی کے تھے۔ الہ آباد میں انتقال ہوا۔'' بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے زمانے میں ''مفتاح الخازن'' کے نام سے اٹھائیس ورق کا ایک منظوم لغت تیار کیا تھا پھر 1280ھ/ 64-1863 میں ایک اور منظوم لغت ''کنز المصادر'' کے نام سے

تالیف کیا۔ ان دونوں کے قلمی نسخے بخط مصنف 1286ھ/70-1869 کے

کتابت شدہ رامپور میں موجود ہیں۔"[1]

2- علوم ادبیہ زبان اردو

اس کتاب کے مصنف آغا محسن علی تھے۔ اپنے مطالب کے اعتبار سے یہ کتاب قواعد اردو کی ذیل میں ہے۔ یہ نواب کلب علی خاں کے عہد میں تالیف کی گئی تھی۔ رامپور میں اس کا جو خطی نسخہ ہے وہ بخط مصنف ہے اور دوسو اٹھارہ اوراق پر محیط ہے۔

3- رسالہ بسیط

یہ بھی آغا محسن علی کی تالیفات میں سے ہے۔ اس کا پورا نام " رسالہ بسیط در تمیز تذکیر و تانیث" ہے۔ اس کا جو قلمی نسخہ رامپور میں ہے وہ بہ خط مصنف ہے۔ اس کی کتابت اور تالیف کا کام بھی 1294ھ/ یکم اکتوبر 1877 میں مکمل ہوا تھا۔ یہ دوسو تہتر ورقوں پر محیط ہے۔ اس کا موضوع بھی قواعد اردو ہے۔ افسوس ہے کہ اس کے مصنف کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

4- تصویر اللغات

اس لغت کے مصنف کا نام محمد احسان علی خاں احسان ہے۔ ان کے تعارف میں امیر مینائی نے لکھا ہے :

> "احسان تخلص احسان علی خاں ولد اکرام الدین خاں.... ان کو مجالس عزا میں سوزخوانی کا شوق ہے۔ نوحہ اور سلام کہنے کا ذوق ہے۔ کبھی کبھی غزل بھی کہتے ہیں۔ نواب مرزا خاں داغ دہلوی کے شاگرد ہیں...... اب تیس برس کی عمر ہے۔ فکر اچھی ہے، ملازم سرکار فیض آثار ہیں۔ یہ ان کے اشعار ہیں ؎
>
> احسان بھیج دو رگ جاں تار کے لیے　　اس خوش گلو کو شوق ہوا ہے ستار کا
>
> آسماں ٹوٹ پڑے، سر پہ مصیبت آئے　　پر کسی بت پہ الٰہی نہ طبیعت آئے"[2]

تصویر اللغات کا سال تصنیف 1315ھ/ 1998 ہے۔ اس کا جو نسخہ رامپور میں ہے، مصوّر ہے اور اس کی ضخامت ایک سو تیس ورق کی ہے۔

5- رسالہ الفاظ مترادفہ

اس رسالے کے مصنف سید امداد حسین تھے۔ انھوں نے نواب کلب علی خاں کے زمانے میں اسے تصنیف کیا تھا۔ رامپور میں ستاون ورق پر مشتمل اس کا جو قلمی نسخہ محفوظ ہے اس کی کتابت 1292ھ/1898 میں عمل میں آئی تھی۔

6- بحرالبیان

شیخ ناسخ کے معروف شاگرد شیخ امداد علی بحر اس رسالے کے مصنف تھے۔ رامپور کے کتب خانے میں اس کا ایک سو چوبیں ورقی قلمی نسخہ ہے جو مصنف کے زمانے کا لکھا ہوا ہے۔ یہ رسالہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ قواعدِ زبان سے متعلق ہے اور دوسرا حصہ اردو کے مصادر کے اور بعض محاورات وغیرہ کے معانی سے متعلق ہے۔ رسالے کا آغاز اس عبارت سے ہوا ہے :

ایں رسالہ ایست مسمّی بہ بحرالبیان، مصنف امداد علی متخلص بہ بحر، چند قوانین ہندی یعنی اردوئے لکھنو، بہ طریق صرف ونحو بہ تحریر آوردہ بہ چند موج۔"

اس سے پہلے نعت، حمد اور حضرت علی کی منقبت میں کچھ اشعار ہیں اور اس عبارت کے بعد "موجِ اول" سے رسالہ کی ابتدا ہوتی ہے۔

7- امیر اللغات

اس قابل قدر لغت کے مصنف منشی امیر مینائی تھے۔ رام بابو سکسینہ نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

> "امیر اللغات کو منشی صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھنا چاہیے مگر یہ ناتمام رہ گئی۔ اسے آٹھ جلدوں میں نکالنے کا ارادہ تھا۔ اس کی دو جلدیں الف ممدودہ اور الف مقصورہ کی اب تک چھپ گئی ہیں۔ تیسری بھی تیار تھی مگر شائع نہ ہو سکی۔ اس سے قابل مصنف کے تبحر اور جامعیت اور ان کی بیحد کدوکاوش اور محنت وجانکاہی کا پتہ چلتا ہے۔"[3]

حصہ اول 4 الف ممدودہ، صفحات 4+317 پہلی بار مطبع مفید عام آگرہ 1891

حصہ دوم- الف مقصورہ، صفحات 18+325 اشاعت اوّل مطبع مفید عام آگرہ 1892

تیسرا حصہ جو غیر مطبوعہ رہ گیا تھا نہیں معلوم کہ ضائع ہو گیا یا کہیں محفوظ ہے۔

8- بہارِ ہند

بقول رام بابو سکسینہ 5 یہ ایک مختصر لغت اردو محاورات والفاظ کی ہے جس کو امیر اللغات کا نقش اول کہنا چاہیے۔ معلوم نہیں کہ اب یہ موجود ہے یا ضائع ہو گئی ہے۔

9- سرمہ بصیرت

اس کا ذکر رام بابو سکسینہ نے اس طرح کیا ہے :

''یہ 6 ایسے عربی، فارسی الفاظ کی ایک فرہنگ ہے جو اردو میں غلط استعمال ہوتے ہیں اور ان کا صحیح طریقہ استعمال مع اسناد کے بتایا ہے۔''

10- فرہنگ حامدیہ

یہ ایک ضخیم لغت ہے جو سترہ جلدوں میں اور تیس حصوں میں ہے۔ اس کو منشی احمد علی شوق اور عبدالمجید خاں رامپوری نے 1908 میں شروع کر کے 1926 تک تالیف کیا تھا۔ یہ رضا لائبریری رامپور میں غالباً بہ خط مولفین محفوظ ہے۔ اغلب ہے کہ یہ چھپ نہیں سکی تھی۔

یہ صرف چند لغتوں کا ذکر ہوا۔ رامپور میں ان کے علاوہ اور بھی بعض لغتیں مرتب ہوئی ہوں گی۔ اس زمانے کی اہم ترین لغتیں دو ہیں۔ امیر اللغات اور فرہنگ آصفیہ۔ ان دونوں کی موافقت اور مخالفت میں مختلف رسالوں اور اخباروں میں مضامین کے علاوہ چھوٹے بڑے رسالے بھی شائع ہوئے تھے۔ مثال کے طور پر ''تنقیح اللغات'' کے نام سے امیر اللغات کی مخالفت میں ایک رسالہ چھپا تھا۔ اس کے جواب میں ''شاگرد امیر مینائی'' (اصل نام ظاہر نہیں کیا) کے نام سے ایک رسالہ لکھا گیا جس کا نام ''ردِ تنقیح اللغات'' ہے۔ اس کا قلمی نسخہ رضا لائبریری میں محفوظ ہے۔

اسی طرح 7 مولانا الطاف حسین حالی نے فرہنگ آصفیہ کی حمایت میں 12/ نومبر 1893 کے انسٹی ٹیوٹ گزٹ علی گڑھ میں ''اردو لغات'' کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا تھا۔

11- گلشن فیض

حکیم سید ضامن علی جلال لکھنوی میر علی اوسط رشکؔ کے شاگرد تھے۔ میر رشک نے فارسی

زبان میں اردو کا ایک ضخیم لغت نفس اللغۃ کے نام سے مرتب کیا تھا۔ جلال نے بھی اپنے استاد کی اتباع کی۔ پروفیسر محمد حسن نے لکھا ہے :

'' جلال نے پہلے ایک اردو کا لغت گلشن فیض کے نام سے فارسی میں لکھا تھا۔ یہ لغت بہت کچھ رشک کے لغت کی پیروی تھی۔''8

12- سرمایہ زبان اردو

یہ جلال لکھنوی کا دوسرا لغت ہے جو اردو زبان میں ہے۔ جلال کے شاگرد سید ذاکر حسین یاس لکھنوی نے اس کی تقریظ میں لکھا ہے :

'' حقا کہ ایسا لغت زبان اردو کا اردو زبان میں آج تک محققین زبان اردو میں سے کسی نے اس جد و جہد سے نہیں تالیف کیا.....واقعی یہ لغت اسم بامسمی سرمایہ زبانِ اردو کا ہے جس کو فصحائے ہند کیا، علمائے فرنگ تک نے پسند کیا چنانچہ حسب الحکم ڈائرکٹر صاحب سررشتہ تعلیم (پبلک انسٹرکشن) بنگال یہ شاہد بے مثال زیور طبع سے آراستہ ہوا۔''9

امیر مینائی نے ضمناً یہ ذکر کیا ہے کہ :

'' 1884 میں علوم کے قدرداں سرالفرڈ لائل صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی و چیف کمشنر اودھ نے نواب خلد آشیاں سے اردو زبان کی ایک جامع لغت کی فرمائش کی۔''

اور جلال کا یہ لغت 1304ھ/ 87-1886 میں چھپ کر شائع ہو گیا۔ ڈاکٹر محمد حسن نے لکھا ہے :

'' امیر اللغات10 لکھنے کا خیال امیر مینائی کو سرمایہ زبان اردو سے پیدا ہوا ہے۔''

ز - اردو شعرا کے تذکرے

نواب یوسف علی خاں ناظم کی دوراندیشی کی بدولت 1857 کے ملک گیر ہنگاموں سے رامپور، اور اہل رامپور محفوظ و مامون رہ گئے تھے اور وہاں مختلف النوع فنی اور علمی سرگرمیوں کے سلسلے جاری رہے تھے۔ یہ توصحیح ہے کہ اُنیسویں صدی بیسوی کے وسط تک بھی وہاں تذکرہ نویسی کی روایت نہیں ملتی لیکن اس بارے میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ رامپور والے دہلی اور لکھنؤ وغیرہ کی ہر قسم کی ادبی، شعری اور علمی روایتوں سے بخوبی واقف تھے چنانچہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے انھوں نے تذکرہ نویسی کے اچھے نمونے پیش کر دیے۔

1- تواریخ عجیبہ

حافظ احمد علی شوق نے اس تذکرے کے مصنف کے حالات میں تحریر کیا ہے :

'' مولوی سید نثار علی ولد سید منیر علی ولد مولانا رستم علی رامپور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور دیگر اساتذہ شہر سے فارسی، عربی اور طب کی تکمیل کی۔ مدرسۂ عالیہ ریاست میں ملازم تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوشاں رہتے تھے۔ یک شنبہ کے دن صبح سات بجے دوسری ربیع الاول 1320 ھ مطابق 8/ جون 1902 رامپور میں انتقال فرمایا...تواریخ عجیبہ فارسی.... یہ نام تاریخی ہے جس

سے اعداد 1307 حاصل ہوتے ہیں، بموجب حکم نواب سید مشتاق علی خان بہادر عرش آشیاں مولانا رستم علی، مولانا منیر علی، مولانا محبوب علی، مولانا منصور علی کے حالات میں.... قلمی نسخہ ریاست کے کتب خانہ میں ہے۔''1

تواریخ عجیبہ کا جو نسخہ رامپور میں ہے اس کی کتابت کوئی تین سو اوراق پر 1333ھ/1915 میں ہوئی تھی۔ اس تذکرے میں جتنے لوگوں کے حالات درج ہیں سب براہ راست یا بالواسطہ طور پر مصنف کے اعزا اور اکابر تھے۔

2- انتخاب یادگار

اس تذکرے کے مصنف نے اس کے دیباچے میں خود اس تذکرے کے زمانہ تالیف اور سبب تالیف کا بیان اس طور پر کیا ہے :

''حمد و نعت و منقبت کے بعد فقیر سراپا تقصیر امیر احمد مینائی متخلص بہ امیر ابن مولوی کرم محمد مینائی لکھنوی متخلص بہ کرم غفرلہ اللہ القدیر عرض کرتا ہے کہ.....ایک دن بندگان حضور (نواب کلب علی خان بہادر نواب تخلص) کو خیال آیا کہ ایک تذکرہ شعرائے ماضی و حال کا ایسا تیار ہو کہ اس سے خاص اس دارالریاست کے متوطن اور متوسل شاعروں کی مختصر کیفیت سخن گوئی کی حقیقت نقشِ صفحہ روزگار ہو۔ اسی ضمن میں اعزاز اس ہیچ مداں کا بھی منظور ہوا.....آغاز سے انجام تک برابر حضور نے التفات فرمایا تب یہ تذکرہ ایک سال میں اتمام پر آیا.....

ع . نام تاریخی ہے اس کا انتخاب یادگار

1290''

.....واجب ہے کہ ذکر اسلافِ کرام..... بندگان حضور تاجِ سر کتاب ہو..... کچھ کچھ حال تاریخی سب کا..... انتخاب ہو..... تذکرے کو دو طبقوں پر تقسیم کیا۔ طبقۂ اول میں والیانِ ملک کا ذکر خیر بہ زمانہ حکومت .....اور طبقۂ ثانی میں بہ ترتیب حروف تہجی اور شاعروں کا حال مختصر اور کلام انتخاب ہے..... مجموع شعرا اس تذکرے میں چار سو دس ہیں.... عربی، فارسی، اردو، بھاکھا چاروں زبانوں کے...''2

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ کا آغاز 1289ھ میں ہوا اور یہ 1290ھ/1873 میں مکمل ہو گیا تھا لیکن آغا علی نقی غنی کی تقریظ میں ہے کہ :

"ہنگام تالیف چار سو دس شعرا کے نام تھے، سب کے کم زیادہ کلام تھے مگر چھپنے میں تاخیر ہوئی۔ قلق، صبا، تسلیم وغیرہ ملازمین میں شامل ہوئے لہٰذا چھپنے کے وقت تک چار سو پندرہ شعرائے نازک خیال کے نام اس تذکرے میں داخل ہوئے ...... للہ الحمد کہ یہ صحیفۂ انتخاب چوتھی ذی الحجہ 1297 ہجری/1880 کو تاج المطابع میں چھپ کر مشتہر ہوا...."

مصنف نے کوشش کی ہے کہ ہر شاعر کے استاد کا نام، مقدارِ عمر اور ولدیت اور جن کا انتقال ہو چکا ہے ان کی تاریخ وفات بھی لکھ دی جائے اس طرح یہ سابق کے تذکروں کے مقابلے میں زیادہ معلومات افزا ہے۔

3- تذکرہ شعرائے رامپور

اس تذکرے کے مصنف کا احوال امیر مینائی نے اس طرح قلمبند کیا ہے :

"صاحب جارج فانتوم (George Fanthome) خلف کپتان برنارڈ فانتوم، یہ دراصل فرانسیسی ہیں۔ باپ ان کے چندے پونا چیری کہ دارالحکومت شاہ فرانس ہے۔ رکن اول کونسل تھے.... اٹھارہ سو تیس عیسوی میں نواب ممدوح (احمد علی خاں) کے نوکر ہوئے۔ اٹھارہ سو پینتالیس عیسوی میں قضا کی.... اب جارج فانتوم کی عمر باون برس کی ہے .... صاحب اور جرجیس دونوں ان کے تخلص ہیں اور فارسی، اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ اس سرکار سے آبائی توسل ہے اس واسطے نام ان کا اس تذکرے میں درج ہوا۔"

جارج نے اردو، فارسی دیوان کے علاوہ شعرائے اردو کا ایک تذکرہ بھی تالیف کیا تھا۔ اس تذکرہ کی زبان فارسی ہے۔ اس کا قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہے۔ بتایا گیا ہے کہ اس میں باسٹھ شاعروں کا حال درج ہے۔ اس کے دیباچے میں ہے :

"کسے از اوشاں (شایقانِ فنِ شعر) حالاتِ نازک خیالان خطہ مینو سواد مصطفیٰ

آباد عرف دارالسرور رامپور..... بطور علاحدہ درج تالیف نہ ساختہ..... لہٰذا حسب ارشاد..... نواب محمد کلب علی خان بہادر ..... ایں تذکرہ شعرائے آں فرخ سواد..... مرتب نمودہ شد۔"

قیاساً کہا گیا ہے کہ یہ تذکرہ 1290-91ھ میں لکھا گیا ہوگا۔ اس میں امیر مینائی کا ذکر نہیں ہے۔ خیال کیا جاسکتا ہے کہ ان سے جارج اس وقت تک واقف نہ رہا ہوگا لیکن امیر مینائی اپنے تذکرے کی تالیف کے وقت اس شخص سے بخوبی واقف ہو چکے تھے، البتہ جارج کے تذکرے کے لکھے جانے کا انھیں علم نہیں تھا۔

جارج نے اپنے تذکرے میں سنین کے لکھنے کا التزام نہیں کیا ہے۔ شاعروں کے حالات کی جستجو میں بھی اس نے کماحقہ، محنت غالباً نہیں کی تھی۔ ریاست رامپور کے شاعروں کے بارے میں مجموعی طور پر اس کی معلومات محدود تھیں۔ گمان غالب ہے کہ انہی وجوہ سے نواب کلب علی خاں نے امیر مینائی سے اہل رامپور کا تذکرہ لکھنے کی فرمائش کی تھی۔

5 ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اخبار دبدبۂ سکندری کے حوالے سے لکھا ہے کہ جارج فانتوم نے 20/ جنوری 1879 کو بریلی میں وفات پائی تھی اور اُسی شہر میں دفن بھی ہوئے تھے۔

ح - سوانحات

رامپور میں سوانح نویسی سے بھی خاصی دلچسپی لی گئی تھی۔ تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ اس سلسلے کی بعض اہم کتابوں کے ترجمے بھی کیے گئے تھے۔

1- تزک جہانگیری

تزک جہانگیری نہایت مشہور اور اہم تصانیف میں سے ہے۔ اس کے مصنف شہنشاہ مرزا انورالدین محمد جہانگیر تھے۔ لالا سری رام نے اس کے مصنف کا احوال اس طرح قلمبند کیا ہے :

> ''سیماب تخلص حکیم مولوی سید احمد علی خلف مولوی سید محمد علی، 1227ھ/1812 میں (رامپور میں) پیدا ہوئے تھے۔ مفتی آزردہ دہلوی اور ناطق مکرانی سے تلمذ تھا۔ پچاس برس تک ٹونک میں رہے۔ وہیں 1318ھ/1900 میں وفات پائی..... تزکِ جہانگیری کا ترجمہ کیا تھا...''[1]

حکیم سیماب کا ترجمہ توزک جہانگیری مطبع نظامی کانپور میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ حکیم صاحب کئی اور کتابوں کے بھی مصنف اور مترجم تھے۔ ان میں [2] شوکت الاسلام تین جلدوں میں اور ترجمہ تاثر الصالحین خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

2- ذکرِ بتول

اس رسالے کے مصنف کا تعارف امیر مینائی کے تذکرے میں اس طور پر آیا ہے :

'' احسان تخلص احسان علی خاں ولد اکرام الدین خاں.... سوزخوانی کا شوق ہے۔ نوحہ اور سلام کا ذوق ہے۔ نواب مرزا خاں داغ دہلوی کے شاگرد ہیں۔ اب تیس برس کی عمر ہے۔''3

احسان علی خاں چشتی نظامی نے (پچھتر سال کی عمر میں) 1908 میں وفات پائی۔ ان کی ایک لغت کے علاوہ دو اور کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں :

ذکرِ بتول4 اور جلوۂ ذوالفقارِ حسینی

مطالب دونوں کے ان کے ناموں سے ظاہر ہیں۔

3- نجیب التواریخ

اس کتاب میں5 محمد نجیب خان بہادر روانی ملک نجیب آباد کے تاریخی حالات بیان کیے گئے ہیں۔ مصنف نے اس میں اپنا تعارف اس طرح کرایا ہے :

'' ہیچمداں نصیرالدین محمد ولد مولوی مرزا عبدالبادی خاں ڈپٹی کلکٹر خلف مولوی مرزا عبدالقادر خان بہادر صدر الصدور سابق مرادآباد۔''

امیر مینائی کے تذکرے سے معلوم ہوتا ہے کہ نصیرالدین اور ان کے والد دونوں شاعر تھے۔ بیٹے کا6 تخلص علیل اور باپ کا7 ان کے نام کی مناسبت سے ہادی تھا۔ خود نصیرالدین پینتیس برس کی عمر میں نجیب آباد میں تحصیلدار تھے۔ ان کا سالِ ولادت 1836 اور سالِ وفات 1909 ہے۔ وہ عبدالقادر غمگین کے شاگرد اور نظم و نثر میں کئی کتابوں کے مصنف تھے۔

نجیب التواریخ کا سالِ تصنیف 1281ھ/ 65-1864 ہے۔ اس کا جو قلمی نسخہ آزاد لائبریری علی گڑھ میں ہے ایک سو پندرہ اوراق پر محیط ہے۔

آزاد لائبریری میں ایک اور مخطوطہ'' تاریخ خاندان نجیب آباد'' کے نام سے ہے۔ یہ غالباً اول الذکر کتاب کا مسودہ ہے۔

4- اختلالِ ادوار

یہ بھی مرزا نصیرالدین محمد المتخلص بہ علیل کی تصنیف ہے۔ اس میں مصنف نے غدر کے چشم دید حالات قلمبند کیے ہیں۔ کتاب کی ابتدا اس عبارت سے ہوتی ہے :

''ہر حال میں شکر خدا ہے، نہ تو چرخ نہ قسمت کا گلہ ہے۔ جو منشی تقدیر نے لکھ دیا بجا ہے...''

مصنف نے کتاب کو اس شعر پر ختم کیا ہے ؎

نہ دکھلا کوئی جیتے جی حادثہ   مجھے پاک دنیا سے یارب اٹھا

آزاد لائبریری میں 8 اس کا کتابت شدا جو نسخہ ہے وہ بخط مصنف ہے اور چھیاسی اوراق پر محیط ہے۔

علیل کی تصانیف میں 9 ایک کتاب '' سانحۂ غدر'' بھی بتائی گئی ہے۔ غالباً وہ یہی کتاب ''اختلالِ ادوار'' ہے۔ ان کے علاوہ علیل کی بعض تصانیف یہ بھی بتائی گئی ہیں :

تشریح الاقوام ، کیفیت سیلاب گنور ، وقائع نصیر خانی

علیل کی منظوم تصانیف بھی کئی ہیں مثلاً دانش نامۂ علیل، تضمین قصیدہ محسن کاکوروی وغیرہ

5- حالاتِ خاندانِ حکیم اعظم خاں

اس کتاب کا پورا نام اس طرح ہے :'' حالاتِ خاندانِ حکیم محمد اعظم خاں و خاندان نجم الغنی خاں رامپور'' مصنف کا نام معلوم نہیں۔ مخطوطہ چھیاسٹھ ورق کا ہے اور آزاد لائبریری میں محفوظ ہے۔ شروع اس عبارت سے ہوا ہے :

''جب نواب علی محمد خاں روہیلہ کو محمد شاہ شہنشاہ ہندوستان نے سرہند کا صوبیدار مقرر کیا اور نواب نے روانگی...''

اور مخطوطہ کا خاتمہ اس شعر پر ہوا ہے ؎

کروں ترک دنیا کی ایمان سے   مسلماں رہوں تیرے احسان سے

نسخہ کے آخری دس ورقوں پر شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین وغیرہ کے خطوط نقل کیے گئے ہیں۔ کاتب کا نام بھی آخر میں درج نہیں ہے۔

ط - داستانیں

تیرھویں صدی ہجری کے تیسرے عشرہ کے خاتمہ میں اُنیسویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرہ کے وسط میں میر غلام علی عشرت نے ''داستان سحرالبیان لکھ کر رامپور میں نثری داستان نویسی کی گویا ابتدا کی تھی پھر اُنیسویں صدی عیسوی کے ساتویں عشرہ کے وسط میں جب نواب کلب علی خاں مسند نشین ہوئے تو اس فن پر گویا شباب آیا۔ یہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ نواب صاحب کو فن داستان نویسی سے اس حد تک دلچسپی تھی کہ انھوں نے خود ایک سے زائد داستانیں تصنیف کی تھیں۔ اب 1857 اور 1914 کے درمیان رامپور میں لکھی جانے والی داستانوں کا بہت اختصار سے ذکر کیا جاتا ہے۔

1- اصغر۔ اصغر علی خاں

اصغر تخلص 1، حکیم سید اصغر علی خاں نام، لکھنؤ کے رہنے والے، مشہور داستان گو تھے۔ واجد علی شاہ بادشاہ لکھنؤ کی خدمت میں رہ کر چند داستانیں لکھی تھیں۔ بادشاہ کے مٹیابرج چلے جانے کے بعد یہ رامپور آ گئے اور نواب کلب علی خاں کی سرکار میں ملازم ہو گئے۔ یہیں 1296ھ/1879 میں وفات پائی۔ رامپور میں بھی وہ ہمہ تن داستان نویسی کے کام میں مصروف رہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے رامپور میں لکھی جانے والی ان کی داستانوں کی فہرست اس طرح درج کی ہے :

نمبر شمار	نام کتاب	سنہ تصنیف		اوراق	کیفیت
-1	ایرج نامہ	جلد اول	1285ھ/1868	364	بہ عہد نواب کلب علی خاں معنون بہ نام نامی
-2	//	جلد دوم		251	-
-3	//	جلد سوم		336	-
-4	//	جلد چہارم		336	-
-5	//	جلد پنجم		302	-
-6	داستان نیلم جادو (داستان طلسم ہوش ربا)			237	تصنیف بہ عہد نواب کلب علی خاں - بہ خط مصنف
-7	طلسم ہفت کواکب			117	بعد تعمیر خسرو باغ - بہ خط مصنف
-8	داستان شمالیہ باختر			140	-

ڈاکٹر سہیل بخاری کا کہنا ہے کہ " عبارت سادہ، رواں اور آسان ہے۔ جملے غیر متناسب ہوتے ہیں۔ تحریر بالعموم تقریر سے مشابہ ہے۔"

2- رسا۔ میر احمد علی

"رسا تخلص، میر احمد علی ابن سید امام الدین، چھپن برس کی عمر ہے۔ مزاج دارستہ، طبیعت رنگین، شیخ علی بخش بیمار کے شاگرد ہیں۔ بہت کچھ کہا۔ آزاد طبعی سے دیوان مرتب نہیں کیا..."2

یہ امیر مینائی کا بیان ہے۔ رسا نے 1292ھ/1875 میں وفات پائی تھی۔ اس زمانے کے چلن کے مطابق انھوں نے بھی کچھ داستانیں لکھی تھیں۔ ان میں سے ایک کہانی چہار شہزادہ بھی ہے۔ رضا لائبریری کی فہرست کے مطابق یہ ننانوے ورق میں لکھی گئی ہے اور زمانہ تصنیف اس کا "عہد یوسف علی خاں" ہے۔ گیان چند 3 نے اسے کلب علی خاں کے زمانے کی تصنیف بتایا ہے۔ ایک داستان "طلسم طہمورث دیو بند" کا ایک نسخہ رامپور میں منشی غلام رضا رضا ابن منشی

انبا پرشاد رسا کا کتابت کردہ ہے۔ اس کے مصنف کی حیثیت سے ''میر احمد علی داستان گو و منشی انبا پرشاد رسا'' کے نام لکھے ہیں۔ ضخامت اس کی 398 ورق ہے۔

3- حیدر- حیدر علی خاں

امیر مینائی نے ان کا حال اس طرح لکھا ہے :

> ''حیدر تخلص صاحبزادہ محمد حیدر علی خان بہادر خلف.... نواب یوسف علی خاں....
> ستائیس برس کی عمر ہے، شاگرد میر محمد زکی بلگرامی کے ہیں، کتاب جادۂ تسخیر جو
> چھپ گئی ہے، وہ کہانی آپ ہی کی لکھی ہوئی ہے....'' 4

مصنف نے اس داستان کے دیباچے میں لکھا ہے کہ 5 ''سنہ بارہ سو تراسی ہجری میں اس قصہ رنگیں اور فسانۂ دل نشیں کو شروع کیا۔ مدتوں فکر و اندیشہ سے کام لیا۔'' یہ قصہ مطبع نول کشور لکھنؤ میں ربیع الاول 1289ھ/ 1872 میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے لکھا ہے :

> ''محاورے اور روز مرے کا خاص خیال رکھا ہے۔ عبارت سلیس اور عام فہم
> اور رواں ہے۔ رعایت لفظی اور قافیہ اور سجع کا بھی التزام ہے لیکن اس سے
> لطف زبان اور دل آویزی بیان میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ جا بجا مثنوی کے
> ابیات اور ساقی نامے درج کیے ہیں۔''

لالا سری رام نے ان کے ذکر میں اچھی معلومات درج کی ہیں :

> ''حیدر تخلص..... 1263ھ/ 1847 میں پیدا ہوئے..... نواب کلب علی خاں
> مسند نشین ہوئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں ان سے ناچاقی ہو گئی۔ مخاصمت اس حد
> کو پہنچی کہ انھیں ریاست چھوڑنی پڑی۔ مدتوں کلکتے، مرشد آباد، دکن میں
> پھرتے رہے۔ بالآخر اعلیٰ حکام کی وساطت سے مصالحت ہو گئی اور ریاست
> میں چلے آئے..... 1902 میں بہ عمر ساٹھ سال انتقال فرمایا.... '' 6

4- گرم- مظفر خاں

امیر مینائی نے لکھا ہے کہ 7 ''گرم تخلص، محمد مظفر خاں ولد محمد خاں، شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد تھے۔ ساٹھ برس کی عمر ہوئی۔ جمادی الآخر کی دسویں تاریخ بارہ سو پچاسی ہجری

1868-69/ میں جے پور میں قضا کی، وہیں دفن ہوئے۔'' رامپور کی سرکار میں نوکر تھے۔ شاعری کے ساتھ ساتھ نثر بھی خوب لکھتے تھے۔ ان کی بعض تحریریں یہ ہیں :

الف۔ نثر در تعریف والی رامپور۔ یہ تین ورقی تحریر ہے۔ اس کا نسخہ بخط مصنف رامپور میں محفوظ ہے۔

ب۔ داستان علم شاہ۔ اس کا بھی ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری میں ہے۔ تفصیل فی الوقت معلوم نہیں۔

ج۔ قصہ تیلی۔ یہ ستہتر اوراق پر محیط ایک داستان ہے۔ اس کا مخطوطہ بھی رامپور میں ہے۔

ثانی الذکر یعنی داستان علم شاہ کا ایک اور نسخہ محمد فتح یاب خاں اخگر ولد مظفر خاں گرم کے ہاتھ کا ایک سو چھ اوراق میں لکھا ہوا رامپور میں ہے۔ اس کے مصنف کی حیثیت سے اخگر کا نام لکھا ہے۔

5- اخگر- فتحیاب خاں

8'' اخگر تخلص، محمد فتح یاب خاں مرزا غالب کے شاگرد تھے۔'' انھوں نے بھی شاعری کے ساتھ ساتھ نثر بھی لکھی تھی۔ ان کی ایک تصنیف '' داستان فرخ شاہ سوار'' کے ایک سے زائد نسخے رامپور میں ہیں۔ اس کا سال تصنیف 1294ھ/ 1877 ہے۔

6- بیتاب- عباس علی خاں

> '' بیتاب تخلص صاحبزادہ محمد عباس علی خاں بہادر ابن صاحبزادہ محمد علی خان بہادر ابن نواب غلام محمد خان بہادر.... یہ صاحبزادے مومن خاں دہلوی کے شاگردوں میں بہت ممتاز.... چھیاسٹھ برس کی عمر ہے۔''9

یہ امیر مینائی کے تذکرے کا اقتباس ہے۔ بیتاب نے بعض داستانیں بھی لکھی ہیں۔ وہ یہ ہیں :

الف۔ بہار عشق۔ یہ داستان دو سو پانچ اوراق پر محیط ہے۔ اس کے مخطوطہ رامپور کی کتابت محمد حبیب الرحمٰن خاں نامی کاتب نے کی تھی۔ سال تصنیف معلوم نہیں ہے۔

ب۔ گلزار عشق۔ رتن سنگھ کایستھ ماتھر نے 1268ھ میں ایک سو پندرہ اوراق پر اس کی

کتابت کی تھی۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے ان دونوں داستانوں کا اقتباس نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ ''زبان سادہ اور عام فہم ہے'' بیتاب نے رجب 1300ھ/ جون 1883 میں وفات پائی تھی۔

7- تصور- حیدر مرزا

تصور تخلص، حیدر مرزا نام، خلف میر نواب داستان گو، شاگرد سید اصغر علی خاں داستان گو، سرکار رامپور میں داستان گوئی کے عہدے سے سرفراز تھے۔ انھوں نے داستان امیر حمزہ کے طرز پر ایک داستان'' گلستان مقال'' پندرہ جلدوں میں لکھی تھی۔ کیفیت اس کی اس طرح ہے :

نام	زمانہ تصنیف	سال کتابت	نام کاتب	اوراق
گلستان مقال جلد اول	بہ عہد کلب علی خاں	جمادی الثانی 1289ھ اگست 1872	مصنف خود	480
گلستان مقال جلد دوم طور نامہ	ایضاً	ذیقعدہ 1289ھ جنوری 1873	ایضاً	477
ایضاً جلد سوم- طلسم آتش کدہ	ایضاً	جمادی الثانی 1290ھ جولائی 1873	ایضاً	480
ایضاً جلد چہارم ایضاً	ایضاً	شوال 1290ھ ستمبر 1873	ایضاً	480
ایضاً جلد پنجم مع دیباچہ جدید	ایضاً	ربیع الثانی 1291ھ جون 1874	ایضاً	479
ایضاً جلد ششم	ایضاً	صفر 1292ھ مارچ 1875	-	480
ایضاً جلد ہفتم	ایضاً	شوال 1292ھ نومبر 1875	-	479
ایضاً جلد ہشتم	ایضاً	جمادی الثانی 1293ھ جون 1876	-	480

ایضاً جلد نہم	ایضاً	ذیقعدہ 1293ھ دسمبر 1876	-	479
ایضاً جلد دہم	ایضاً	جمادی الثانی 1294ھ جون 1877	-	469
ایضاً جلد یازدہم	ایضاً	رمضان 1295ھ ستمبر 1878	-	469
ایضاً جلد دوازدہم	ایضاً	جمادی الثانی 1296ھ مئی 1879	-	470
ایضاً جلد سیزدہم	ایضاً	ربیع الاول 1297ھ فروری 1880	-	479
جلد چہاردہم	ایضاً	رمضان 1297ھ ستمبر 1880	-	477
جلد پانزدہم	ایضاً	ربیع الثانی 1298ھ مارچ 1881	-	481

اس ضخیم داستان کے علاوہ حیدر مرزا تصور نے ایک اور داستان ''زریں نامہ عرف خورشید نامہ'' کے نام سے نواب کلب علی خاں ہی کے عہد میں لکھی تھی۔ رضا لائبریری میں اس کا جو نسخہ ہے پانچ سو باون اوراق پر محیط ہے اور اس کا سال کتابت 1279ھ/1872 ہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری کا کہنا ہے کہ :

> ''ہر داستان کی ابتدا مقفی و مسجع عبارت سے ہوتی ہے۔ آگے چل کر سادگی اور سلاست آجاتی ہے۔ روانی اور صفائی کی کوئی کمی نہیں۔ زور بیان ہر جگہ نمایاں ہے۔''10

8- واثق- جعفر شاہ

امیر مینائی کے تذکرے میں ان کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے :

''واثق تخلص سید جعفر شاہ ولد سید احمد علی شاہ، پچاس برس کی عمر، شیخ علی بخش بیمار اور میر احمد علی رسا دونوں سے تلمذ ہے۔ داستان لکھنے میں بھی بصیرت ہے۔ مہرکنی پر بھی قدرت ہے۔ ملازم سرکار دولت مدار ہیں۔''11

رامپور کے کتب خانے میں ان کی ایک داستان ''ترجمہ صندلی نامہ'' کے نام سے محفوظ ہے۔ یہ مخطوطہ بہ خط مصنف چار سو اٹھانوے ورق کا ہے۔ یہ ترجمہ کلب علی خاں کے عہد کا ہے۔

9- بیخود۔ احمد علی خاں

بیخود تخلص، احمد علی خاں نام، رامپور کے رہنے والے تھے، انھوں نے ایک داستان ''چہار رفیق'' لکھی تھی۔ رامپور کی لائبریری میں اس کا ایک سو چودہ ورق کا نسخہ بخط مصنف محفوظ ہے۔

10- رسا- انبا پرساد

رسا تخلص، منشی انبا پرشاد ابن لالہ چندی پرشاد، لکھنؤ کے رہنے والے، مدت سے رامپور کی سرکار میں ملازم تھے۔ داستان گوئی کے لیے مشہور تھے12 پچاس برس سے زیادہ عمر پائی تھی۔ ان کی داستانوں کی فہرست13 ڈاکٹر سہیل بخاری کی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

11- رضا- غلام رضا

رضا تخلص، غلام رضا نام، منشی انبا پرشاد رسا کے بیٹے، داستان گوئی میں ملازم سرکار رامپور ہیں14 عمر چالیس برس کی ہے۔ اپنے باپ کی طرح انھوں نے بھی بکثرت داستانیں لکھی تھیں۔ ان کی فہرست بھی15 ڈاکٹر سہیل بخاری نے درج کی ہے۔

12- علیم- مرزا علیم الدین

مرزا علیم الدین نام16 صاحب عالم مرزا رحیم الدین حیا دہلوی کے بیٹے تھے۔ انھوں نے 1345ھ/ 1927 میں وفات پائی تھی۔ ان کی داستانوں کی فہرست طویل ہے۔ تقریباً سب رامپور میں محفوظ ہیں۔

13- وصال- محمد مرتضیٰ حسین

امیر مینائی نے ان کا تعارف اس طرح کرایا ہے :

'' وصال تخلص میرزا محمد مرتضیٰ حسین ولد علی مرزا، متوطن لکھنؤ، مدت سے یہیں

رہتے ہیں، میر ضامن علی جلال کے شاگردوں میں ممتاز ہیں۔"17

انھوں نے 1321ھ/1903 میں وفات پائی تھی۔ رامپور میں ان کی جو داستانیں محفوظ ہیں، ان کی کیفیت اس طرح ہے :

نام کتاب	سال تصنیف	کاتب، وسال کتابت	اوراق
داستان زبرجد نگار مع چاہ الماس موسوم بہ ارمغان جدید و مرآۃ الخیال	1313ھ/1896	بخط مصنف	396
طلسم بوقلموں (پہلا دفتر)	بہ عہد حامد علی خاں (ان کی فرمائش سے)	بہ خط مصنف 1314ھ 1896	480
ہفت در بند فرعونیہ	1318ھ/1900	1318ھ/1900 غالباً بہ خط مصنف	521

مذکورہ داستانوں کے علاوہ اس مدت میں رامپور میں اور بھی بہت داستانیں لکھی گئی تھیں۔ یہاں ان کی فہرست درج کی جاتی ہے :

نمبر شمار	نام مصنف	نام داستان	سال تصنیف	کاتب وسال کتابت	اوراق
1-	امیر خاں داستان گو	طلسم ہوش ربا	1323ھ/1905	-	531
2-	حاجی علی بن مرزا مکھو بیگ لکھنوی	افسانۂ بے مثال ملقب بہ کارستان خیال	بعد تیاری خسرو باغ و باغ بے نظیر	غالباً بہ خط مصنف	397
		جلد اول			
	حاجی علی	افسانۂ بے مثال جلد دوم			371
		جلد سوم			169
3-	سید ضامن علی جلال	بالا باختر جلد اول	عہد کلب علی خاں	حیات مصنف	376

	ایضاً	ایضاً جلد دوم		-	288
4-	حکیم سید اصغر علی خاں داستان گو	ایضاً جلد سوم		-	215
5-	حامد علی خاں	ہزار داستان یا الف لیلہ	مطبوعہ نول کشور پریس کانپور	1306-07ھ 1889	
6-	سید عابد علی عابد ابن میر احمد علی رسا وطن اصلی جونپور	فسانہ مجموعہ گلزار عشق	تصنیف 1296ھ 1879 ونظر ثانی 1299ھ /1882	نواب کلب علی خاں کی خدمت میں پیش کی گئی	414
7-	سید فدا علی فدا ابن میر احمد علی رسا	مینا کہانی	1303ھ 1886	مطبوعہ حامدی پریس، رامپور	
8-	محمد اسحاق عرف منے داستان گو	طلسم کن فیکون	عہد حامد علی خاں	کتابت قریب 1318ھ 1900	327
9-	محمد امیر خاں جین کار	گلستان مسرت	عہد کلب علی خاں	بقلم مولوی جعفر علی 1298ھ/1881	639
10-	سید اسماعیل حسین منیر شکوہ آبادی	طلسم گوہر بار (تکملہ ماہ باختر)	1294ھ 1877	- -	237

ی - ڈراما

نوابین رامپور کے حکام انگریزی کے ساتھ اچھے روابط رہے ہیں۔ انھوں نے انگریزوں کے معاملات اور معاشرت وغیرہ کی عموماً تائید وحمایت کی تھی۔ جناب عشرت رحمانی کے ضمناً یہ ذکر کیا ہے کہ :

> ''انیسویں صدی کے آخر میں رامپور میں نواب جنت مکان حامد علی خاں المتخلص بہ رشک نے لاکھوں روپے صرف کر کے قلعۂ معلّٰی کے بالمقابل شاندار تھیٹر ہال تعمیر کرایا اور سرکاری تھیٹر کمپنی قائم کر کے دور دور سے مشہور ایکٹریس بلائیں جو گراں قدر مشاہرہ پر ملازم ہو کر اداکاری کے فرائض انجام دیتی رہیں۔ ریاست کے ہوم سکریٹری صاحبزادہ محمود علی خاں کمپنی کے منتظم اعلیٰ تھے۔ ''1

کچھ ہی مدت کے بعد یہ کمپنی ختم ہوگئی اور پھر غالباً ایک مدت تک ریاست میں ماحول سازگار نہیں ہو سکا البتہ روہیل کھنڈ کے اضلاع میں ڈرامے لکھے اور اسٹیج کیے جاتے رہے۔

○○○

حواشی

خواتین

-1	وفیات مشاہیر اردو		ص
-2	خمخانۂ جاوید	جلد6	ص 181
-3	انتخاب یادگار		ص 69 تا 71
-4	وفیات مشاہیر اردو		ص
-5	انتخاب یادگار		ص 82 تا 104
-6	اردو داستان		ص 355 تا 356
-7	انتخاب یادگار	حصہ نظم	ص 354
-8	خمخانۂ جاوید	جلد3	ص 418 تا 420
-9	تاریخ ادب اردو	حصہ نظم	ص 357
-10	قاموس الکتب	جلد2	ص 75

الف - شاعری

-1	انتخاب یادگار		ص 69 تا 70

2- ایضاً ص 28

3- ایضاً ص 125

4- خمخانہ جاوید جلد 3 ص 14

5- انتخاب یادگار ص 76

6- وفیات مشاہیر اردو ص 146

7- انتخاب یادگار ص 98

8- کاملان رامپور ص 281 تا 283

9- انتخاب یادگار ص 375

10- کاملان رامپور ص 114

11- انتخاب یادگار ص 318 تا 319

12- کاملان رامپور ص 392 تا 393

13- ہی ص 237 تا 238

14- انتخاب یادگار ص 13 تا 14

15- انتخاب یادگار ص 95 تا 96

16- امیر اللہ تسلیم ص 18

17- ایضاً ص 24 تا 25

18- خمخانہ جاوید جلد 2 ص 72 تا 74

19- انتخاب یادگار ص 128

20- خمخانہ جاوید جلد 3 ص 104 تا 117

21- انتخاب یادگار ص 81

22- ایضاً ص 102

23- خمخانہ جاوید جلد 2 ص 203

24- انتخاب یادگار ص 223

-25 ایضاً ص 398

-26 ایضاً ص 64

-27 ایضاً ص 84 تا 85

-28 ایضاً ص 167

ب - تاریخ و معما

-1 خمخانۂ جاوید جلد 5 ص 303

-2 جلال لکھنوی ص 135

-3 انتخاب یادگار ص 103

ج - عروض و قوافی

-1 انتخاب یادگار ص 7

-2 کاملان رامپور ص 393 تا 394

-3 انتخاب یادگار ص 1 تا 3

-4 کاملان رامپور ص 151 تا 154

-5 ایضاً ص 217 تا 219

-6 ایضاً ص 411 تا 413

-7 ایضاً ص 383

-8 علی گڑھ کے اردو مخطوطات ص 333

-9 کاملان رامپور ص 158

-10 انتخاب یادگار ص 14

د - قواعد

-1 کتابیات قواعد اردو ص 31

-2 کاملان رامپور ص 414

-3 دہلی کے اردو مخطوطات ص 57 تا 58

4- جلال لکھنوی ص 39

5- انتخاب یادگار ص 191

6- دہلی کے اردو مخطوطات ص 57

7- جلال لکھنوی ص 148t150

8- ایضاً ص 127

9- ایضاً ص 153t154

10- قواعد منتخب ص 1t2

ہ - تحریر و املا

1- انتخاب یادگار ص 224

2- کاملان رامپور ص 280

3- انتخاب یادگار ص 315

4- کاملان رامپور ص 329 t330

5- ایضاً ص 61 t63

و - فرہنگ و لغات

1- کاملان رامپور ص 361

2- انتخاب یادگار ص 7

3- تاریخ ادب اردو حصہ نظم ص 361

4- کتابیات لغات اردو ص 11

5،6- تاریخ ادب اردو حصہ نظم ص 361

7- کتابیات لغات اردو ص 153

8- جلال لکھنوی ص 145

9- سرمایہ زبان اردو ص 414t415

10- جلال لکھنوی — ص 172

ز - اردو شعرا کے تذکرے

1- کاملان رامپور — ص 410 تا 411

2- انتخاب یادگار — ص 4 تا 8

3- ایضاً — ص 405 تا 406

4- ایضاً — ص 189

5- اردو شعرا کے تذکرے — ص 514 وغیرہ

ح - سوانحات

1- خم خانۂ جاوید جلد 4 — ص 325 تا 326

2- وفیات مشاہیر اردو — ص 325

3- انتخاب یادگار — ص 7

4- وفیات مشاہیر اردو — ص 23

5- علی گڑھ کے اردو مخطوطات — ص 87

6- انتخاب یادگار — ص 232

7- ایضاً — ص 397

8- علی گڑھ کے اردو مخطوطات — ص 313

9- وفیات مشاہیر اردو — ص 450

10- علی گڑھ کے اردو مخطوطات — ص 68 تا 69

ط - داستانیں

1- اردو داستان — ص 356 تا 357

2- انتخاب یادگار — ص 146

3- نثری داستانیں — ص 877

4-	انتخاب یادگار		ص 120 تا 121
5-	اردو داستان		ص 358 تا 359
6-	خم خانہ جاوید	جلد 2	ص 530 تا 531
7-	انتخاب یادگار		ص 318 تا 319
8-	ایضاً		ص 12
9-	ایضاً		ص 76
10-	اردو داستان		ص 360
11-	انتخاب یادگار		ص 391
12-	ایضاً		ص 147
13-	اردو داستان		ص 353 تا 354
14-	انتخاب یادگار		ص
15-	اردو داستان		ص 363 تا 364
16-	اردو داستان		ص 369 تا 373
17-	انتخاب یادگار		ص 395

ی - ڈراما

1-	تاریخ ادبیات مسلمانان	جلد 4	ص 414

ماخذ

الف - اردو کتابیں

متن میں جن کتابوں یا رسالوں وغیرہ سے بحث کی گئی ہے ان کے نام یہاں تحریر نہیں کیے گئے ہیں۔

1- آب بقا — خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت — مرتب: مرزا جعفر علی نشتر
نامی پریس لکھنو — بار اول 1918

2- آب حیات — شمس العلما محمد حسین آزاد — اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ
پہلا فوٹو آفسٹ ایڈیشن — 1982

3- آصفیہ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدرآباد کے اردو مخطوطات — نصیر الدین ہاشمی
جلد اول مطبع ابراہیمیہ، حیدرآباد — بار اول 1961
دوسری جلد مطبع اعجاز مشین پریس — حیدرآباد اشاعت اول
1961

4- اٹھارہ سو ستاون کے مجاہد شعرا — مولانا امداد صابری — مکتبہ شاہراہ دہلی
بار اول 1959

5- اردو ادب میں سفر نامہ — ڈاکٹر انور سدید — لاہور 1988

6- اردو داستان — ڈاکٹر سہیل بخاری — اسلام آباد 1987

-7	اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری	ڈاکٹر فرمان فتح پوری	کراچی 1998
-8	اردو کا پہلا نثری ڈرامہ اور کیپٹن گرین آوے	ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال	حیدرآباد 1984
-9	اردو کے ہندو مثنوی نگار	عطاء اللہ پالوی	دی آرٹ پریس پٹنہ اشاعت اول 1982
10	اردو مثنوی شمالی ہند میں	ڈاکٹر گیان چند جین	انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ 1969
-11	اردو میں زرعی کتب کتابیات	مرتب زینت قاضی اسلام آباد	طبع اول 1987
-12	اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ	ڈاکٹر محمد ایوب قادری لاہور	طبع اول 1988
-13	اڑیسہ میں اردو	حفیظ اللہ نیولپوری	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی 2001
-14	اسلام کے علاوہ مذاہب کی ترویج میں اردو کا حصہ	ڈاکٹر محمد عزیز انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ	اشاعت اول 1955
-15	افسانۂ لکھنؤ	آغا محو شرف	قلمی نسخہ مملوکہ سید مسعود حسن رضوی ادیب
	ایضاً	ایضاً	مرتب سید محمود نقوی دہلی 1985
-16	اقلیم سخن کے تاجدار	ڈاکٹر کوکب قدر سجاد علی میرزا	کلکتہ بار اول 2004

17-	انتخاب دواوین	مولوی امام بخش صہبائی	مرتب ڈاکٹر تنویر احمد علوی دہلی 1987
18-	امیر نامہ	امیر علی خان بہادر	مطبوعہ کلکتہ 1873
19-	انتخاب رنگی (مولوی محمد عظیم اللہ رنگی)	مرتب ڈاکٹر محمد انصار اللہ تاج پرنٹنگ ورکس	علی گڑھ 1981
20-	انتخاب یادگار (تذکرہ)	امیر احمد امیر مینائی پہلا اڈیشن	یوپی اردو اکادمی لکھنؤ 1986
21-	ایسٹ انڈیا کمپنی کے علمی ادارے	ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال	حیدرآباد 2003
22-	بحر الفصاحت	حکیم نجم الغنی خاں	مطبع منشی نول کشور لکھنؤ 1969
23-	برار کی تمدنی وعلمی تاریخ۔ مسلم عہد حکومت میں	ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل	ناگپور 2001
24-	بستان تفاسیر	تفسیر فتح العزیز کے تبارک کے سپارہ کا ترجمہ ہندی زبان میں حسب الحکم ناوضا محمد علی بن محمد حسین رکھے	مطبع محمدی ممبئی 1263
25-	بلوچستان میں اردو	ڈاکٹر انعام الحق کوثر اسلام آباد	مقتدرہ قومی زبان طبع اول 1986
26-	بمبئی میں اردو	ڈاکٹر میمونہ دلوی، نئی دہلی	1970
27-	بنی	محمد واجد علی شاہ اختر	مطبع سلطانی کلکتہ 1294-95ھ
28-	بہادر شاہ ظفر	منشی امیر احمد علوی	سرفراز قومی پریس لکھنؤ 1955

-29	بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد	سید رئیس احمد جعفری	کتاب منزل، لاہور دوسری اشاعت 1975
-30	بہادر شاہ اور پھول والوں کی سیر	مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی	طبع سوم کتب خانہ علم و ادب، دہلی
-31	بہارستان ناز (تذکرہ)	حکیم فصیح الدین رنج مجلس ترقی ادب لاہور	مرتب خلیل الرحمٰن داودی 1965
-32	بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا	سید اختر احمد اختر اورینوی	پٹنہ 1957
-33	تاریخ ادب اردو	رام بابو سکسینہ مطبع منشی تیج کمار	ترجمہ اردو۔ مرزا محمد عسکری لکھنؤ 1969
-34	تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند۔ اردو ادب حصہ سوم	مدیر خصوصی گروپ کیپٹن سید فیاض محمود	پنجاب یونیورسٹی لاہور 1917
-35	تاریخ اودھ جلد چہارم	حکیم محمد نجم الغنی خاں رامپوری	مطبع منشی نول کشور لکھنؤ 1919
-36	تاریخ راجگان ہند یا وقائع راجستھان	حکیم محمد نجم الغنی خاں رامپوری	ہمدم برقی پریس لکھنؤ 1927
-37	تاریخ لاہور	کنہیا لال ہندی مجلس ترقی ادب لاہور	مرتب کلب علی خاں فائق طبع دوم 1987
-38	تاریخ مگدھ حصہ	مولوی فصیح الدین بلخی عظیم آبادی	انجمن ترقی اردو ہند دہلی 1983
-39	تاریخ ناگپور	ڈاکٹر شرف الدین ساحل	شمی فائن آرٹس ناگپور 1983

-40	تاریخ نوابان کرناٹک و پرنسان ارکاٹ	الحاج قادر علی	گوہر پریس مدراس
-41	تحقیق نامہ	مشفق خواجہ	مغربی پاکستان اردو اکاڈمی لاہور طبع اول 1991
-42	تذکرہ اردو مخطوطات	ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد	ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور
	جلد اول	ترقی اردو بیورو نئی دہلی	1964
	جلد دوم	ایضاً	ایضاً
	جلد سوم	ایضاً	ایضاً
	جلد چہارم	ایضاً	ایضاً
	جلد پنجم	ایضاً	ایضاً
	ایضاً ـ جلد ششم	مرتبین محمد اکبر الدین صدیقی	و ڈاکٹر محمد علی اثر
-43	(تذکرہ) مختصر تعارف خانوادۂ اقطاب ویلور	حافظ محمد زکریا راہچوٹی	الکٹرک قومی پریس بنگلور 1959
-44	تذکرۃ الذاکرین	سید آغا اشہر لکھنوی	جھانسی 1969
-45	تذکرۃ الکاملین	پروفیسر رام چندر کانپور بار چہارم	مطبع منشی نول کشور 1897
-46	تذکرہ اہل دہلی	سر سید احمد خاں	مرتب قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی
		انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی	1959
-47	تذکرہ گلستان بے خزاں	میر قطب الدین باطن	یوپی اردو اکادمی لکھنؤ 1982

48-	تذکرہ گلستان سخن حصہ اول وحصہ دوم	مرزا قادر بخش صابر گورگانی	مرتبین خلیل الرحمٰن داودی وڈاکٹر وحید قریشی مجلس ترقی ادب لاہور 1966
49-	تذکرہ محبوب الزمن جلد اول ودوم	محمد عبدالجبار خاں صوفی ملکاپوری	مطبع رحمانی حیدرآباد 1339ھ
50-	تذکرۂ نادر (دیوان غریب)	میرزا کلب حسین خاں نادر	مرتب: سید مسعود حسن رضوی ادیب لکھنؤ، 1957
51-	تذکرہ نعت گویان بریلی	ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب	بریلی 1986
52-	تذکرہ نمبراور داستان عرف خمخانۂ جاوید	مصنف	لالہ سری رام دہلوی
	جلد اول	دہلی	1328ھ/1910
	جلد دوم	امپیریل بک ڈپو پریس دہلی	1329ھ/1911
	جلد سوم	پرنٹنگ ورکس دہلی	1335ھ/1917
	جلد چہارم	ہمدرد پریس دہلی	1345ھ/1926
	جلد پنجم	مرتب پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلی	1359ھ/1940
	جلد ششم	مرتب خورشید احمد خاں یوسفی	مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد 1410ھ/1990
53-	(تذکرہ) ہندو شعرا	خواجہ عشرت لکھنوی	لکھنؤ بار اول 1391
54-	(تذکرہ) یادگار شعرا	اسپرنگر یوپی اردو اکادمی	مترجم طفیل احمد لکھنؤ 1985
55-	(تذکرہ) یادگار ضیغم	محمد عبداللہ خاں ضیغم	1304ھ

-56	(تذکرہ) یورپین شعرائے اردو	محمد سردار علی حیدرآباد دکن	نظام دکن پریس 1344ھ
-57	ترجمہ حدائق البلاغت	مولوی امام بخش صہبائی	مطبع منشی نول کشور لکھنؤ
-58	تقویت الشعرا	امام الدین طالب	سلطان المطابع لکھنؤ
-59	تلاش غالب	نثار احمد فاروقی	کتابیات لاہور 1969
-60	تلاش و تعارف	ڈاکٹر حنیف نقوی	نصرت پبلشرز لکھنؤ 1987
-61	تواریخ ضلع کانپور جلد اول و دوم	منشی درگاہی لال	مطبع شعلہ طور کانپور
-62	تواریخ نادر العصر	منشی نول کشور	خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ 1990
-63	تلخیص معلا	ڈپٹی کلب حسین خاں نادر مرتب ڈاکٹر محمد انصار اللہ	لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ 1976
-64	جامع الحکایات ہندی	شیخ صالح محمد عثمانی	مرتب پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر مجلس ترقی ادب لاہور طبع اول 1963
-65	جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات	ڈاکٹر حامد اللہ ندوی بمبئی	1990
-66	جائزہ مخطوطات اردو	مشفق خواجہ مرکزی اردو بورڈ	لاہور طبع اول 1979
-67	جمے جی منترا رمان– حیات و خدمات	ڈاکٹر رئیس انور علی مرکز کلکتہ	1985
-68	جواہر سخن جلد سوم	مولوی محمد مبین کیفی	طبع اول، ہندستانی اکادمی، چریاکوٹی، الہ آباد
-69	جواہر اخلاق		

-70	چمن انداز تذکرہ مراۃ خیالی کا دوسرا حصہ	درگاہ پرشاد کھتری دہلوی نادر تخلص	اکمل المطابع دہلی 1838
-71	دیوان ذوق خاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق دہلوی	مولف شمس العلما محمد حسین آزاد	علیمی پرنٹنگ ورکس دہلی 1351ھ/1933
-72	دیوان ریاض البحر دیوان بحر	شیخ امداد علی بحر مطبوعہ	
-73	دیوان شاداں مہاراجا چندو لال شاداں	مرتب راجا کشن پرشاد شاد	مطبوعہ محبوب پریس حیدرآباد دکن دیوان اول سال ترقیب: 1239ھ
-74	دیوان ظفر	بہادر شاہ ثانی ظفر تخلص اعجاز پبلشنگ ہاؤس	پیش لفظ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نئی دہلی بار اول 1997
-75	دیوان غالب	مطبوعہ اکتوبر 1491 کالی داس گپتا رضا	عکسی مع پیش لفظ دلی پبلیکیشنز بمبئی 1986
-76	دیوان غالب	:چوتھا ایڈیشن-مطبع نظامی کانپور	جون، جولائی 1962
-77	دیوان غالب-کامل -تاریخی ترتیب سے	مرتب کالی داس گپتا رضا ساکار پبلی کیشنز	بمبئی 1988
-78	ذات شریف	مرزا محمد ہادی رسوا	مطبوعہ
-79	ذخیرہ شیرانی میں اردو مخطوطات	سید جمیل احمد رضوی مقتدرہ قومی زبان	اسلام آباد 1986

80-	راجستھان میں اردو زبان وادب-1857 تک	ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی	راجستھان اردو اکادمی جے پور 1992
81-	رسالہ قواعد صرف ونحو اردو	شیخ امام بخش صہبائی	مطبع منشی نول کشور لکھنؤ
82-	راجستھان میں اردو زبان وادب کے لیے غیر مسلم حضرات کی خدمات ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان ٹونک 1985		
83-	رہنمائے سیر دہلی	خواجہ حسن نظامی طبع دوم دہلی	1922
84-	سرگذشت غالب۔	مرزا اسداللہ خان غالب	مرتب: میرزا محمد بشیر بھرتپوری
85-	سرمایۂ زبان اردو	سید ضامن علی جلال لکھنو	1304ھ
86-	سرود غیبی	خیابان تواریخ مطبع منشی نول کشور	سید محمد علی جویا مرادآبادی مقیم جے پور لکھنؤ 1292ھ/1857
87-	سنسکرت اردو لغت	ڈاکٹر محمد انصاراللہ مقتدرہ قومی زبان	اسلام آباد طبع اول 1993
88-	سیر المنازل	مرزا سنگین بیگ غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی	مرتب: ڈاکٹر شریف حسین قاسمی 1982
89-	شاہان اودھ کے کتب خانے ڈاکٹر اے اشپرنگر	مترجم: محمد اکرام چغتائی انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی	1973
90-	شاہ حسین حقیقت اور ان کا خاندان	شرف احمد ادارۂ ادبیات پاکستان	کراچی بار اول 1977
91-	شعرائے اردو کے تذکرے	ڈاکٹر سید حنیف نقوی	نسیم بک ڈپو لکھنو بار اول 1976
92-	صوبہ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات	محمد عتیق صدیقی انجمن ترقی اردو ہند	علی گڑھ پہلی بار 1962
93-	صہبائی ایک مختصر تعارف	ڈاکٹر محمد انصاراللہ لیتھوکلر پرنٹرس	علی گڑھ 1968

-94	عجائب القصص	شاہ عالم ثانی مرتب: مس راحت افزا مجلس ترقی ادب لاہور	مقدمہ ڈاکٹر سید عبداللہ طبع اول 1965
-95	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے اردو مخطوطات	ڈاکٹر عطا خورشید خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ	1995
-96	عمر رفتہ	خان بہادر نقی محمد خان خورجوی	نائز پریس کراچی 1958
-97	عود ہندی	مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی	مطبع نامی منشی نول کشور لکھنؤ 1331ھ/1913
-98	فسانۂ عجائب	مرزا رجب علی بیگ سرور رام نرائن لال ارن کمار پبلشرز	مرتب: محمد اکبر آبادی الہ آباد 1990
-99	فہرست قلمی کتب خانۂ ذاتی نواب سید حیدر علی خان بہادر جعفری	گوالٹولی کانپور مرتب: ڈاکٹر محمد انصار اللہ	1964
-100	فہرست (قلمی) کتب خانہ ذاتی ٹی اب سید قیصر حسین خاں قیصر ٹیکاپوری	کانپور مرتب: ڈاکٹر محمد انصار اللہ	1964
-101	فہرست مخطوطات اردو	خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور پٹنہ بپٹسٹ مشن پریس کلکتہ	مرتب: عابد امام زیدی جلد اول 1962
-102	فہرست مخطوطات اردو مملوکہ رضا لائبریری	رامپور مرتب: امتیاز علی خاں عرشی جلد اول	ہندستان پرنٹنگ ورکس رامپور 1967
-103	فہرست مخطوطات اردو کتب خانہ گنج بخش	مرتب سید عارف نوشاہی پاکستان اردو اکادمی لاہور	مطرلی 1978

104-	فہرست نمائش	ادارۂ تحقیقات اردو پٹنہ جلد اول-حصہ مخطوطات وغیرہ	مرتب قاضی محمد سعید ادارۂ تحقیقات اردو پٹنہ 1959
105-	قاموس الکتب اردو	جلد اول-مذہبیات انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی	نگراں ڈاکٹر مولوی عبدالحق 1961
	ایضاً	جلد دوم-تاریخیات	انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی 1974-75
	ایضاً	جلد سوم-عمرانیات	ایضاً 1978-80
106-	قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات)	ڈاکٹر احمد خاں مقتدرہ قومی زبان	اسلام آباد 1987
107-	قصہ اگر گل	سعادت خاں ناصر مرتب: خلیل الرحمٰن داودی	مجلس ترقی ادب لاہور 1967
108-	قطعہ منتخب (تذکرہ)	عبدالغفور خاں نساخ	مرتب ڈاکٹر انصار اللہ نظر انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی 1974
109-	قیصر التواریخ تواریخ اودھ	سید کمال الدین حیدر مطبع نامی نول کشور	لکھنؤ 1896
110-	کامٹی کی ادبی تاریخ	ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل	بزم غالب کامٹی 1986
111-	کتابیات پاکستان کے اخبارات ورسائل- 1974 تک	ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری مقتدرہ قومی زبان	اسلام آباد 1987
112-	کچھ غالب کے بارے میں	حصہ اول قاضی عبدالودود جلد 1	خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ 1995

-113 کلام بلیغ میرٹھی — عنایت کردہ خلیل الرحمن داودی

-114 کلکتہ کے قدیم اردو مطابع اوران کی مطبوعات — سید عتیق الحسن عثمانیہ بک ڈپو کلکتہ — 1980

-115 کلیات ذوق (اردو) — شیخ محمد ابراہیم ذوق دہلوی — مرتب ڈاکٹر تنویر احمد علوی ترقی اردو بیورو نئی دہلی
دوسرا ایڈیشن — 1989

-116 کلیات ظفر — بہادر شاہ ثانی ظفر تخلص مرتب: عمر فیضی — سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
1968

-117 کلیات عیش — حکیم آغا جان عیش — مرتب: ڈاکٹر حبیب بانو ترقی اردو بیورو نئی دہلی
1992

-118 کلیات ناسخ — شیخ امام بخش ناسخ — مطبع حسنی لکھنؤ 1259ھ

-119 کلیات منیر — محمد اسماعیل منیر شکوہ آبادی مطبع ثمر ہند — لکھنؤ 1297ھ

-120 گجرات کی تمدنی تاریخ — مولوی سید ابوظفر ندوی — مطبع معارف اعظم گڈھ
1962

-121 گذشتہ لکھنؤ — مولانا عبدالحلیم شرر — مرتب: شمیم انہونوی لکھنؤ
1965

-122 گل دستہ ناز نینان — مولوی کریم الدین — 1845

-123 لکھنؤ کا دبستان شاعری — ڈاکٹر ابواللیث صدیقی غضنفر اکیڈمی — کراچی طبع ثانی 1987

-124 لکھنؤ میں اردو نثر — ڈاکٹر محمد شعیب — نئی دہلی 2001

-125 مجموعہ مکتوبات آزاد — مولانا محمد حسین آزاد — مطبوعہ

-126 مجموعہ نثر غالب — مرزا اسداللہ خان غالب — مرتب: خلیل الرحمن داودی

		مجلس ترقی ادب لاہور	1967
-127	مجموعہ سخن	حصہ اول	
-128	محاسن کلام غالب	عبدالرحمن بجنوری	انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی 1983
-129	مخطوطات انجمن ترقی اردو (اردو)	مرتب: افسر صدیقی امروہوی	انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی جلد اول
	ایضاً	ایضاً	جلد دوم 1967
	ایضاً	ایضاً	جلد سوم 1975
	ایضاً	ایضاً	جلد چہارم
	ایضاً	ایضاً	جلد پنجم 1978
	ایضاً	ایضاً	جلد ششم 1982
-130	مخطوطات متفرقہ - تفصیلی فہرست	پنجاب پبلک لائبریری لاہور	مرتب منظور احسن عباسی 1964
-131	مخطوطات ذخیرۂ احسن مارہروی - مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ	مرتب: سید محمد حسن فقیر امروہوی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	1983
-132	مرقع غالب	پرتھوی چندر لکشمی پرنٹنگ ورکس دہلی پہلی بار	1966
-133	مرحوم دہلی کالج	ڈاکٹر مولوی عبدالحق انجمن ترقی اردو ہند دہلی	1945
-134	معتمد الدولہ آغا میر	ڈاکٹر محمد انصار اللہ	غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی 1988

-135	مقالات شیرانی حافظ محمود شیرانی	جلد نہم	مرتب: ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی مجلس ترقی ادب لاہور 1999
-136	مقدمہ شعروشاعری	مولوی الطاف حسین حالی	نیشنل پریس الہ آباد بار سوم 1955
-137	منتخب العالم (دیوان)	منیر شکوہ آبادی	
-138	مولانا باقر آگاہ ویلوری شخصیت اور فن	ڈاکٹر ذاکرہ غوث تمل ناڈو اردو پبلی کیشنز مدراس	1995
139	نانک ساگر	محمد عمر و نورالہی	اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ 1982
-140	ناگپور میں اردو کا ارتقائی سفر	ڈاکٹر شرف الدین ساحل	مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی بمبئی 1993
-141	ناگپور کا مسلم معاشرہ - گونڈ اور بھوسلہ عہد میں	ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل علیم پرنٹرس ناگپور	1996
-142	نساخ - حیات وتصانیف	ڈاکٹر محمد صدر الحق انجمن ترقی اردو پاکستان	کراچی طبع اول 1978
-143	نظم آخریں - میر رشک کا تیسرا دیوان	غیر مطبوعہ، مرتب: ڈاکٹر محمد انصار اللہ	1966
-144	نفس اللغہ	حصہ اول میر علی اوسط رشک	مع دیباچہ، نشر طبع اول نیر پریس لکھنؤ
-145	نمونہ منثورات	مولوی احسن مارہروی مقتدرہ قومی زبان	اسلام آباد 1986

146-	واقعات دارالحکومت دہلی	جلد اول دوم بشیر الدین احمد	شمسی مشین پریس آگرہ
		دہلوی	1337ھ/1919
147-	واجد علی شاہ کی ادبی	ڈاکٹر کوکب قدر سجاد علی مرزا	1995
	اور ثقافتی خدمات	نئی دہلی	
148-	وزیر نامہ	امیر علی خان بہادر	مطبع نظامی کانپور
			1293ھ
149-	ویلور-تاریخ کے آئینہ میں	ڈاکٹر راہی فدائی	کڈپہ 1997
150-	بادی ہریانہ-شاہ محمد رمضان	پروفیسر منظور الحق صدیقی	حرا پبلی کیشنز لاہور 1993
	شہید مہمی کے حالات		
151-	ہندوستان میں چھاپہ خانہ-	اے کے پرولکر	ترقی اردو بورڈ نئی دہلی
	آغاز و ابتدائی تاریخ	مترجم علی ابن الحسین زیدی	1979
152-	یادگار غالب	مولوی الطاف حسین حالی	غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی
			دوسرا عکسی ایڈیشن 1996
153-	بادنامہ داودی-	مرتبین تحسین فراقی و جعفر بلوچ	دارالتذکیر لاہور 2003
	خلیل الرحمن داؤدی		
154-	اردو مخطوطات - خدابخش 1987 کے مقالات	خدابخش	1999
	جنوبی ایشیائی علاقائی سیمینار	اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ	
155-	دیوان غالب جدید نسخہ	مرتب: مفتی محمد انوار الحق	مفید عام اسٹیم پریس آگرہ
	حمیدیہ		1921
156-	مکتوبات آزاد	محمد حسین آزاد	بار دوم مرغوب بک ایجنسی لاہور
157-	باغی ہندوستان	مولانا محمد فضل حق خیرآبادی	طبع ثالث
		مترجم عبدالشاہد خاں شروانی	مکتبہ قادریہ لاہور
			1298ھ/1987

158-	شیو برت لال ورمن اوران کی علمی وادبی خدمات	ڈاکٹر ذکیہ خاتون رائل پرنٹرز	علی گڑھ 2000
159-	غدر کے چند علما	مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی	نیا کتاب گھر دہلی

ب-فارسی کی کتابیں

1-	امیر نامہ	محمد امیر علی خان بادر امیر رزیرالسلطان	مطبوعہ کلکتہ
2-	پنج آہنگ میں مکاتیب غالب	مرتب کالیداس گپتا رضا	بمبئی 1989 مطبوعہ
3-	تذکرۂ آزردہ	مفتی صدر الدین خاں آزردہ	مرتب: ڈاکٹر مختار الدین احمد مشور- ماہی تحریر دہلی
4-	تذکرہ شعرا	ابن امین اللہ طوفان مرتب	قاضی عبدالودود پٹنہ 1954
5-	تذکرہ بہار بے خزاں	احمد حسین سحر مرتب نعیم احمد دہلی	1968
6-	تذکرہ ریاض الفصحا	غلام ہمدانی مصحفی طبع اول	مرتب: مولوی عبدالحق دہلی 1934
7-	تذکرہ سرور	عمدہ منتخبہ میر محمد خان بہادر سرور	مرتب خواجہ احمد فاروقی دہلی 1961
8-	تذکرہ صبح گلشن	سید علی حسن خان بہادر بھوپال	شوال 1295ھ
9-	تذکرہ عروس الاذکار	نصیر الدین نقش حیدرآبادی	مرتب: افسر صدیقی امروہوی کراچی 1975
10-	تذکرہ گلزار ابراہیم	علی ابراہیم خاں خلیل	مرتب: ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور علی گڑھ بار اول 1934

-11	تذکرہ گلشن ہند	مرزا علی لطف مرتب ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور	علی گڑھ بار اول1443
-12	تذکرہ گلشن بے خار	نواب مصطفیٰ خان شیفتہ (طبع اول) دہلی	1253ھ/1837
-13	ایضاً ایضاً	لکھنؤ (پہلا آفسٹ ایڈیشن)	1982
-14	تذکرہ گلشن ہمیشہ بہار	نصر اللہ خاں خویشگی	مرتب:ڈاکٹر اسلم فرخی کراچی 1967
-15	تذکرہ مجموعہ نغز	حکیم قدرت اللہ قاسم مرتب:محمود شیرانی	دہلی1973
-16	تذکرہ مخزن شعرا	قاضی نور الدین حسین خاں فائق	مرتب مولوی عبدالحق اورنگ آباد دکن1933
-17	ترجمہ متون فارسی بہ زبانہاے پاکستانی	مولف اختر راہی	لاہور 1986
-18	تلاش غسالہ	حکیم حبیب الرحمن مرتب:ڈاکٹر عارف نوشاہی	مغربی پاکستان اردو اکادمی لاہور1995
-19	رسالہ ذکر مغنیان ہندستان	عنایت خاں راسخ	مرتب:سید علی حیدر، پٹنہ 1961
-20	فہرست چاپ ہاے آثار سوری در شبہ قارہ	تالیف سید عارف نوشاہی	لاہور1984
-21	فہرست کتاب ہاے فارسی چاپ سنگی و کمیاب کتاب خانہ گنج بخش	جلد یکم مولف سید عارف نوشاہی	لاہور1986
-22	فہرست مخطوطات شیرانی	جلد دوم مرتب ڈاکٹر محمد بشیر حسین	دانش گاہ پنجاب، لاہور 1969

23- فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی مرتب: سید عارف نوشاہی لاہور 1983
موزۂ ملی پاکستان کراچی

24- قول فیصل مولوی امام بخش صہبائی مطبع نظامی کانپور 1278

ج۔ متفرقات

اے ڈسکرپٹیو کیٹلاگ آف پرشین، اردو اینڈ امریک مینوسکرپٹس۔ پنجاب یونیورسٹی

1- جلد 1 تجوامرتب اس ایم عبداللہ لاہور 1942

2- کیٹلاگ آف دی سنسکرت جلد 2
مینوسکرپٹس۔ پنجاب یونیورسٹی

3- مرتب پنڈت بالا سہائے لاہور 1941
شاستری

ہندی ساہتیہ کا برہت اتہاس مدیر ڈاکٹر نگیندر
(ریت کال)

ناگری پرچارنی سبھا کاشی سمبت 1973/2030
بکرمی

د۔ رسالے

1- اردو سہ ماہی کراچی جلد 15 نمبر 1
ارمغان گوکل گوکل پرشاد رسا مرتب ڈاکٹر فرمان فتحپوری

2- اردو سہ ماہی کراچی جلد 59 نمبر 1
شاگردان ناسخ ڈاکٹر محمد انصار اللہ

3- اردو ادب سہ ماہی علی گڑھ جلد 4 نمبر 1 1954
تذکرہ شعرائے فرخ آباد مرتب ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

4- اردو ادب سہ ماہی علی گڑھ جلد 10 نمبر 3 1972

	مخطوطہ دیوان ناسک	ڈاکٹر اکبر حیدری		
	کا واحد نسخہ	کاشمیری		
5-	الزبیر	سہ ماہی	اردو اکادمی بہاولپور	سفرنامہ نمبر
6-	روح ادب	سہ ماہی کلکتہ	جلد2 نمبر5	بنگال میں اردو شاعری نمبر
7-	قومی زبان	کراچی	16/فروری	1963
8-	معاصر	پٹنہ	حصہ17	جولائی1960
		سفر آشوب	مرتب	قاضی عبدالودود
9-	معاصر	پٹنہ حصہ 18	جولائی 1962	خلاصہ سوانح لکھنؤ
		مرتبین	قاضی عبدالودود،	سید حسن
10-	نگار	ماہنامہ	لکھنؤ	سالنامہ 1950
11-	نخلستان	سہ ماہی	اودے پور	شمارہ1، 2اپریل و جولائی1964 نمبر3، 1964
		سلسلۃ الشعراء- تلامذۂ ناسخ		مرتب: محمد انصار اللہ نظر
12-	ماہنامہ	سادھو	لاہور	ایڈیٹر مہرشی شیوبرت لال ونشی سورج نراین مہر فروری و مارچ1912
	مہرشی شیوبرت لال کا سفرنامہ			پہلی قسط
13-	ایضاً مئی	1912	مہرشی شیو کا سفرنامہ دوسری قسط	
14-	مارتنڈ ماہنامہ	لاہور	ایڈیٹر بابو شیوبرت لعل ورمن	جنوری1912
		-میرا سفرنامہ	پہلی قسط	

’تاریخ ادب اردو جلد پانزدہم‘ انیسویں صدی عیسوی کی تاریخ ادب اردو کا ایک حصہ ہے جس میں بہادر شاہ ثانی کے فوراً بعد کی علمی و ادبی صورتحال کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ تاریخ اس اعتبار سے عدیم المثل ہے کہ اس میں مختلف مراکز کی علمی و ادبی فتوحات کے حوالے سے اردو زبان و ادب کی تاریخ لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس جلد میں دہلی، کشمیر، صوبہ سرحد، بلوچستان، صوبہ سندھ، لاہور، بہاولپور، سیالکوٹ، جالندھر، امرتسر، لدھیانہ کرنال، صوبہ ہریانہ، سہارن پور، میرٹھ، مظفرنگر، بلند شہر، علی گڑھ، آگرہ، بندیل کھنڈ (کالپی، باندہ، چرکھاری، مہوبا، رام پور) وغیرہ میں اردو زبان و ادب کی صورت حال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ زمانہ ہندوستان کی ادبی ہی نہیں سیاسی و ثقافتی تاریخ کے اعتبار سے بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اردو کے سلسلے میں تو اس کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ اس کتاب میں ان مراکز کی علمی و ادبی فتوحات پر شاعری، سوانحات، ڈرامے، حکایات و لطائف، داستان، ناول، مضامین، تراجم، خطوط و انشا، تاریخ و تذکرہ اور متفرقات کے ذیلی عنوانات کے تحت گفتگو کی گئی ہے۔

پروفیسر محمد انصار اللہ اردو کے معروف و ممتاز محقق ہیں ان کے ادبی ذوق کی تربیت قاضی عبدالودود اور پروفیسر نذیر احمد کی تحریروں کے زیر اثر ہوئی ہے۔ ان کا پہلا تحقیقی مضمون نگار لکھنؤ میں شائع ہوا تھا۔ ادبی تاریخ سے ان کی گہری دلچسپی ہے اور ان کی 60 سے زیادہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

ISBN: 978-93-5160-102-9
9 789351 601029
NCPUL
New Delhi
₹ 277/-

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی، 33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔ 110025